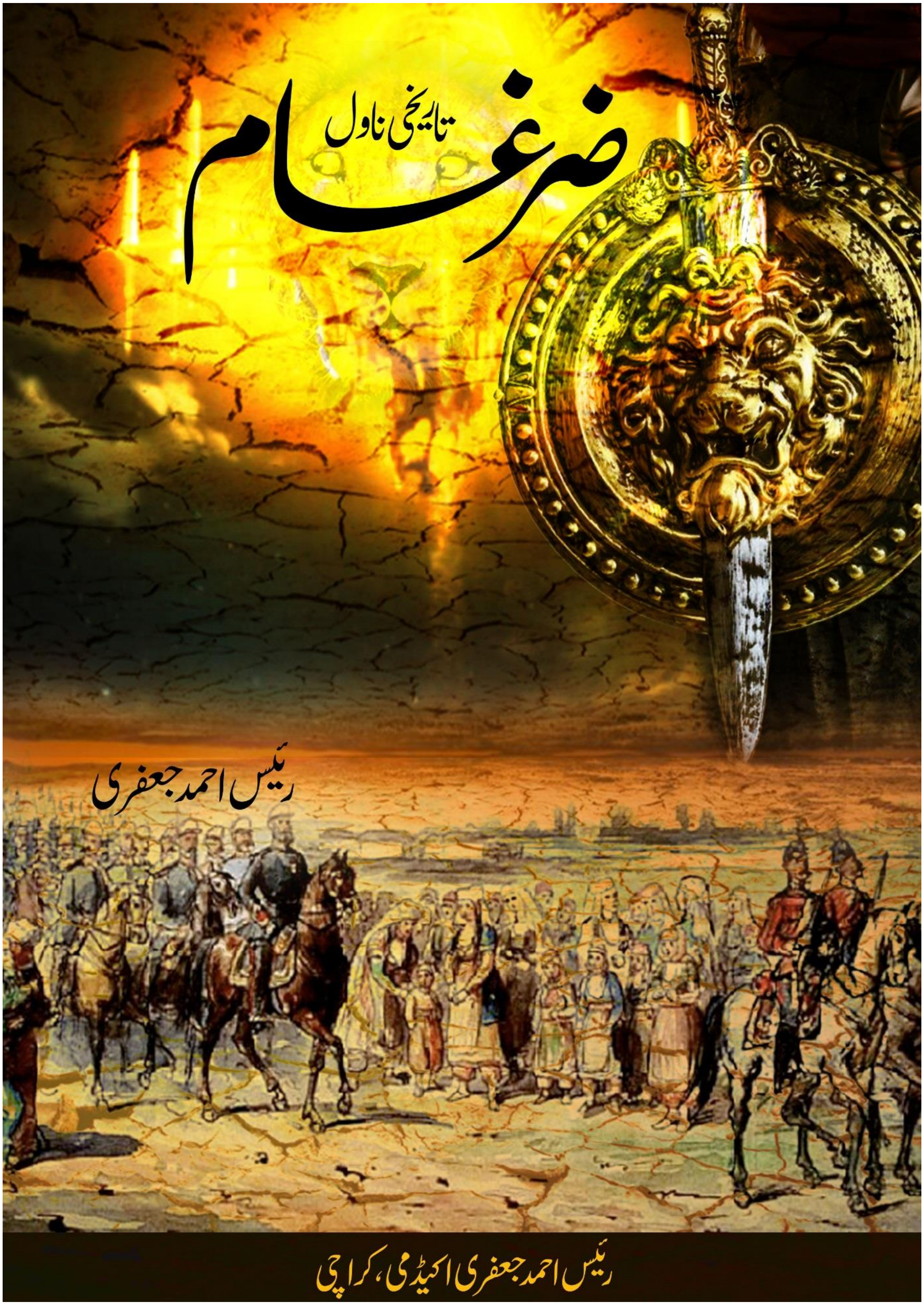
تاریخی ناول
ضرغام
رئیس احمد جعفری
رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی

دین اسلام کی سربلندی کے لیے تلوار میان سے نکالے اور اس وقت تک اسے بے نیام رکھے جب تک اس کے بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے

قاضی صاحب: جزاک اللہ، جزاک اللہ، شاباش نوجوان شاباش، تمہاری زبان پر یہی الفاظ زیب دیتے ہیں"

معتصم: تو تم کیا چاہتے ہو؟ کہاں جانا چاہتے ہو؟

ضرغام: میدان جنگ میں —— آرمینیا میں جو جنگ ہو رہی ہے وہ مجھے پکار رہی ہے کہ میں وہاں جاؤں اور جو کچھ بھلی بری خدمت اسلام کی انجام دے سکتا ہوں، دوں"

قاضی صاحب: ماشاء اللہ، ماشاء اللہ —— تو کب جانا چاہتے ہو؟

ضرغام: جب امیر المومنین اجازت مرحمت فرمائیں میں تو تابع فرمان ہوں اگر اس وقت مل جائے تو ابھی روانہ ہو جاؤں گا"

قاضی صاحب: میں ابھی امیر المومنین سے یہی عرض کر رہا تھا کہ وہ بابک مردود بہت حد سے گزرنے لگا ہے، اس کی سرکوبی کے لئے ضرغام جیسا کوئی شخص جانا چاہیے۔ امیر المومنین تمہیں بہت عزیز رکھتے ہیں، وہ ایک لمحہ کے لئے بھی تمہیں اپنے پاس سے جدا کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن وہ تمہاری سربلندی اور کامرانی میں حائل بھی نہیں ہونا چاہتے۔ انہوں نے اس لئے تمہیں طلب کیا ہے کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

ضرغام: میں تو اپنی ناچیز رائے عرض کر چکا ہوں!

قاضی: تو امیر المومنین کی طرف سے اجازت سمجھو خدا کرے یہ جنگ تمہارے

No. ... Muslim Girls

LIBRARY
No..................
Aminia Muslim Girls School.

ضرغام

(تاریخی ناول)

رئیس احمد جعفری

سلطان حسین اینڈ سنز
تاجران کتب بولٹن مارکیٹ روڈ
کراچی

ظفر برادرز
بینک سکوئر دی مال لاہور — ۲
دی مال ——— مری

ہاتھوں انجام کو پہنچے اور فاتح کی حیثیت سے بہت جلد واپس آؤ۔"

ضرغام :" اگر امیر المومنین نے یہ خدمت غلام کو سونپی ہے تو وہ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھے گا۔"

معتصم :" یہ ہم جانتے ہیں، لیکن تمہیں معلوم ہے آرمینا کا اسلامی لشکر افشین کے زیر قیادت ہے، کیا تم اسے گوارا کرو گے کہ اس کے ماتحت کام کرو؟"

ضرغام :" احساس برتری یا احساس کمتری دنیاوی لڑائیوں میں تو جائز ہو سکتا ہے، لیکن جہاد میں نہیں، میری نیت جہاد کی ہے اگر امیر المومنین ایک جاہل اور گنوار کو بھی میرا قائد اور سالار بنا دیں گے تو میں اس کے پرچم تلے اپنا خون بہا دینا سب سے بڑی سعادت سمجھوں گا ــــــ میں تو امیر المومنین کی تلوار ہوں۔ اور یہ تلوار ہر حالت میں دشمن کے خرمن جاہت پر بجلی بن کر گرے گی۔"

معتصم :" جزاک اللہ۔ ایک مجاہد میں یہی جذبہ ہونا چاہیے اور ہم افشین کو لکھ دیں گے کہ وہ دوسرے سالاروں کے مقابلہ میں تمہاری منزلت کا زیادہ خیال رکھے۔"

ضرغام :" بندہ نوازی ہے امیر المومنین کی۔"

قاضی صاحب :" تو اب تمہیں جا کر سفر کی تیاری کرنی چاہیے۔"

معتصم :" ہاں، اب تم جا سکتے ہو ــــــ جاؤ، فتح و ظفر تمہارے ساتھ ہو، خدا کی نصرت تمہاری معاون ہو۔ کامیابی اور کامرانی تمہاری

No.......... Muslim Girls School

مادرِ وطن کے لئے

مائیں
اپنے
بیٹے
دے
دیں
بہنیں
اپنے
بھائی

ناہید ظفر

اچھی
کتابیں
آپ
کے
قیمتی
ذہن
کو
نشوونما
بخشتی
ہیں

ظفر احمد قریشی

انگلش، اُردو کتابیں ——— انگلش، اُردو رسالے

اور

نفیس سامانِ سٹیشنری کا واحد مرکز

ظفر احمد قریشی اینڈ سنز، دی مال مری

احمد بن ابی داؤد عرب نہیں ہیں ؟

حماد :۔ ان کے عرب ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے ؟

ضرغام :۔ تو کون نہیں جانتا کہ امیر المومنین کے دربار میں سب سے زیادہ معزز اور مکرم شخصیت انہی کی ہے ان کا کہنا ٹل نہیں سکتا۔ ان کی سفارش رد نہیں ہو سکتی۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ امیر المومنین کے سامنے چوں کر سکے لیکن وہ بے دھڑک بولتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کہتے ہیں۔

حماد :۔ ایک قاضی صاحب سے کیا ہوتا ہے۔

ضرغام :۔ قاضی صاحب کو چھوڑو، اپنے آپ کو لو، کیا تمہارا شمار ارکان دولت میں نہیں تھا ؟

حماد نے سر ہلاتے ہوئے کہا " میری یا قاضی صاحب کی مثالیں پیش کرنے سے کیا فائدہ جبکہ لاکھوں عرب فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے پر معتصم کی بدسلوکی کی وجہ سے مجبور ہو چکے ہیں۔

ضرغام :۔ میرے دوست میں کہتا ہوں معاملات و مسائل پر اس حیثیت سے مت غور کرو کہ کون عربی ہے اور کون عجمی ؟ صرف ایک مسلمان کی حیثیت سے سوچو پھر یقیناً تمہارے خیالات و جذبات کی تلخی ختم ہو جائے گی —— مسلمانوں کے انحطاط کا راز یہی ہے۔ ان میں مقامی اور وطنی عقیدت پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ اسلام اس عقیدت کا سخت مخالف ہے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ضرغام :۔ اس کا نام یاقوتہ تھا ـــــــ کتنا اچھا نام !"

حماد :۔ "اور تم اسے دیکھ لیتے تو محسوس کرتے، وہ اسم بامسمّیٰ ہے !"

ضرغام :۔ "میں تمہارے حسنِ ذوق کا قائل ہوں یقیناً یاقوتہ ہر اعتبار سے ایک قابلِ قدر خاتون ہو گی"

حماد :۔ "میں اگر اس کی تعریف کروں تو تم مبالغہ سمجھو گے دنیا کی وہ کون سی خوبی ہے جو اس میں نہیں ؟"

ضرغام :۔ "ضرور ہو گی خدا کرے وہ تمہیں مل جائے،"

حماد :۔ وہ اس غاصب معتصم کے پاس ہے وہ اسے کیا واپس کرے گا؟

ضرغام :۔ اُنہیں اگر تمہاری محبت کا اندازہ ہوتا تو ضرور دے دیتے۔

حماد :۔ وہ جانتا ہے میں یاقوتہ سے محبت کرتا ہوں اس کا خیال ہے کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کہ اتنی خوبرو جاریہ کا مالک بن سکوں۔

ضرغام :۔ (ہنستے ہوئے) "حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے"

حماد :۔ کیسے ہو سکتا ہے، دیکھ رہے ہو میرا کیا حال ہو رہا ہے ؟

ضرغام :۔ ہاں دیکھ رہا ہوں میرا دل کڑھ رہا ہے۔

حماد :۔ اگر تم یاقوتہ کو دیکھو تو اس کو مجھ سے زیادہ تباہ حال اور خستہ جگر پاؤ گے، وہ بھی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔

ضرغام :۔ یقیناً" کرتی ہو گی" تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔

حماد :۔ لیکن معتصم نے ایک ہاتھ کاٹ دیا ـــــــ آہ، یہ کتنا دل خراش سانحہ ہے۔

عرضِ ناشر

"ضرغام" ایک تاریخی ناول ہے یہ عہدِ عباسیہ کی ایک رُوح پرور داستان ہے، اسے جرجی زیدان نے لکھا، اور رئیس احمد جعفری صاحب نے اُردو کا لباس پہنایا۔ کچھ گھٹایا، کچھ بڑھایا، پلاٹ میں تبدیلی بھی کی، اور آب و رنگ یکسر بدل دیا۔ یہ ناول صرف ترجمہ ہی نہیں ہے، اس میں پختگی بھی ہے۔ اور یہ بجائے خود ایک مستقل اور جداگانہ حیثیت کی مالک ہے، اس میں تاریخ کے سنگین حقائق ہیں۔ عشق و محبت کے دل دوز واقعات ہیں۔ زبان کی سحر طرازی اور بیان کی مٹھاس ہے۔ ان سب چیزوں نے مل کر اس ناول کو ایسی دل آویز کتاب بنا دیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر قرار نہیں پاتا

ظفر احمد قریشی
ناشر

ضرغام :- بے شک ———— لیکن خدا صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے، اس پر بھروسہ کرو وہ تمہاری مدد کرے گا

حماد :- اس سہارے زندہ ہوں لیکن یہ زندگی موت سے بدتر ہے۔

ضرغام :- ایسا نہ کہو، یاقوتہ تمہیں ملے گی اور ضرور ملے گی۔

حماد :- لیکن جب تک معتصم زندہ ہے، نہیں مل سکتی۔

ضرغام :- "پھر وہی مایوسی کی باتیں"

حماد :- تم میرا اندازہ نہیں کر سکتے، اس درد سے وہی آشنا ہو سکتا ہے۔ جس کا دل کسی ایسی ہی نعمت کو کھو چکا ہو۔

ضرغام :- تم نہیں جانتے مگر واقعہ یہی ہے۔

حماد :- "یعنی تمہاری بھی کوئی محبوبہ تھی اور وہ چھین لی گئی"

ضرغام :- (آہ سرد بھر کر) ہاں میرے دوست، اور میں اسی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں،

حماد :- یہ کیا کہہ رہے ہو ضرغام؟

ضرغام :- تم یقین نہ کرو تمہیں حق ہے اس کا لیکن میرا دل نہ دکھاؤ

حماد :- کس نے چھینا تمہاری محبوبہ کو، مجھے اس کا نام بتاؤ، بس اس کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دوں گا میرے دل پر تمہاری شرافت، شجاعت، اور انسانیت کا بڑا گہرا نقش ہے کاش میں تمہارے کام آ سکوں۔ تلاش میں تمہاری مدد کر سکوں؟

ضرغام :- میں اسی لئے تو آیا تھا تمہارے پاس، تم سے چارہ گری کی امید ہے

پیش لفظ

یہ جرجی زیدان کے ایک ناول کا ترجمہ ہے اس ناول میں عہدِ عباسیہ کی تاریخ دلچسپ اور پُرلطف انداز میں بیان کی گئی ہے، جرجی زیدان نے یہ ناول بڑے اچھے انداز اور پُرلطف پیرایہ میں لکھا ہے، یہ ایک پارسی دوشیزہ کی کہانی ہے، یہ ایک مسلمان مجاہد کی داستان ہے، یہ ایک بہادر فرمانروا ——— کا قصہ ہے، اس میں کشمکش ہے، محبت ہے، نفرت ہے، انتقام ہے، دوستی ہے، وفاداری ہے، دشمنی ہے، غداری اور مکاری ہے۔ سب کچھ ہے اور بڑے دل کش انداز میں ہے، پلاٹ عمدہ، زبان بہتر، خیالات ستھرے، اندازِ بیان دلکش، واقعات سبق آموز، لیکن جرجی زیدان بہر حال عیسائی ہے۔ شرارت سے باز نہیں آتا، سچ لوتے بولتے جھوٹ بولنے لگتا ہے۔ حقیقت بیان کرتے کرتے دروغ بیانی پر اُتر آتا ہے۔ میں نے ترجمہ میں اس کی رعایت کی ہے کہ سچ سچ ہی ہے، اس میں جھوٹ کی آمیزش نہ آنے پائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر میں ٹھیک ٹھیک ترمیم و تصحیح پر مجبور ہو گیا اور اس طرح اس کا تمام فاسد مواد خارج ہو گیا اور صالح مواد باقی رہ گیا ——— !

رئیس احمد جعفری

لاہور

ہیدرنہ :۔ لیکن میری فارسی بہت کمزور ہے اگرچہ آرمینا سے گرفتار ہوئی ہوں لیکن دراصل یونان کی رہنے والی ہوں صرف وہی زبان اچھی طرح بول سکتی ہوں،

بانو :۔ کوئی پرواہ نہیں ہم تمہاری ٹوٹی پھوٹی فارسی سے بھی مطلب نکال لیں گے کہو تو،

ہیدرنہ :۔ عمور یہ ہمارا وطن ہے، وہاں اپنے باپ کے گھر میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ جب جوان ہوئی تو آرمینا کے ایک بطریق (پادری) نے والد کو میرا پیام دیا انھوں نے قبول کر لیا ہم دونوں کی شادی بہت جلد ہو گئی شادی کے بعد وہ مجھے لے کر اپنے وطن آرمینا میں آگیا گو عمور یہ چھوڑنے کا مجھے دکھ ہوا لیکن شوہر کی محبت، دل داری نے بہت جلد یہ غم فراموش کر دیا۔

بانو :۔ محبوب کا ساتھ ہر غم کو بھلا دیتا ہے۔

ہیدرنہ :۔ دو برس اس طرح گزر گئے جیسے دو لمحے ——— عیش کے دن بہت جلد گزر جاتے ہیں

بانو :۔ ہاں سچ کہتی ہو ہیدرنہ، سچ سچ یہی بات ہے ——— اچھا پھر؟

ہیدرنہ :۔ پھر نہ جانے کس طرح بابک کو میرے حسن و جمال کی خبر لگی۔

بانو :۔ اور یہ تمہارا گاہک بن گیا؟

ہیدرنہ :۔ ہاں، یہ اسی طرح، خوب صورت عورتوں کا گاہک بن کر ان کے درپے آزار ہوا کرتا ہے۔

ایک نظر

فرغانہ (عروس البلاد)
عید نوروز
بانو
یہ اضطراب کیسا؟
آخر وہ راز کیا ہے۔
ہاں مجھے اس سے محبت ہے
یہ محبت ہے۔
بس وہی ایک ذکر
وہ آئے گا، ضرور آئے گا اور جلد آئے گا۔
مکتوبِ محبت
شکار
بخارا کا نوروز
افشین حیدر
وہ نہیں ملا
یہ تھا مرزبان
سامان
ضرغام آگیا
سامرّا
پرستش
سازش کدہ
از من بجز حکایت مہر و وفا مپرس
رازونیاز
عہدوپیمان
بسترِ مرگ
کیا یہ ایک راز تھا؟
وصیت نامہ
فرض کی پکار
روح اور جسم
دلنگاستیار
بوڑھے بھی محبت کر سکتے ہیں؟
رو لے اب دل کھول کر اے
خون نابہ بار
انقلابات ہیں زمانے کے

بانو :: پھر کیا ہوا؟

ہیدینہ :: یہ تاک میں رہا، ایک روز اس کے آدمی پہنچے انھوں نے زبردستی مجھے گرفتار کر لیا اور اس محل میں لاکر بابک کی بیوی بنا دیا۔

بانو :: آہ ——— اور تمہارا بدقسمت شوہر؟

ہیدینہ :: (ٹھنڈی سانس لے کر) کچھ نہیں معلوم وہ کہاں ہے کس حال میں ہے۔ زندہ ہے یا مرگیا؟

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی پھر اس نے اپنے آنسو پونچھے اور بانو کی طرف کو پرنم دیکھ کر کہا۔

"یہ داستان میں نے اس لئے تمہیں سنائی تھی کہ تمہیں رلادوں اس لئے سنائی تھی کہ اسے سن کر تم اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلو اپنے آپ کو مصیبت زدہ نہ سمجھو، اس محل میں کچھ ایسی ہستیاں بھی ہیں جو تم سے زیادہ بدقسمت ہیں"

بانو :: مجھے اس کا اندیشہ پہلے ہی تھا اور اب تمہیں دیکھ کر تمہاری بپتا سن کر یقین بھی ہوگیا

خیزران :: لیکن وہ کمبخت بابک ہے کہاں؟ میرا مطلب یہ ہے رہتا کہاں ہے؟

ہیدینہ :: وہ پاس کے ایک محل میں الگ رہتا ہے جس عورت کو چاہتا ہے وہیں بلا لیتا ہے، ایک آدھ دن اسے اپنے پاس رکھتا ہے جب طبیعت سیر ہوجاتی ہے تو کسی اور کو بلا لیتا ہے محل میں اس کی بیویوں کی فوج

ضرغام کا گھر
اندھی ماں
آغوشِ مادر میں
زخمی شیر
امیر المومنین
بارگاہِ خلافت
نئی مشکل
وہ خوبصورت ترک جاریہ
قاضی صاحب
تدبیر و شمشیر
بانو کیا ہوئی؟
تلاش
عرب و عجم
تو ہائے گُل پکار میں چلاؤں ہائے دِل۔
وہ عورت کون تھی؟
یہ کون عورت ہے؟
قیمتی ہار
پھر یہ کس کی حرکت تھی؟
اختلاف
گرفتاری
قلعی کھُل گئی
بھگوڑا
پنجرا
غم میں خوشی
جھوٹ کی پوٹ
جھُکے ہوئے سر
دل سے تیری نگاہ جگر تک اُتر گئی۔
پھر مایوسی
عورت کی جیت
نئی خبر
میدانِ جنگ کی طرف
بزدل سالار
پا بہ دستے دگرے، دست بدستِ دگرے۔
معتصم کا خط
پہلی ملاقات

وہ ہم سے بھی زیادہ آشنائے ضرغام اور بانو
دردِ غم نکلے۔
سپاہی کا فیصلہ
چال
ضرغام گرفتار ہو گیا۔
پسِ دیوار
آس میں یاس
تلاش
قاتل قتل کر دیا گیا
دربارِ خلافت میں!
حماد کا خط، مسلمانوں کا قتلِ عام
معتصم کا خواب
حملہ کی تیاری
پھر مایوسی
وفادار ساتھی
اے فلک رشک سے نہ جل مرنا
معتصم کی عدالت میں
افشین کو سزا
شہرزاد کی کہانی

باب ۔ ۱

فرغانہ، عُروس البلاد

مسلمانوں کا کاروان فتح و اقبال، عرب کی گھاٹیوں اور وادیوں سے نکل کر بہت جلد، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کا مالک بن گیا۔ یہ عرب جب تک اسلام سے بیگانہ اللہ و دین محمدؐ سے ناآشنا تھے ۔ بدخو تھے، جاہل تھے، غیر مہذب تھے، انسانیت کش تھے، درندہ صفت تھے، مردم آزاد تھے، اخلاقِ رذیلہ کی کوئی صفت ایسی نہ تھی، جو ان میں بدرجہ اتم موجود نہ ہو۔

یہ اپنی لڑکیوں کو زمین میں اپنے ہاتھوں زندہ دفن کردیتے تھے۔ یہ بات بات پہ تلوار میان سے نکال لیتے تھے۔ یہ انتقام کے عادی تھے۔ اِن کے انتقام کا سلسلہ مہینوں، اور سالوں نہیں نسلوں اور پشتوں تک چلتا تھا۔ یہ زانی تھے، شرابی تھے، اپنے باپ کی بیویوں تک کو گھر میں ڈال لیتے تھے۔ رحم سے آشنا نہ تھے، ظلم و شقاوت ان کی سرشت تھی۔ عہد و پیمان کرتے تھے۔ مگر اس لئے کہ توڑ دیں۔ قول و قرار کے دھنی تھے۔ لیکن نباہنے میں نہیں توڑنے میں، قزاقی، تاج و تخت تاراج، قتل و غارت، اِن کا شیوہ تھا۔

ان کے دن بھی اس میں صرف ہوتے تھے اور راتیں بھی ۔

لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد، ان کی فطرت بدل گئی، یہ خود بدل گئے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا یہ وہی عرب ہیں جو بعثت نبوی اور آغازِ اسلام سے پہلے تھے اب ان میں صفات عالیہ پیدا ہوئے، یہ خدا سے ڈرنے لگے ۔ اُنہوں نے بُت پرستی ترک کردی۔ اور خدائے واحد کے سامنے سر بسجود ہونے لگے ۔ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اِلا اللہ کے معنی یہ ہیں ۔ اُنہوں نے مسئلہ رحم سیکھ لیا ۔ انسانیت نوازی سیکھ لی ۔ دوسروں کی مصیبت میں کام آنا سیکھ لیا ۔

"میں ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں"!

ان میں نیا جذبہ پیدا ہوگیا، نیا ولولہ پیدا ہوگیا، اب تک یہ ڈاکو تھے، قزاق تھے، انسانیت کش تھے ۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حاکم اور حکمران بن گئے ۔ انسانیت کے دُکھوں اور بیماریوں کا ان کے ذریعہ تدارک ہونے لگا ۔ یہ جس جگہ فتح وظفر کا پرچم لہراتے تھے ۔ وہاں کی دُنیا اُنہوں نے بدل دی ۔ اُنہوں نے مظلوم کو اس کا حق دے دیا ۔ ظالم کے مظالموں کا حق چھین لیا ۔ اُنہوں نے مذہبوں کو آزاد کیا ۔ اُنہوں نے اپنے مفتوحہ ممالک میں آزادیٔ رائے عامہ کی، آزادیٔ عقیدہ پر کوئی پابندی نہ رکھی ۔ مساوات کی دولت اور نعمت ان لوگوں کو بخشی جو صدیوں سے غلامی کی زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے ۔ جو وطن میں اِس لئے تھے کہ جب تک زندہ ہیں ۔ ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کریں ۔ اُنہوں نے زمینوں کو لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے بدل دیا ۔ ویرانے اُن کے دم سے آباد اور پُر رونق ہوگئے ۔ اُنہوں نے عدل کا نظام قائم کیا ۔ اور کوئی شخص بھی عدل سے محروم نہ رہا ۔ اُنہوں

نے عدل و انصاف کو سستا بھی بنا دیا۔ کسی کے لئے بھی عدل و انصاف کے حاصل کرنے میں دشواری نہ رہی۔

غرض یہ جہاں پہنچے جانِ بہار بن کر پہنچے۔ ان کے آتے ہی فضا بدل گئی، رُت پلٹ گئی۔ موسم کچھ سے کچھ ہو گیا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ کایا پلٹ گئی۔

یہی وجہ تھی کہ دشمنوں تک نے ان کے آگے سرِ تسلیم خم کیا۔ جو ان کے مذہب کے مخالف تھے۔ وہ بھی مجبور ہو گئے کہ ان کے عدل و انصاف کی تعریف کریں۔ یہ نہ ہوتے تو دنیا تباہی و بربادی کے غار میں گر جاتی!

یہ جب تک اسلام سے نا آشنا تھے، عرب کے ایک چھوٹے سے خطہ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

اور یہ زندگی کیا تھی ——؟

یہ قتل و غارت، یا بھیڑوں اور بکریوں کی گلہ بانی!

لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد یہ انسانیت کے گلّہ بان بن گئے۔ جہاں جہاں ان کے قدم پہنچے، وہاں بہار آگئی، رونق پیدا ہو گئی، ان کی تعمیری صلاحیتوں سے ایک نئی دنیا آباد ہو گئی!

یہ اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے عرب کی تنگنائے سے نکلے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے عرب و عجم ان کے زیرِ نگیں ہو گئے۔ مشرق و مغرب پر ان کا پھریرا اڑنے لگا۔ انہوں نے وقت کی سب سے بڑی حکومت زیادہ مہذّب و متمدّن، سیاسی اعتبار سے بہت بڑی استعماری، اور فوجی لحاظ سے بے انتہا طاقتور، اور مسلح حکومتوں کو شکست فاش دی، یہی تھے جنہوں نے سلطنتِ رُوم کے ٹکڑے کر دیئے۔ نہ

اس کا بحری بیڑہ کام آیا۔ نہ اس کی ظفر فوج، یہی تھے جنہوں نے ایران کو فتح کیا اور قیصر و کسریٰ کی مسند شہنشاہی اُلٹ کر رکھ دی۔

فرغانہ ایک بہت بڑا شہر تھا۔ یہ حدود ترکستان و عرب کے بالکل متصل، نہر جیحون کے کنارے آباد تھا۔ یہ بہت دُور، اور دشوار گزار مقام تھا۔ یہاں تک پہنچنا، گویا ہفت خواں کی منزل طے کرنا تھا۔ عرب سے نکل کر پہلے شام جائیے، پھر عراق کا رُخ کیجئے۔ پھر فارس کا چکر کاٹیئے، اس کے بعد خراسان کی منزلیں طے کیجئے پھر نہر سیحوں عبور کیجئے، اس کے بعد بخارا اور سمرقند ہوتے ہوئے۔ اور اشروسنہ کی بادیہ پیمائی کرتے ہوئے نہر جیحون کے کنارے پہنچئے اور یہاں تک پہنچنے کے لئے کیسے کیسے پاپڑ بیلنا پڑتے تھے۔ بلند و بالا پہاڑوں پر گرتے پڑتے چڑھتے، طویل اور عریض، خوفناک اور جان لیوا صحراؤں کو قطع کرتے ہوئے بے آب و گیاہ میدانوں، درندوں اور زہریلے جانوروں سے بھرے ہوئے جنگلوں اور دلدلوں سے گزریئے، تب جاکر اس خطہ تک آپ کی رسائی ہو سکتی تھی۔

سیحون اور جیحون کے راستہ میں بہت سی مختلف و متفرق قومیں آباد تھیں۔ ان کی زبان ہی مختلف تھی۔ طبیعت بھی۔ عادات و خصائل بھی، اور سیرت بھی، یکرنگی اور ہم آہنگی جس چیز کا نام ہے۔ اس کا کہیں نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔ ان کے ہاں ان کی اکثریت اجڈ ترکمانوں پر مشتمل تھی۔ جو نہ تہذیب سے واقف تھے نہ تمدن سے، لڑائی ان کا پیشہ تھا لوٹ مار ان کی عادت، قتل و غارت ان کی فطرتِ ثانیہ، مزاج تند، عادات و فضائل میں کسی طرح کی لچک نہیں، یہ چٹان کی مانند تھے۔ انہیں توڑا جاسکتا تھا لیکن جھکایا نہیں جاسکتا تھا۔

عربوں نے ایک سیلِ رواں کی طرح دیکھتے دیکھتے، چند سال کی قلیل مدت میں شام فتح کر لیا۔ عراق پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ مصر پر اُن کا پرچم لہرانے لگا۔ سارے فارس کو اپنا مطیع کر لیا۔ لیکن فرغانہ جیسے دور دراز اور دشوار گذار مقام تک اِن کے عساکر سلطنت[1] پہلی صدی ہجری کے آخری لمحے سے پہلے نہ پہنچ سکے۔ قتیبہ بن مسلم، فاتح ترکستان نے اسے ۹۴ھ میں فتح ہی کر دیا۔ فرغانہ حکومت خراسان کا ماتحت تھا، خراج اور جزیہ پر صلح ہوئی تھی۔ اور دونوں ــــ فاتح و مفتوح ــــ اپنے اپنے عہد پر سچائی اور دیانت کیساتھ قائم تھے

فرغانہ کے آس پاس جو دوسرے شہر تھے۔ وہ اگرچہ عربوں کے مفتوح ہو چکے تھے۔ لیکن وہ تہذیب و تمدّن کے پُتلے تھے۔ ان میں اِس کے سوا کوئی کمزوری نہ تھی کہ وہ اپنی آزادی کا تحفّظ نہ کر سکے۔ اور ایک بڑی قوم کے ماتحت اور زیرِ نگین، اِن کے شہر آباد تھے۔ دیہاتوں اور قصبوں تک میں حصارت اور زینت کے آثار و نقوش موجود تھے مالی اور اقتصادی اعتبار سے بھی یہ مضبوط تھے۔ علم کی مشعل بھی اِن کے کاشانہ میں روشن تھی، قلعے بھی تھے، فصیل بھی اور بلند و بالا، شاندار اور یادگار عمارتیں بھی، گھنے باغ بھی، دلکشا نہریں بھی؛ اور اِن نہروں اور باغوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ جس نے شہروں کی آبادی اور رونق میں چار چاند لگا دیئے تھے، ترکستان اور ماوراءالنہر کے اِن شہروں میں زندگی کی جو تڑپ اور گہما گہمی[2] اور رونق کے آثار و نقوش نظر آتے

---

[1] ابنِ اثیر صفحہ ۲۷۹ جلد ۴ [2] ابنِ اثیر۔

تھے۔ وہ ہر دیکھنے والے کے قلب و دماغ پر عجیب اور نہ بھولنے والا اثر پیدا کر دیتے تھے۔

فتح اسلامی کے وقت فرغانہ کے رہنے والوں کی کیفیت یہ تھی کہ یہ زیادہ تر مخلوط النسل کے لوگ تھے۔ ان میں قدیم آبادی کے اثرات بھی موجود تھے۔ اور ترکی، ہندی اور چینی اثرات بھی کام کر رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ با اثر اور با اقتدار پارسی لوگ تھے۔ سچ پوچھئے تو ریاستوں میں سیاست ان ہی لوگوں کے ہاتھوں میں تھی۔ ان میں ادبی ذوق بھی تھا اپنے دین ——— مجوسی مذہب ——— پر یہ سختی سے قائم تھے۔ اس لئے کہ عربوں کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی کے دین کی توہین نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی مسلمان ہو جائے تو عذر نہیں۔ قدرتاً انہیں خوشی ہوتی تھی۔ لیکن اگر اپنے دین پہ قائم رہے اور اسلام نہ قبول کرے تو بھی اس کی حیثیت اور وقار میں ذرا فرق نہیں آتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ پورے طور پر مساوات اور عدل و انصاف کے پہلو کو ملحوظ رکھتے تھے اور ذرا بھی کسی غیر مسلم کو شکایت کا موقعہ نہیں دیتے تھے۔ یہ پارسی اپنے مجوسی مذہب کے علاوہ دوسری جس چیز پر سختی سے قائم تھے وہ زبان تھی۔ ان کی زبان قدیم فارسی یعنی پہلوی زبان تھی۔ اور یہ سارے مشرق اقصیٰ میں اس طرح چھائی ہوئی تھی۔ جس طرح آج جدید فارسی امتیاز اور وقار کی حامل ہے اس کے برعکس فرغانہ کے باشندے جس زبان کو استعمال کرتے تھے۔ وہ ان کی قدیم ترکی زبان تھی۔ جسے شاغستانیہ کہتے تھے۔

فتح فرغانہ کے وقت یہاں بہت سے اُمراء اور رئیس تھے۔ خاندان سلاطین ملوک کا بھی ایک طبقہ تھا۔ یہ لوگ "رخشید" کہتے جاتے تھے۔ جیسے حبشے کا

بادشاہ نجاشی کے نام سے ملقب تھا یا رُوم کا فرمانروا قیصر کے نام سے پُکارا جاتا تھا۔ یا فارس کا بادشاہ جمجاہ کی کسوٹی کا پُر وقار لقب حاصل تھا۔ اس طرح یہاں کا بادشاہ رخشید کہلایا جاتا تھا۔

لیکن جب مسلمانوں نے اس دیس کو فتح کرلیا۔ اور اُسے اجارۃ خراسان کے ساتھ ملحق کر دیا، تو اب ظاہر ہے یہاں ملوک، سلاطین کی کیا گنجائش تھی۔ البتہ اِس بات کا اُنہوں نے سختی سے لحاظ رکھا کہ کسی کے دینی معاملات میں ذرا بھی مداخلت نہ کی جائے۔ اور مذہبی آزادی ہر شخص کو پورے طور پر حاصل ہو۔ اس طرح پہلے سے جو رسوم چلے آ رہے تھے۔ جو رواج قائم تھا۔ جو مقامی روایات اُنہوں نے قائم کر لئے تھے اس میں بھی کسی طرح کی کمی بیشی نہ کی جائے۔ جو کچھ پہلے چلا آ رہا ہے۔ ویسا ہی ہوتا ہے اور کسی کو ذرا شکایت کا موقعہ نہ ملے ——————

فتح فرغانہ کے بعد یہاں کے باشندوں میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اُن کا ایک وفد عراق اپنی مملکت اسلامیہ کے مرکز میں چلا گیا۔ وہاں پہنچکر وہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کی دلجوئی بھی کی گئی اور قدر افزائی بھی، اُسے مناصب بھی دیئے گئے۔ اور انعام و اکرام سے بھی مالا مال کیا گیا۔ ان میں سے بعض نے خلیفۃ الوقت کے دربار میں پہنچکر اس کا تقرب حاصل کرلیا۔ اور حیرت انگیز ترقیاں کی۔ حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے۔ ان کی ذات سے مملکت کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز وہ رخشید تھا جسے مصر کی گورنری سپرد کی گئی۔ اور جو اپنے عہد ولایت میں غیر معمولی کارناموں کے باعث غیر معمولی شہرت کا مالک ہوا۔

لیکن یہ "مرخشید" فرغانہ ہی میں رہے، جنہوں نے اپنے دلیس سے قدم باہر نکالنا مناسب نہ سمجھا۔ ان پر بھی کوئی تنگی نہیں تھی پورے اطمینان اور دل جمعی، سکون کے ساتھ وہ اپنے وطن میں رہ رہے تھے۔ اور عزت و وقار کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ نہ اُن کے مذہبی معاملات میں مداخلت کی جاتی تھی۔ نہ انہیں ہدف و ستم بنایا جاتا تھا۔ جیسا کہ عام طور پر فاتح محکوموں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے محکوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کے یہ محکوم زیادہ فخر اور شان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی روزمرہ کی زندگی پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حالات ہمیں —— حکومت بدل جانے کے باوجود —— کسی طرح کا کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ سب کچھ حسب سابق ہو رہا ہے۔

باب-۲

عید نوروز

آج پارسیوں کی عید نوروز ہے ———— یعنی نئے سال کا آغاز!

یہ ۱۲۲۱ھ کا زمانہ ہے پارسی بدستور اپنے مذہب پر قائم ہیں اور اطمینان و عافیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ عید وہ بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔ ہر قوم اپنی عید منانے میں جذبات کو زیادہ سے زیادہ نمائش سے کام لیتی ہے لیکن پارسیوں کا ذوق و شوق اور انہماک استغراق دیکھنے کی چیز ہے۔ گھروں پر رنگ رنگ کی جھنڈیاں لگائی جا رہی ہیں۔ دروازوں پر گلابوں یا یاسمین کے گلدستوں کی نمائش ہو رہی ہے۔ بازاروں میں وہ چہل پہل ہے کہ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے۔ جدھر چلے جائیے، مردوں اور عورتوں، بچوں اور جوانوں کے پرے کے پرے ہیں۔ جو خرید و فروخت میں زیادہ سے زیادہ دریا دلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کوئی نئے نئے پارچات خرید رہا ہے۔ کوئی زیب و زینت کی چیزوں پر پانی کی طرح روپیہ بہا رہا ہے۔ کھانے پینے کی دوکانوں پر غیر معمولی ہجوم ہے اور شیرینی فروشوں کے ہاں تو ٹھٹھا کا ٹھٹھا لگا ہوا ہے۔ بھیڑ ہے کہ کسی طرح چھٹنے ہی میں نہیں آتی، جو ہے وہ مٹھائی کے ڈونے

خرید رہا ہے۔ تاکہ عید کے دنوں میں ہر روز میٹھا ہوتا رہے۔ یہ عید کامل ایک ہفتہ تک منائی جاتی تھی۔ اور ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ایک دن میں بھی زمانے عید کا ایسا نہ گذر جائے۔ کہ منہ میٹھا نہ کیا جا سکے۔

اب ذرا گھروں کے اندر کی سیر کیجئے، یہاں عالم ہی دوسرا نظر آئے گا۔

پارسی عورتیں چولھا پھونکنے آگ جلانے، اور انگیٹھی سلگانے میں سراپا انہماک بنی ہوئی ہیں۔ کوئی اس فکر میں ہے کہ جلدی جلدی کھانا پکائے، کسی کو حلوہ بنانے کی دھن چھائی ہوئی ہے۔ اور اس معاملہ میں ضروری تیاریاں کر رہی ہیں۔ کوئی بے چاری حمام گرم کرنے میں مصروف ہے تاکہ جلدی جلدی غسل کر کے مہمانوں کی آمد و استقبال کے لئے تیار ہو جائے۔

گھر کی باندیاں اور کنیزیں بھی اپنے اپنے کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔ کوئی بچوں کا منہ دھلا رہی ہے۔ کوئی جھاڑو دے رہی ہے۔ کوئی جلدی جلدی آٹا گوندرہی ہے کہ عید کے پراٹھے تیار کرے اور صبح صبح گھر والوں کو کھلا دے۔

یہ عید کے پراٹھے بھی ایک خاص نوعیّت کی چیز ہوتے تھے۔ ہر گھر میں عید کا پراٹھا پکنا ضروری تھا۔ شرط یہ تھی کہ نئے سال میں نئی فصل کا گیہوں بوری سے تیار کیا جائے۔ اس پراٹھے کو پارسی لوگ بڑے جوش و خروش سے ایک دوسرے کو تقسیم کرتے تھے۔ یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اور اس پراٹھے سے فال لی جاتی تھی کہ آنے والا سال بھی بڑے اطمینان عافیّت سے کھانے پینے اور عیش اور فارغ البالی کے ساتھ گذرے گا۔ آج کے دن چاندی اور سونے کے چھوٹے چھوٹے طبقوں میں اور جو سونے چاندی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔

اور وہ تانبے اور پیتل کے طبقوں میں نئے سال کی فصل کا غلّہ رکھتا۔ تحفہ اور ہدیہ کے طور پر ایک دُوسرے کو دیتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ جس طرح آج ہولی میں رنگ پھینکا جاتا ہے۔ اس طرح کی دُوسری چیزیں ایک دُوسرے پر پھینکتے اور نچھاور کرتے تھے۔ سڑکوں اور گلیوں کی آج کے دِن کیفیت قابل دید ہوتی تھی۔ عجیب منظر ہوتا تھا۔

بوڑھے، جوان بچے سب ہیں کہ جوق در جوق اور فوج در فوج ادھر سے اُدھر گشت کر رہے ہیں، کسی کے ہاتھ میں کھلونے، کسی کے ہاتھ میں تحفے کوئی جھنڈیوں پر خوش ہے۔ کوئی اپنی قیمتی ملبوس پر نازاں ہے۔ کوئی گھوڑے پر بیٹھا ہے۔ اور سیر کو جا رہا ہے۔ کسی کو گدھا میسّر ہے تو وہ اس پر داد شہسواری دے رہا ہے۔ جسے جو سواری ملی اُس پر سوار ہو کر اور نہ ملی تو پیدل ہی آتشکدہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہر شخص اس فکر میں ہے کہ جلدی سے آتش کدہ میں پہنچے اور وہاں جا کر موبد (پارسیوں کا مذہبی پیشوا) کی خدمت میں اپنا ہدیہ اور تحفہ سب سے پہلے پیش کر دے اور اس کی خوشنودی حاصل کر کے دعائے خیر و برکت کا مستحق ٹھہرائے آتش کدہ کی طرف ایک رواں دواں ہجوم کی صورت میں لوگ بڑھ رہے تھے۔ اور جوش و خروش کا یہ عالم ہوتا تھا۔ کھوے سے کھوا چھلتا تھا، تھالی پھینکو تو سر ہی سر جائے۔

اور اگر آپ شہر کے سب سے بڑے اور پُرانے قلعہ میں جس کا نام اُن کی زبان میں "کُهندز" ہے، پہنچ جائیں اور اس کی بلندی سے شہر پر ایک نظر ڈالیں تو بڑا دلچسپ اور نظر افروز منظر دکھائی دے گا۔ شہر کے مکان عام طور پر مٹی کے

بنے ہوئے ہیں ۔ لیکن کچھ عمارتیں خوب صورت مضبوط اور بانکپن کی مظہر ہیں تین عمارتیں تو ایسی ہیں ۔ جو اپنی عظمت اور شوکت کے اعتبار سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ ایک آتشکدہ ، یہ مجوسیوں کا ہیکل ہے ۔ جس میں وہ عبادت کرتے ہیں ۔ یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ مجوسیت اب بھی ایک بہت بڑی طاقت ہے اور اُس کے ماننے والوں کی تعداد مسلمان حکمرانوں کی رواداری کے باعث کتنی زیادہ ہے ۔ دوسری عمارت خود یہ قلعہ ہے ۔ یہ اپنی وسعت اور استحکام اور خوبصورتی و رعنائی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے ۔ لیکن اپنی مسلّمہ ہیبت و جلالت کے باوجود آتش کدہ کی عمارت کا مقابلہ نہیں کرتا ۔ اس کی بات اور ہے ۔ اس کے بڑے بڑے ستون اور بلند و بالا عمارت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فلک زینت مینار آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر بادلوں کا ادھر سے گذر ہو تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اس لمبی عمارت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گلاب اور یاسمین کے خوبصورت اور سُندر درختوں کے بیچ میں کھجور کا کوئی لمبا تڑنگا درخت اُگ آیا ہے ۔ اس عمارت کے گرداگرد بڑے بڑے پرچم لہرا رہے ہیں ۔ ہر پرچم دس دس ہاتھ کے برابر ہے ۔ پرچم کا کپڑا دیباج اور حریر کا ہو ۔ ان کا رنگ سبز ہے ۔ اور یہ فضا میں اس طرح لہرا رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ہوا اِن سے اٹھکیلیاں کر رہی ہے ۔ تیسری شاندار اور بے مثال عمارت مرزبان کا ایوان ہے ۔ مرزبان وہ لوگ ہیں ، جو ایران کے کسریٰ کے دور میں اقتدار کے مالک تھے ۔ اس عمارت کو ہر چہار طرف سے ایک نہایت وسیع عریض اور طویل باغ نے گھیر رکھا ہے ۔ جس میں طرح طرح نادر کم یاب پھلوں کے

درخت اپنی بہار دکھا رہے ہیں - اپنی نظر کو اور وسعت دیجئے - اور شہر سے باہر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ نہریں بہہ رہی ہیں اور درخت جھوم رہے ہیں - اور رنگارنگ کے پرندے اپنے میٹھے سُروں میں نغمہ سرائی کر رہے ہیں - جو دیکھتا ہے وہ اس منظر میں کھو جاتا ہے - جو ادھر سے گذرتا ہے وہ اس منظر کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے - آنیوالے کا پھر جی نہیں چاہتا کہ واپس جائے اور جانے والا جب تک آ نہیں جاتا اُس کا جی تڑپتا رہتا ہے کہ کس طرح پرواز پیدا کرے اور پھر اُس سواد جانفزا میں پہنچکر صبح و شام سیر کرنے کا سلسلہ شروع کردے —— صبح کتنی جانفزا اور شام —— کتنی دلکش ——

باب ۳۔

بانو

لوگوں کا یہ حال تھا کہ اپنے اپنے طور پر عید نوروز کی گہما گہمی اور بزم آرائی میں مصروف تھے سڑکوں پر ازدحام کی یہ کیفیت تھی کہ سوئی بھی پھینکیے تو سر ہی سر جائے سارا شہر جلوس عہد میں حصّہ لینے کے لئے اُمنڈ آیا تھا خلقت ٹوٹی پڑ رہی تھی کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا ہر شخص اپنی رنگ آرائیوں میں مصروف تھا خوشی کے ترانے رقص وسرُور ہنگامہ آرایاں سرُور و نغمہ کھیل تماشہ، یہ چیزیں تھیں جن میں لوگ مگن تھے۔ اور ایک دُوسرے کو بھولے ہوئے تھے۔

یکایک اس مجمع کو چیرتی ہوئی ایک سواری آئی!

اس سواری میں کچھ ایسا عجیب ــــــ کچھ ایسی تُو تھی کہ لوگ ہمہ تن اس طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنی دلچسپیاں فراموش کر دیں اور اس منظر کو دیکھنے لگے۔

سواری نہایت شاندار تھی یہ معلوم ہوتا تھا ایک خوبصورت گھر ہے جو متحرک اور رواں ہے یہ خوبصورت گھر ایک مضبوط گاڑی پر رکھا ہوا تھا اس کے

دروازوں پر خوبصورت اور پھولدار پردے پڑے ہوئے تھے اس کی چھت پر ایک کمند تھا جو چاندی کا بنا ہوا تھا لیکن اس پہ سونا مڑا ہوا تھا۔ اس متحرک گھر کو نہایت طرح دار اور خوش رنگ گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ گھوڑوں پر زرق برق جھولیں پڑی ہوئی تھیں یہ جھولیں ریشم کی تھیں اور اُن پر خوبصورت کام بنا ہوا تھا ان گھوڑوں کو کوچ بان چلا رہا تھا خود اس کی وردی بھی نہایت دیدہ زیب اور نظر فریب تھی اس کے ایک ہاتھ میں کوڑا تھا جس کی شاذ و نادر ہی ضرورت پیش آتی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ جس سے صرف اس وقت کام لیتا تھا جب گھوڑے خوش طبعی میں آکر اترا اترا کر چلنے لگتے اور راستہ چھوڑ کر ادھر ادھر مڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ متحرک گھر یا خانہ رواں کے ارد گرد خواجہ سراؤں کی ایک جماعت تھی۔ یہ بھی شاندار اور زرق برق لباس سے آراستہ و پیراستہ تھے کمر میں تلوار حمائل سینہ پر چھرا آویزاں ہاتھ میں دو دو بالشت کے خوبصورت صندلی ڈنڈے ان کے چہروں پر نقاب پڑا ہوا تھا تاکہ انہیں کوئی نہ دیکھ سکے لیکن اس خانہ رواں پر کس کی سواری جا رہی تھی؟

یہ کون تھا جس کی سواری نکلی تو سب نے اپنا اپنا کام چھوڑ دیا اپنی اپنی مشغولیت سے کنارہ کش ہو گئے اور ساری توجہ اسی کی طرف مرکوز کر دی۔

فرغانہ میں نہ کوئی مرد ایسا تھا نہ کوئی عورت ایسی تھی نہ بچّہ ایسا تھا جو یہ نہ جانتا ہو کہ یہ سواری بادِ بہاری کس کی ہے؟ کون ہے جو اس پر سوار ہو کر نکلتا ہے تو چشمِ فلک مشتاق ہو کر بار بار اُسے دیکھتی ہے، ستارے آنکھیں بن جاتے ہیں اور اُسے گھورنے لگتے ہیں۔ ہوا اس شوق میں چلنے لگتی ہے کہ اس کے مشکیں

اور عمبری جسم سے مس ہو، چڑیاں چہچہانے لگتی ہیں کہ شاید ان کا نغمہ اس کے پردہ گوش سے گذرے اور ان کی طرف متوجہ ہو جائے جب اس کی سواری نکلتی ہے تو فضا معطّر ہو جاتی ہے۔ فضا میں ایک قسم کی سرمستی پیدا ہو جاتی ہے کون نہیں جانتا یہ صفات سارے فرغانہ میں صرف ایک ہی ہستی میں جمع ہے۔

اور وہ ہے بانو ——

بانو —— مرزبان کی چہیتی لڑکی!

یہ خانہ رواں یا متبرک گھر فرغانہ کا بنا ہوا نہیں تھا یہاں کے صنعت کار اور ہنرور اتنے پہنچے ہوئے تھے کہ وہ ایسی نادر اور نایاب چیز اپنے ہاتھ سے بنا سکیں یہ عجیب و غریب سواری ہدیہ کے طور پہ مرزبان کو اس کی سسرال سے ملی تھی جو بلاد قوقاس میں تھی۔ وہیں سے بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کرا کے یہ بھیجی گئی تھی۔ مرزبان خود تو ایرانی تھا لیکن اس کی بیوی چرکسی تھی جو بلاد قوقاس میں واقع تھا اس مقام کے رہنے والے لوگ اپنی خواتین کا غیر معمولی وقار و احترام اور شان و شوکت ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسی لئے اس طرح کی سواریاں خاص طور پر وہ اپنی خواتین کے لئے تیار کراتے تھے تاکہ وہ سفر پر جب نکلیں تو انہی پر سوار ہو جائیں۔ راستہ کے مناظر سے بھی اور کسی طرح کی تکلیف بھی نہ پہنچے۔

(۱) یہ سواری واقعی ایک اچھے خاصے گھر کی حیثیت رکھتی تھی اس میں ضرورت کی تمام چیزیں موجود رہتی تھیں تاکہ خاتون خانہ کو ہر وہ چیز مل سکے جس کی عام

---

۱ ابن بطوطہ

طور پر اُسے ضرورت محسوس ہو سکتی ہے ۔

فرغانہ کی سڑکوں پر جب بھی یہ سواری گذرتی تھی لوگ سارے کام بھول کر یہی دیکھنے میں لگ جاتے تھے کہ اس میں جو ممکن ہے اس پر ایک نظر ڈال لیں ۔

اس لئے نہیں کہ بانو بہت زیادہ خوبصورت تھی ۔

بے شک وُہ بہت زیادہ خوبصورت تھی اتنی زیادہ کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی ۔ پھولوں نے رنگ و بو اس سے حاصل کیا تھا چڑیوں نے چہچہانا اس کی نغمہ سرائی سے سیکھا تھا ۔

لیکن وہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھی وہ غیر معمولی طور پر ذہین و ذکی تھی ۔ غریبوں کی ہمدرد محتاجوں کی غمگسار بیواؤں کی سرپرست یتیموں کی دلدار جتنی اچھی اس کی صورت تھی اس سے کہیں زیادہ بہتر اور برتر اس کی سیرت تھی ۔ اور ان دونوں چیزوں نے مل کر اسے شراب دو آتشہ بنا دیا تھا ۔ خلقت پروانہ اسے چاہنے لگی تھی اس کے دل میں مرزبان کے اس لڑکی کی محبت تھی ، احترام تھا ، وقار تھا وہ اس کے حسن و جمال سے بھی متاثر تھی اور فہم و ذکا سے بھی جب وہ رہگذر عام پر سے گذرتی تو خانہ روان کے پردے اٹھا لئے جاتے ۔

وہ عوام شہر کے جذبات کی قدر شناس تھی ان سے پردہ اور حجاب نہیں کرتی تھی ۔ اور عوام بھی اس کے اتنے گرویدہ تھے کہ جب تک اس کی سواری گذر نہ جاتی وہ ادب و احترام کے ساتھ اپنی تمام ہنگامہ آرائیوں کو بھول کر خاموش کھڑے ہو جاتے وہ تبسّم کی بجلیاں گراتی اور لوگوں کے خرمن ہوش و حواس کو خاکستر کرتی ——— اپنی سواری پر گذر جاتی !

لیکن آج ایک عجیب بات ہوئی تھی ——— ایسی بات آج تک کبھی نہیں ہوئی تھی!

آج خانہ رواں کے پردے اُٹھے ہوئے نہیں ——— گرے ہوئے تھے ——— !

ایک، اور بات بھی تھی ——— پہلے سواری آہستہ آہستہ چلتی تھی تاکہ دید اپنی حسرت دیدار پوری کر سکیں۔ آج کوچ بان سراسر کوڑے مار مار کر گھوڑوں کو بھگا رہا تھا تاکہ سواری جلد از جلد گزر جائے ——— کیوں؟ جو بات اب تک نہیں ہوئی وہ اب کیوں ہوئی؟ ضرور کوئی خاص بات ہے! لیکن وہ کیا بات ہے؟

خانہ رواں کے پیچھے پیچھے دو گھوڑے تھے ان گھوڑوں پر کوئی سوار نہ تھا البتہ یہ ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ شکاری کُتّے اور شکاری چیتے بھی تھے یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ بانو شکار کھیلنے جا رہی ہے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی سارا شہر جانتا تھا بانو بھی بہترین شکاری ہے، بہترین سوار ہے، بہترین شمشیر زن ہے، بہترین تیر انداز ہے انہوں نے اسے بارہا شکار کے لباس میں دیکھا تھا۔ اس لباس میں بھی وہ بہت اچھی معلوم ہوتی تھی ان کا جی چاہتا تھا آج بھی اُسے شکاری لباس میں دیکھیں لیکن یہ حسرت پوری نہ ہوئی وہ خانہ رواں میں بیٹھی تھی اور خانہ رواں کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

لوگ اور سب کچھ بھول کر یہی سوچنے لگے آج ایسی اَن ہونی بات کیوں ہوئی؟

اور پھر اس بات پر لوگوں میں چہ مے گوئیاں ہونے لگیں۔ ایک نے کہا۔

آج یہ غیر معمولی بات کیوں ہوئی؟

دوسرے نے جواب دیا۔

ضرور کوئی خاص بات ہے ——!

پہلے نے پوچھا۔

لیکن وہ بات کیا ہو سکتی ہے۔

دوسرے نے جواب دیا۔

یہی تو نہیں معلوم —— یہی تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔

ایک اور آدمی نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شکار کو گئی ہے"

اس نے ایک اور سوال پیدا کر دیا۔

ہاں گئی تو شکار کو ہے لیکن آج کا دن جانے کا تھا؟

اب تو وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

ہاں آج تو عید نوروز ہے بھلا آج بھی کوئی گھر سے باہر جا سکتا ہے۔ یا پھر بانو کو شہر سے باہر جانے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے۔

اس کا ساتھی جواب نہ دے سکا وہ لاجواب ہو گیا۔

"ہاں —— نہ جانے کیا ستم ہے۔

اس مجمع میں شہر کا ایک تاجر اور دیہات کا اس کا ایک نووارد اور ناواقف حال مہمان بھی تھا۔ مہمان نے اپنے میزبان سے دریافت کیا۔

یہ کس کی سواری ہے ——؟

میزبان نے ہنستے ہوئے کہا۔

ارے تم نہیں جانتے یا کیا تم نے بانو کا نام نہیں سُنا ہے ؟

وُہ بولا ــــــ

ہاں سُنا تو ہے مرزبان کی لڑکی ہے ۔

میزبان :۔ تو بس ٹھیک ہے ــــــ یہ اسی کی سواری تھی ۔

مہمان :۔ میں نے تو بانو کے بارے میں بہت سی باتیں سُن رکھی ہیں کیا وہ سچ ہیں ۔ کیا معلوم تم نے کیا سُنا ہے کچھ بتاؤ تو پتہ چلے ۔

مہمان :۔ یہ کہ بانو بڑی خوبصورت ہے ــــــ ؟

میزبان :۔ ہاں سچ ہے اس کے حسن و جمال کا جواب نہیں اس کی سیرت اور کردار کا بھی کوئی نمونہ ہمارے سامنے نہیں ــــــ ہر اعتبار سے وہ لاجواب ہے ــــــ بے مثال ہے ۔

مہمان :۔ یہ کہ اس کا باپ یعنی مرزبان بے انتہا دولت مند ہے ؟

میزبان :۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے لاکھوں روپیہ کا مالک اس کے علاوہ اس کے پاس مکانات ہیں ، باغات ہیں ، جاہات ہیں اور ان سب چیزوں کے علاوہ وسائل دولت بھی بہت زیادہ ہیں ۔

مہمان :۔ لیکن سُنا ہے ایک عرصے سے وہ بیمار ہے اور سارا کام کاج اس نے چھوڑ رکھا ہے ؟ ــــــ کیا واقعی

میزبان :۔ یہ بھی درست ہے ــــــ ایک عرصے سے وہ بیمار ہے اور از کار رفتہ ہے "

مہمان :۔ سُنا ہے بانو اس کی اکلوتی لڑکی ہے اس لئے اُسے بہت زیادہ

چاہتا ہے۔"

میزبان:۔ اس بات کا کچھ حصّہ صحیح ہے ایک لفظ —— صحیح تو یہ ہے کہ مرزبان اپنی بیٹی بانو کو بہت زیادہ چاہتا ہے۔ دیوانہ وار محبّت کرتا ہے لیکن یہ سُنا ہے کہ اس کی یہی ایک اولاد ہے۔"

مہمان:۔ تو کیا اور بھی لڑکیاں ہیں۔

میزبان:۔ نہیں —— بس ایک لڑکا ہے —!"

مہمان:۔ تو وہ لڑکے پر لڑکی کو ترجیح دیتا ہے؟

میزبان:۔ "مجبور ہے، اس کی جگہ ہم تم ہوتے تو بھی یہی کرتے —— لڑکا بدصورت بھی ہے اور بدسیرت بھی نہ وضع اچھی ہے نہ طور طریقے، آوارہ، بدقماش بیہودہ —— ایسے لڑکے کو کون چاہ سکتا ہے۔"

مہمان:۔ کیا مرزبان اسی شہر فرغانہ کا رہنے والا ہے؟

میزبان:۔ نہیں —— وہ پارسی ہے فارس کا رہنے والا ایران کا باشندہ —؟"

مہمان:۔ پھر یہاں آکر کیوں بس گیا۔"

میزبان:۔ گزشتہ چالیس سال سے وہ یہیں رہ رہا ہے اس طرح اب وہ یہیں کا باشندہ ہے فارس میں بھی یہ دولت و ثروت اور حشمت و عظمت کا مالک تھا لیکن فتح ایران کے بعد اس کا دل وطن میں نہ لگا۔ حالانکہ مسلمانوں نے اُسے یا اس کے ہم قوم مجوسیوں کو نہیں ستایا لیکن وہاں شاید یہ احساس ستارہا ہو گا کہ کل تک حاکم قوم کا ایک فرد تھا۔

اور پھر ایسا جی لگا کے یہیں کا باشندہ بن گیا اور مستقل اقامت اختیار کر لی۔

مہمان :۔ یہاں تو بہت زبون حالی کے عالم میں آیا ہوگا؟

میزبان :۔ واہ ـــــ زبون حالی کے عالم میں کیوں آتا؟ ـــــ کہہ رہا ہوں کہ مسلمان کسی مقام کو فتح کرتے ہیں تو وہاں کے باشندوں کے لئے مصیبت نہیں رحمت بن جاتے ہیں وہ کسی غیر مسلم کو نہیں ستاتے بلکہ اُس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رواداری اور مساویانہ سلوک کرتے ہیں تاکہ اس کا دل نہ ٹوٹے اور اسے زمانہ حاضر کی یاد نہ ستائے۔

مہمان :۔ پھر بھی مرزبان آگیا؟

میزبان :۔ ہاں وجہ بتا تو چکا ہوں ـــــ یہاں آیا تو اپنی ساری دولت لیتا آیا جائداد واملاک وہاں بیچی یہاں خرید لی۔

مہمان :۔ (تعجب آمیز طور پر) اچھا یہ بات ہے اب میں سمجھا ـــــ اب دولت ہے اُس کے پاس؟

میزبان :۔ ہاں یقینی ـــــ اتنی زیادہ کہ اس کی کوئی انتہا نہیں فرغانہ سے باہر نہر شناس کے کنارے کنارے جتنے درخت اور چمن ہیں یہ سب سارے مرزبان ہی کی ملکیت ہیں!

مہمان :۔ اچھا ـــــ یہ تو بہت بڑی دولت ہوئی؟

میزبان :۔ اور نہیں تو کیا ـــــ اور پھر نہ جانے کتنے مکانات ہیں، چاہات ہیں، باغات ہیں، سرائیں ہیں پھر نقد روپیہ بے حساب ہے اس کے علاوہ ہیرے جواہرات، یاقوت، نیلم، پکھراج، اور بہت سے قیمتی پتھروں کا بہت بڑا ذخیرہ اس کے پاس موجود ہے۔

مہمان :- تو یہ ہے —— اتنا دولت مند؟

میزبان :- ہاں —— لیکن تم نے یہ کیسی باتیں چھیڑ دیں۔ نکلے تھے گھر سے اس لئے کہ آج عید کا دن ہے۔ کوئی موٹا سا دُنبہ خرید کر لائیں اُسے ذبح کریں۔ گھر میں اُس کا گوشت پکائیں۔ تم نے یہ غیر ضروری قصّہ شروع کر دیا۔

اس کا دوست اور مہمان ہنسنے لگے اس نے کہا۔

امان چھوڑ د اس ذکر کو پکانا ریندنا عورتوں کا کام ہے، سو وہ جانیں، اور ان کا کام ہمیں ان باتوں سے کیا سروکار۔

میزبان نے کہا "

یہ تو ٹھیک ہے لیکن گھر برادری دوستوں، ساتھیوں اور رفیقوں کا جو تانتا بندھا ہوگا۔ ان کا کون استقبال کرے گا؟ کون بٹھائے گا ان کی خاطر و مدارات کس کے ذمہ ہوگی؟ کیا یہ کام بھی میں اپنی بیوی پہ ڈال دوں —— آج کل گھر کی عورتیں اپنے فرائض تو شوہروں اور گھر کے مردوں پہ ڈال دیتی ہیں "

مہمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" ہاں ٹھیک، کہتے ہو دیکھو نا بانو کو —— آج عید کا دن گھر چھوڑ کر سیر و شکار کو چل دیں "

دونوں ہنسنے لگے۔

باب ۔ ۴

یہ اضطراب کیسا؟

بانو کی سواری شہر سے نکل کر مضافات شہر کے حدود میں داخل ہو گئی یہاں سے آگے بڑھی تو باغات کا جو سلسلہ تھا ان میں پہنچ گئی، تھوڑی دیر میں اس کی سواری ایک ایسے دیہات میں پہنچی جہاں اس کے باپ مرزبان کے عقیدت کیش اور ارادت مند رہتے تھے اور یہ ممکن تھا کہ وہ ادھر سے گذرے اور وہ لوگ دیدار سے شادکام نہ ہوں، نہ زیادہ سے زیادہ جوش کے ساتھ اس کی خاطر و مدارات نہ کریں۔ یہاں آ کر خانہ رواں رک گیا کوچوان اتر کر گھوڑوں کے پاس کھڑا ہو گیا کہ چل نہ پڑیں اور بانو کے اترنے میں تکلیف زحمت نہ ہو فوراً ہی ایک خواجہ سرا بڑھا کہ اسے اترنے میں مدد دے اس دلچسپ باتوں اور حرکتوں سے بانو بہت لطف اندوز ہوتی تھی۔ اس لئے یہ مقرب بارگاہ بن گیا تھا۔ اس کا نام مرجان تھا وہ آیا اور گاڑی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا کہ بانو اترے تو اس کی مدد کرے یا کوئی حکم دے تو اس کی تعمیل کرے لیکن یہ ہمت نہیں پڑی کہ پردہ اٹھا دیتا یا جو خود کچھ پوچھتا وہ بڑی دیر تک یونہی کھڑا رہا لیکن صدا سے بر نخاست نہ دروازہ کھلا نہ خانہ رواں سے وہ اتری البتہ اسے

کچھ سرگوشیوں کی آواز آئی ایسا معلوم ہوا جیسے بانو کسی سے باتیں کر رہی ہے ۔ جی چاہا کہ کان لگا کر سنے، کس قسم کی باتیں ہیں لیکن اس کے دل پر اپنی آقازادی کی اتنی دہشت تھی کہ وہ ایسا نہ کر سکا، تھوڑے سے فاصلہ پر بانو کے ٹوکپ کا عملہ خاموش اور دست بستہ کھڑا تھا۔ اس سے دور ہٹ کر یہاں کے عقیدت کیش اور ارادت مند باشندے تصویرِ حیرت بنے کھڑے تھے اور منتظر تھے کہ بانو اترے اور وہ اس کے استقبال و مدارات میں مصروف ہوں لیکن ان کا اشتیاق بڑھ رہا تھا اور بانو ابھی اپنے خانہ رواں میں رونق افروز تھی۔

حاضرین میں سے اکثر لوگ بانو کے گھوڑے کی دلچسپ حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ ہر گھوڑا اپنے مالک سے محبت کرتا ہے لیکن اس کی سواری کا خاص گھوڑا جو زین اور سامان میراق سے آراستہ اپنی مالکہ کے انتظار میں کھڑا تھا۔ انتظار سے تنگ آکر پاؤں سے زمین کو روند رہا تھا۔ سائیس پاس کھڑا تھا وہ بھی طرح دے رہا تھا کیونکہ اس میں سکت نہیں تھی کہ گھوڑے کی اس حرکت سے باز رکھ سکے آخر گھوڑے نے زور زور سے ہنہنانا شروع کیا گویا وہ اپنی مالکہ سے مطالبہ کر رہا تھا کہ جلد تشریف لائیے اب تاب انتظار نہیں ہے ۔ یہ آواز سن کر بانو بہ صد شان دلیری و رعنائی اتری پہلے خانۂ رواں کے پردے اٹھے پھر اس کی قہرمانہ یعنی مغلانی اتری یہ ایک بوڑھی عورت تھی جس کی عمر پچاس سے تجاوز کر چکی تھی ۔ چہرے پر جھریاں تھیں ماتھے پر شکنیں یہ اس بات کی علامت تھی کہ تجربہ کار اور جہاں دیدہ عورت ہے وہ ایک طول و عریض چادر میں لپٹی ہوئی تھی جس سے اس کا سارا جسم ڈھک گیا تھا۔ لال رنگ کی اوڑھنی اوڑھے تھی ۔ جس نے سر اور گردن کا احاطہ کر لیا تھا۔

چہرے کے سوا اُس کا کوئی حصّہ نظر نہیں آتا تھا لوگ سمجھ گئے۔ یہ بانو کی قہرمانہ دمغلانی) خیزران ہے جس کی گود میں بانو نے تربیت پائی ہے اور شعور حاصل کیا ہے۔ خانہ رواں سے اتر کر خیزران نے بانو کے استقبال کیلئے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے ہاں وہ نازو انداز اور عشوہ دلبری کے ساتھ اُتری اور سواری کے پاس کھڑی ہوگئی۔

لوگ ادب واحترام اور عقیدت وارادت کے باعث گردن جھکائے کھڑے تھے۔ اور اس کے حسن عالم افروز پر دل ہی دل میں صنعت پروردگار کی داد دے رہے تھے۔ ایسا حسن جس کی نظیر انہوں نے نہیں دیکھی تھی۔

اس وقت بانو شکاری لباس میں ملبوس تھی۔ اس لباس نے اس کی پھبن میں اور اضافہ کر دیا تھا اِس لباس نے اس کے حسن و رعنائی میں چار چاند لگا دیئے تھے وہ کشیدہ قامت تھی وجیہ اور خوب رو اور خوش اندام تھی۔ اس کی آنکھیں بلا کی کشش رکھتی تھی۔ ان میں نور، ذکا، ذہانت اور جاذبیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس کی آواز میں بھی بلا کی کشش تھی جو شخص اس کے سامنے کھڑا ہو اس کی ہمت نہیں تھی کہ گفتگو میں اس سے پیش قدمی کر سکے یا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے وہ ایک بے بس معمول بن جاتا تھا اور وہ اس پر حکمرانی کرنے لگتی تھی۔

اب وہ یہاں آئی تھی تو دروازوں پر، کوٹھوں پر، گلیوں میں لوگ کھڑے ہو جاتے تھے کہ اس کا دیدار کریں وہ چونکہ ان کی ارادت اور عقیدت سے واقف تھی۔ لہٰذا گستاخ نگاہی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ وہ ان کے اس تسلی خاطر اور اپنے جمال جہاں آرا میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرنا چاہتی تھی۔ بے حجابانہ ان کے سامنے

سے گذر جاتی تھی۔ کسی پر نظر پڑ جاتی تو مسکرا دیتی۔ لگتی یہ تبسم شفقت اور التفات کا مظہر ہوتا تھا۔ لوگوں کی ارادت اس طرزِ عمل سے اور بڑھ جاتی تھی۔ اس لئے کہ اس میں ایک طرح کی اپنایت تھی باہمی تسلّیِ خاطر کی تائید تھی لیکن آج کی کیفیت بدلی ہوئی تھی ـــــ!

سواری سے وہ آج بے باکانہ اُتری، ہونٹوں پر تبسم اس وقت رقص کر رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک اور کشش بدستور تھی لیکن با ایں ہمہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کو خاص نظر نے اسے مضطرب کر رکھا ہے۔ کوئی خاص غم ہے جس نے اُس کی ہر خوشی چھین لی ہے۔ اس تبسم میں عائد نہیں آود ہے، مسرت نہیں سوگ ہے اور اور یہ دیکھ کر دیکھنے والوں کے تعلق اور اضطراب میں اضافہ ہو گیا۔ ہر شخص ان میں یہ خیال گردش کرنے لگا۔

آخر اس افسردگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

لیکن یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا تھا ـــ!

بانو اگرچہ اس وقت افسردہ اور مضمحل نظر آ رہی تھی لیکن اُس کے حُسن بانکپن کا وہی عالم تھا۔ اس کے صفات اور اس کے جمال میں دو چیزیں شامل تھیں۔ وہ ایک، چرکسی ماں کی بیٹی تھی۔ ماں سے اُسے جو چیزیں وراثت میں پائیں وہ تھا حسن زوال، بیباکی، دلیری شوقِ شکار، شہسواری، تیر اندازی، بے خوفی وہ ایک ایرانی باپ کی بیٹی تھی باپ سے وراثت میں جو چیزیں اسے ملیں وہ تھیں ذکاوت ذہانت، نزاکت، احساس اور ان دونوں کی موروثی صفات سے مل کر بانو کو دو آتشہ بنا دیا تھا وہ لوگوں کے دلوں کی دیوی بن گئی تھی جو دیکھتا تھا وہ اس کا ہو رہتا تھا۔

بعض منچلوں نے تو اس کا نام "دوشیزۂ فرغانہ" رکھ دیا تھا۔ اس لئے کہ فرغانہ میں اس حسن اور ان صفات کا جلوہ اُنہوں نے کسی دوسری لڑکی میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ اُس کا اصلی نام بانو تھا اور وہ مرزبان کی بیٹی تھی۔

بانو جب سواری سے اُتری تو اس نے دیکھا لوگ خاموش اور سراپا اشتیاق لئے کھڑے ہیں تو اُس نے جلدی سے سلام کے لئے ہاتھ اُٹھایا پھر مُسکرانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد وہ خیزران سے مخاطب ہو گئی دراصل وہ ڈر رہی تھی کہیں لوگ اِس کے اضطراب کو بھانپ نہ لیں اور اُس کی قلبی کیفیت تاڑ نہ جائیں۔ اس لئے سلام و تبسّم کے بعد اپنی توجہ اُن کی طرف سے ہٹالی اور بڑی دلکش آواز میں جس کے سامنے ایک فنکار مترنم کا نغمہ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ پُوچھا——

"ہمارا گھوڑا——؟"

خیزران نے سراپا شفقت بن کر جواب دیا۔

"یہ رہا بیٹی دیکھو تو وہ تمہارے انتظار میں کیسا پھڑک رہا ہے"

بانو مسکرا کر گھوڑے کی طرف جانے لگی اور خیزران محبّت اور شفقت کی آنکھوں سے اُسے تکنے لگی!—— خیزران واقعی اسے بہت چاہتی تھی۔ بات یہ تھی کہ بانو بچپن ہی میں ماں کے سایہ سے محروم ہو گئی تھی۔ مرزبان اگرچہ شادی کر سکتا تھا اس لئے کہ اس کی وفات کے وقت وہ کوئی بوڑھا نہیں ہو گیا تھا لیکن چونکہ شروع ہی سے بانو کو بہت زیادہ چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے دل میں شادی کا خیال بھی اس نے کبھی نہیں آنے دیا ساری توجہ بانو ہی پر صرف کرتا رہا اور

شروع ہی سے اس کی دیکھ بھال تربیت اور تعلیم و تہذیب خیزران کے ذمے رہی
خیزران چونکہ طبیعت کی اچھی تھی، اس نے بہت جلد بانو کا اعتماد حاصل کر لیا وہ
بیک وقت بانو کی ماں بھی تھی، دایہ بھی، سہیلی بھی، دوست بھی، ساتھی بھی، غمگسار،
رازدار اور محرم اسرار بھی! ——— بانو اگر کسی سے غیر معمولی طور پر
مانوس تھی تو وہ خیزران ہی تھی، یہاں تک کہ عمر کے سفاوت اور ترقی مدارج کے
باوجود وہ اپنے دل کی کوئی بات اس سے نہیں چھپاتی تھی۔ کیسی ہی بات ہو،
کیسا ہی معاملہ ہو ممکن نہ تھا کہ وہ خیزران سے نہ کہے یا اس سے صلاح و مشورہ نہ
کرے اس وقت اسے متبرک گھر سے اُترتے میں جو دیر ہوئی وہ بھی اس لئے کہ وہ
اس سے مصروف گفتگو تھی۔

خیزران نے سائیس کو اشارہ کیا وہ فوراً بانو کے اسپ تازی کو لے کر
سامنے آگیا۔ گھوڑے کی اس وقت کی مستی اور سرخوشی قابلِ دید تھی۔
اٹھلا اٹھلا کر چل رہا تھا گردن رکی ہوئی تھی ایک خاص ادا سے ٹاپیں زمین
پر مار رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رقص کر رہا ہے، جب وہ بانو کے قریب پہنچا
تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور پھر اس کی پیشانی پر شفقت سے اپنا ہاتھ پھیرنے
لگی۔ اس کی ایال نے اس کے چہرہ کو اتنا باوقار بنا دیا تھا کہ وہ بالکل شیر غران
معلوم ہوتا تھا اس لئے بانو نے اس کا نام ہی "شیر" رکھ دیا تھا۔

"شیر" نے جب اپنی مالکہ کا دستِ شفقت محسوس کیا تو وہ اور زیادہ اُترانے
لگا۔ عملہ کے لوگ سامنے کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

اب خیزران اُن کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے کہا۔

تمہاری آغازادی سیر و شکار کو جارہی ہیں تم لوگ یہیں رہو اور کھانے پکانے کی تیاریاں کرو، بس صرف دو آدمی ہمارے ساتھ جائیں گے تاکہ شکار میں مدد دے سکیں۔ پھر اس نے آواز دی۔

"فیروز ——— اِدھر آؤ"

فیروز، بانو کے سائیس کا نام تھا ——— اس سے کہا

"تم پیچھے پیچھے دونوں آدمیوں کے ساتھ آؤ ہم سوار ہو کر ہرن کے شکار کو چل رہے ہیں ———"

یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے بڑھی، چونکہ موٹی اور بھدی تھی اس لئے مرجان نے اُسے سوار ہونے میں مدد دی تب جا کر وہ سوار ہو سکی پھر اس نے ایڑھ لگائی اور آگے بڑھی۔ بانو بغیر کسی کی مدد کے بجلی کی سی تیزی سے اپنے اسپِ تازی پر سوار ہو گئی اس کے دوشِ نازک پر کمان لگی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ترکش تھا گھوڑے ——— اکڑتے ہوئے لیکن آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ راستہ کہیں آسان تھا کہیں دشوار گذار کہیں نشیب کہیں فراز،

کتوں اور چیتوں کو سدھانے والے لوگ اپنے اپنے جانوروں کو ساتھ لئے پہلے سے اِدھر آ چکے تھے کہ جس ہرن پر بانو کا تیر لگے یہ کتے اور چیتے ان کو تیزی سے پکڑ لیں اور اسے بھاگنے کا موقع نہ دیں۔

اس شکار گاہ میں ہرن، پہاڑی بکرے، چیتل اور دوسرے جانور بکثرت تھے لیکن آج اور دنوں کے برعکس بانو نے شکار میں ذرا بھی دلچسپی نہ لی اگرچہ تیر کمان سے مسلح تھی۔ اور بعض دفعہ تو ایسا ہوا کہ ہرن کی ڈار اور دوسرے شکاری

جانوروں کے پرے کے پرے نظر آئے لیکن نہ اس نے کاندھے سے کمان اُتاری نہ تیر ہاتھ میں لے کر نشانہ لگایا۔

بات یہ تھی کہ گو وہ یہ ظاہر کر کے آئی تھی کہ شکار کو جارہی ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ شکار کرے کچھ باتیں اس کے دل ودماغ کو متاثر کررہی تھیں۔ کچھ خیالات تھے جنہوں نے اس کی نیند حرام کر دی تھی۔ کوئی فکر تھی جس نے اسے بے چین بنا دیا تھا وہ اس شکارگاہ میں اس لئے نہیں آئی تھی کہ شکار کرے اس لئے آئی تھی کہ اپنی توجہ ہٹائے اپنا جی بہلائے ہو سکے تو ان خیالات کو دل سے نکال دے جنہوں نے اس کے ذہنی توازن کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ اور حسن کی یورش اس کے سکون اور آرام میں مخل ہے۔

"وہ خاموش تھی"

اور خاموشی کے ساتھ آگے بڑھتی چلی جارہی تھی ——— !نہ معلوم کہاں؟ نہ جانے کس طرف؟ گھر یا وہ کسی غیر متعین منزل کی طرف جارہی ہے۔ خود اسے نہیں معلوم ہے کہاں جارہی ہے؟ کیوں جارہی ہے؟

خیزران بار بار اس کی یہ کیفیت دیکھتی تھی۔ حیران ہوتی تھی، کچھ پوچھنے کا ارادہ کرتی تھی۔ لیکن زبان یاری نہیں دیتی تھی۔

خاموش ہو جاتی تھی!

باب ۔ ۵

آخر وہ راز کیا ہے؟

آخر جب کافی دیر اسی طرح گذر گئی تو خیزران ضبط نہ کر سکی اس نے اپنے لب کھولے اور رُک رُکتے رُکتے بانو سے کہا ۔

"میری بچی ، میں تمہیں عجیب حالت میں دیکھ رہی ہوں —— کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ راز کیا ہے؟

بانو نے اُسے دیکھا ، مسکرائی پریشانی چھپانے کی ناکام کوشش کی پھر کہا ۔

"کوئی بات نہیں ہے خالہ!"

خیزران :۔ مجھ سے نہ چھپاؤ میں اُڑتی چڑیا پہچانتی ہوں !

بانو :۔ (مسکرا کر) تو پہچان لو

خیزران :۔ جان گئی ، ضرور کوئی خاص بات ہے جسے تم مجھ سے چھپا رہی ہو ——

بانو :۔ یہ تمہارا خیال ہے ،

خیزران :۔ لیکن بالکل صحیح —— بے شک میں تم سے بڑی ہوں ، بہت بڑی

تم میری لڑکی کی طرح ہو اور ماں کی طرح میں نے تمہیں پالا ہے لیکن میں تمہاری دم ساز اور غم گسار بھی ہوں، دوست اور ساتھی بھی ہوں، محرم راز محرم اسرار بھی ہوں، مجھ سے اگر تکلّف کرتی ہو تو غلطی کرتی ہو، مجھ سے دل کی بات چھپاتی ہو تو یہ تمہاری چوک ہے۔ تم اکیلی کیا کر سکتی ہو۔ سوائے اس کے کہ کڑھتی رہو۔ مجھے بتاؤ تو میں تمہاری مدد کروں۔ تمہاری فکر دور کر دوں گی اور ہر قیمت پر تمہاری چھینی ہوئی خوشی واپس دوں گی۔

بانو:۔ (اٹھلا کر مسکراتے ہوئے) ہاں

خیزران:۔ "سچ" بیٹی کہہ کر تو دیکھو بتاؤ تو بات کیا ہے۔

بانو:۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) خالہ ان باتوں کو چھوڑ دو۔

خیزران:۔ آخر کیوں؟ کیا میں تمہیں اس حالت میں دیکھ سکتی ہوں۔ میری جان بھی اگر تمہارے کام آجائے تو مجھے دریغ نہ ہوگا۔

بانو:۔ یہ مجھے یقین ہے لیکن اتنی محبّت کے باوجود جو تمہیں مجھ سے ہے تم کچھ نہیں کر سکتیں۔

خیزران:۔ کیوں نہیں کر سکتی؟ ضرور کروں گی، آسمان کے ستارے درکار ہوں تو میں توڑ کر لا دوں گی۔

بانو:۔ (تبسّم ہو کر) نہیں مجھے آسمان کی کوئی چیز نہیں چاہیئے۔ میں تو اسی زمین کی ——

خیزران:۔ ہاں ہاں کہو کہو۔

بانو:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) نہیں خالہ کوئی خاص بات نہیں ہے —— بات

یہ ہے کہ ابا جان بیمار ہیں نقرس کے مریض ہیں جانتی ہو کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے میں بھی دنیا میں سب سے زیادہ ان ہی کو چاہتی ہوں ۔ پھر ان کی علالت سے اگر میں متفکر اور پریشان نہ ہوں گی تو کون ہوگا، جب کہ طبیب شفا سے مایوسی ظاہر کرتے ہیں ۔

خیزران:۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے)

بیٹی میں ان باتوں میں نہیں آسکتی تیری طرح بھولی بھالی کمسن نادان نہیں ہوں ۔

بانو:۔ تو میں جھوٹ کہہ رہی ہوں کچھ ——

خیزران:۔ ہاں اور کیا ؟ —— تمہارے والد مرزبان آج سے نہیں برسہا برس سے بیمار ہیں یہ بیماری جان لیوا نہیں ہوتی لیکن جان کے ساتھ جاتی ہے ۔ تم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اس مرض میں انہیں مبتلا دیکھ رہی ہو میں نے آج تک ان کی بیماری پر تمہیں اتنا بے کل نہیں دیکھا جتنا آج دیکھ رہی ہوں جو بات ہے وہ بتا دو مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو، میں دوسروں کو دھوکا دے سکتی ہوں ۔ دوسرے کے فریب میں نہیں آسکتی یہ بال دھوپ میں، میں نے سفید نہیں کئے ہیں سمجھیں ؟

بانو:۔ خالہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے ایسی بے دردانہ باتیں نہ کرو ۔

خیزران:۔ تو بتاؤ کیا بات ہے ؟

بانو:۔ ابا جان جب بیمار ہوتے ہیں تو میں فکر مند ہو جاتی ہوں، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہوں ۔ کوئی اپنا نظر نہیں آتا ماں کو میں نے دیکھا نہیں میرا خیال یہ

ہے کہ میں بہت چھوٹی تھی جب وہ مریں اور ان کی کوئی بات یاد نہیں ان کے گھر والے یعنی میرے ننھیال کے لوگ بھی آباجان سے کبھی نہیں ملے، لہٰذا وہاں کے لوگوں سے کوئی شناسائی نہیں، آباجان یہاں گوشہ نشین ہیں ان کے جو عزیز و اقربا ہیں وہ یہاں نہیں کہ کسی سے جی بہلے، تنہائی کا یہ احساس بہت بڑھ جاتا ہے جب آباجان کی نازک حالت کا تصوّر کرتی ہوں اگر خدا نخواستہ انہیں کچھ ہو گیا اور وہ اس دنیا میں نہ رہے تو کیا ہو گا؟

خیزران:۔ (سنجیدگی سے) ٹھیک ہے بالکل سچ واقعی یہ احساس تمہیں ستاتا ہو گا لیکن آج کی تمہاری پریشانی اور فکرمندی قطعاً کسی دوسری بات سے ہے وہ بتاؤ ——!

بانو:۔ تم تو زبردستی کرتی ہو خالہ

خیزران:۔ کچھ کہو، میں تو تم سے پوچھ کر رہوں گی اور اگر نہ بتایا تو یقین کر لوں گی تم مجھے غیر سمجھتی ہو ——! سمجھ لو پھر میرے صدمہ کا کیا عالم ہو گا۔

بانو:۔ ایسا نہ کہو

خیزران:۔ کیا تم مجھ پر اعتماد کرتی ہو۔

بانو:۔ دنیا میں سب سے زیادہ؟

خیزران:۔ کیا تم مجھے اپنے راز کا —— اگر وہ کوئی ہو، امین سمجھتی ہو۔

بانو:۔ صرف تمہی کو ——

خیزران:۔ تم کان کھول کر سن لو تمہارا راز مجھے معلوم ہے۔

بانو:۔ (پریشان ہو کر) میرا راز ——؟—— نہیں میرا کوئی راز نہیں ہے

غلط نہ سمجھو۔

خیزران :۔ مجھ سے پوچھو راز کیا ہے میں بتاؤں گی۔

بانو :۔ نہ جانے تم کیا کہہ گذر و میں ایسی باتیں سننا ہی نہیں چاہتی۔

خیزران (ہنستے ہوئے) ابھی بچہ ہو اس ذکر سے گھبراتی ہو کہ زبان پر آئے، حالانکہ خود اپنے دل کو اس کا مرکز بنائے ہوئے ہے بھلا ایسا بھی کوئی یقین کرتا ہے۔

بانو :۔ نہیں خالہ مجھے نہ سناؤ، راز و اسرار اور چوری چھپے کی کوئی بات نہیں ہے یہ صرف تمہاری خیال آرائی ہے، جسے حقیقت اور دور کا بھی واسطہ نہیں، میری طبیعت ویسے بھی بے کل ہو رہی ہے اس طرح کی باتیں کرو گی تو میں رونے لگوں گی۔

اور یہ کہتے کہتے واقعی بانو کی بڑی بڑی آنکھیں آب گوں ہو گئیں!

باب ۔۶

ہاں مجھے اس سے محبّت ہے!

خیزران نے بڑے محبّت بھرے لہجے میں اس کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔

"بیٹی تم اپنا راز مجھے نہیں بتاتیں میں جانتی ہوں ایسا کیوں ہے؟——بات یہ نہیں ہے کہ تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں یہ ہے کہ شرماتی ہو حیا کرتی ہو جھجکتی ہو کہتے ہوئے!——کیوں سچ کہنا یہی بات ہے نا!

بانو کوئی جواب نہ دے سکی لیکن اس کے آنسو جذب ہو گئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سا تبسّم لہریں لینے لگا جیسے بادِ بہاری۔

خیزران:۔ کیوں بیٹی میں سچ کہتی ہوں نا

بانو:۔ (اٹھلاتے ہوئے) ہم نہیں جانتے ——

نہ جانے تم کیا سمجھ رہی ہو؟

خیزران:۔ کیا وہ ضرغام نہیں ہے جس سے تم محبت کرتی ہو۔

ضرغام کا نام سُنکر بانو کا رنگ سُرخ ہو گیا آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہو گئی اس کے گالوں پہ ایک سُرخ لکیر سی دوڑ گئی اس کے کانوں

کی لوئیں لال ہو گئیں ——!

اس کیفیت کو دیکھ کر خیزران نے یقین کر لیا جو کچھ وُہ سمجھی ہے غلط نہیں ہے واقعہ ہے کیونکہ آنکھ جو کچھ کہتی ہے وہ زبان کے قول سے قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ آنکھ کبھی جھوٹ نہیں بولتی زبان بولتی ہے۔

بانو کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ ضرغام سے محبت کرتی ہے لیکن اُس کی زبان خاموش تھی۔ وہ کسی طرح کے اعتراف پر تیار نہیں تھی۔

خیزران!

اقرار کر لو بیٹی!

بانو:۔ (مسکراتے ہوئے) تمہارے کہنے سے ——

خیزران:۔ یہی سہی لیکن مان لو ——

بانو:۔ تو کیا ضرغام اس قابل نہیں ہے کہ اس سے محبت کی جائے؟

خیزران:۔ وہ اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے —— وہ اس قابل بھی ہے کہ اسے پوجا جائے —— وہ کون سی خوبی ہے جو اُس میں نہیں ہے —— صورت اعتبار سے حُسن مردانہ کا شاہکار، سیرت کے لحاظ سے اتنا اونچا اتنا اونچا کہ کسی کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی!

بانو:۔ (خوش ہو کر) تم ہی دیکھو

خیزران:۔ جانتی ہوں —— مانتی ہوں —— لیکن کیا یہ بیل منڈھے چڑھ سکے گی۔

بانو:۔ (تیوری چڑھا کر) کیوں؟ کیا کسی اچھے شریف، بہادر اور باکردار آدمی

سے محبت کرنا جرم ہے یا محبت پر کسی کا اختیار ہے یا محبّت جیسی مقدّس چیز بھی قابلِ اعتراض ہو سکتی ہے؟ ـــــ

اور یہ ہوئی بھی تو اوّل تو میں کسی کی پروا نہیں کرتی دوسرے میرا کوئی ہم راز نہیں ـــ

خیزران: ۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو یہ راز تم ہی تک محدود ہے ۔

بانو: ۔ ہاں میں نے کسی سے اس کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا ـــ اس لئے نہیں کہ ڈرتی ہوں اس لئے کہ ضرورت نہیں ـــ

خیزران: ۔ لیکن یہ تو وہ ہے جسے تو مرزبان کا ایک ایک آدمی جانتا ہے ـــ کس سے چھپا ہوا ہے یہ؟

بانو: ۔ (گھبرا کر) شہر کے لوگ میرے دل کی باتیں کیا جانیں!

خیزران: ۔ دل کی ترجمانی جب آنکھیں کرنے لگتی ہیں تو بغیر کہے ہوئے سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے ۔ تمہارے دل کی بات کوئی نہیں جانتا تمہاری زبان سے کسی نے کچھ نہیں سنا لیکن تمہاری آنکھوں نے جو کہا اسے سب نے دیکھا، سب نے سن لیا سب کو معلوم ہے ۔

بانو: ۔ (بہت زیادہ پریشان اور مضطرب ہو کر) تو پھر یہ بات اباجان کے کانوں تک پہنچ چکی ہوگی ۔

خیزران: ۔ نہیں ـــ! انہیں کچھ نہیں معلوم وہ کچھ نہیں جانتے ۔

بانو: ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔

خیزران: ۔ قصر میں کسی کی یہ ہمّت نہیں ہے کہ ان سے براہِ راست بات چیت کر

سکے ان کے سامنے جاتے ہوئے تو وہاں کے لوگ کانپتے ہیں جو کچھ گوش گذار کرنا ہوتا ہے وہ میرے ذریعہ سے کہلواتے ہیں ۔ اور یہیں ظاہر ہے یہ بات اس وقت تک زبان پہ نہیں لا سکتی جب تک تم سے بات نہ کر لوں ۔

بانو:۔ (مطمئن ہو کر) بہت اچھا کیا تم نے ــــــ

خیزران:۔ میری محبت اور وفاداری کا تقاضا یہی تھا!

بانو:۔ تم نے اپنی محبت اور وفاداری کا حق ادا کر دیا (بکھری ہوئی لٹوں سے اُلجھتے ہوئے) اچھا! ابّاجان تو نہیں جانتے لیکن کیا میرا بھائی سامان بھی نہیں جانتا ــــــ؟

خیزران:۔ یہ سُن کر مُسکرائی اور اس نے طنز بھرے لہجہ میں کہا ۔

" سامان ــــــ؟ ہونہہ!

بانو اپنے بھائی سامان پر یہ طنز برداشت نہ کر سکی اس نے قدرے بگڑتے ہوئے تیور سے کہا ۔

تم سے کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں، سامان کا ذکر اس انداز میں نہ کیا کرو میرے سامنے!

خیزران:۔ تو میں نے کیا کہا ــــ تم نے تو میری بات بھی نہیں سُنی اور بیچ میں بول پڑیں ۔

بانو:۔ میں سامان کے خلاف کچھ نہیں سُننا چاہتی وہ کیسا اور کچھ بھی ہو، بہرحال میرا بھائی ہے ــــ اکیلا اور تنہا بھائی ــــــــــــ

بھوٹی آنکھ کا دیدہ

خیزران :۔ وہ تو میں مانتی ہوں ۔

بانو :۔ مانتی ہو تو پھر ایسی باتیں ـــــ جب دیکھو جب کیوں کیا کرتی ہو ؟ ـــــ مجھے اس کی بہت سی باتیں ناپسند ہیں ۔ میں عادات و اطوار کو بھی اچھا نہیں سمجھتی اس کے طور طریقے بھی قابل اعتراض ہیں جن لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے وہ بھی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے خاص طور پر اس کے اخلاق نے بہت ہی ناپسندیدگی اختیار کر لی ہے ۔

خیزران :۔ وہی تو کہتی ہوں

بانو :۔ ایک دن وہ بہت دیر تک گھر سے غائب رہا ۔

خیزران :۔ ایک دن ـــــ ؟ وہ تو اکثر غائب رہتا ہے گھر میں ٹکتا ہی نہیں ، جی ہی نہیں لگتا ۔

بانو :۔ ہم نے بہت تلاش کرایا ، مگر نہ ملا بڑی دیر کے بعد آیا میں نے پوچھا تو ٹال گیا پھر بعد میں معلوم ہوا وہ آتشکدہ کے موبد کے ساتھ بہت زیادہ خلا ملا رکھتا ہے ، اس کے پاس گیا تھا ، بہت زیادہ تک نشست برخاست رکھتا ہے ۔ اور یہ موبد اخلاق اور سیرت و کردار کے اعتبار سے جیسا خراب اور بے ہودہ آدمی ہے ۔ تم جانتی ہو میرے خیال میں تو مکار اور فریبی بھی ہے ۔

خیزران :۔ ہاں ہاں خوب جانتی ہوں ۔

بانو :۔ تو کیا موبد خراب آدمی نہیں ہے ۔

خیزران :۔ ہو گا ـــــ لیکن اگر سامان اس کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے تو میں خوش ہوں ۔

بانو:۔ یہ کیوں؟ —— ایک بُرے آدمی کے پاس اس کے اُٹھنے بیٹھنے سے تم خوش ہوتی ہو! تمہیں بھی میری طرح خفا اور کڑھنا چاہیئے۔

خیبزران:۔ موبد اس خفیہ جماعت کا ممبر ہے جو اس لئے عالم وجود میں آئی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ختم کرائے اور اہلِ ایران کو اُن کا حق دلائے یعنی بادشاہت اور حکومت ان کے حوالے کر دے۔

بانو:۔ (تعجّب سے) اچھا کوئی ایسی بھی تحریک ہے؟

خیبزران:۔ ہاں وہ خفیہ ہونے کے باوجود بہت زور پکڑ چکی ہے —— ! اور یہ اس تحریک کے سرگرم ممبران میں ہے یقیناً ساسان بھی اسی خیال کا ہوگا۔

بانو:۔ لیکن مسلمانوں سے ہمیں شکایت کیا ہے؟

خیبزران:۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ وہ پارسی نہیں ہیں۔

بانو:۔ (مُسکرا کر) یہ کیا بات ہے؟ کسی آدمی کے بس میں یہ کب ہے کہ وُہ کس ملک میں پیدا ہو کس میں نہ ہو۔

خیبزران:۔ کسی غیر پارسی، غیر ایرانی کو ہم پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے۔

بانو:۔ خواہ وہ کتنا ہی اچھا ہو؟

خیبزران:۔ ہاں وہ کتنا ہی اچھا ہو غلامی اچھے آدمیوں کی بھی گوارا نہیں کی جا سکتی!

بانو:۔ یہ تو دھاندلی کی باتیں ہیں۔ ابّا جان کہہ رہے تھے کہ مسلمانوں کے دَورِ حکومت میں جو امن ہے اور جو مساویانہ سلوک رعایا کے تمام طبقات کے ساتھ ہوتا ہے وہ ان سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

خیبزران:۔ نہ ہو —— لیکن ہم کسی حالت میں غلامی نہیں گوارا کر سکتے۔

بانو:۔ اس تحریک کا قائد اور راہنما کون ہے۔

خیزران:۔ بابک خرمی!

بانو:۔ یہ کون شخص ہے۔

خیزران:۔ یہ عجیب و غریب شخص ہے، بہادر، نڈر، منظم اُس کی کارگذاریاں جلد ایک انقلاب عظیم کا سبب بنیں گی ـــــ دیکھ لینا۔

بانو:۔ اسے خرمی کیوں کہتے ہیں۔

خیزران:۔ اس لئے کہ یہ سب کو خوش و خرم دیکھنا چاہتا ہے۔ کسی پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا جس کا جو جی چاہے کرے۔

بانو:۔ (ہنستے ہوئے) کوئی دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔

خیزران:۔ کبھی کبھی دیوانے بھی عقل کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

بانو:۔ تو موبد کے اس سے بہت تعلقات ہیں۔

خیزران:۔ ہاں، اور میاں سامان بھی اس کے ذریعہ وہاں پہنچنے لگے ہوں گے۔ وہاں کی اچھی باتیں تو اختیار نہیں کریں گے۔ بُری باتیں بڑے شوق سے اختیار کریں گے نہ جانے اس لڑکے ہیں کب سمجھ آئے گی اور کب یہ کام کا آدمی بنے گا۔

بانو:۔ پھر تم نے اس کی بُرائیاں شروع کیں۔

خیزران:۔ (مسکراتے ہوئے) اچھا اس کا ذکر چھوڑتی ہوں آؤ اب پھر کام کی باتیں کریں۔

بانو:۔ کون سی باتیں؟

خیزران:۔ وہی ضرغام کی باتیں ـــــ

یہ نام سُنتے ہی بانو پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اس کا دل دھڑکنے لگا، رُخسار سُرخ ہو گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خون پھٹ پڑے۔

باب ۔ ۷

یہ محبّت ہے!

خیزران نے ——— اُسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جن میں شفقت و محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی ——— پھر بولی

"تم ضرغام سے محبت کرتی ہو یہ تو جانتی ہوں لیکن کیا بہت زیادہ" خیزران نے جواب دیا۔

ہاں خالہ ضرغام سے میں نے چاہا تھا کہ محبت نہ کروں مگر کرنے لگی مجبور ہو گئی۔

خیزران:۔ وہ ایسا ہی ہے ——— بڑی خوبیوں کا آدمی ہے۔

بانو:۔ کیا تم بھی اس سے محبّت کرتی ہو؟

خیزران:۔ (اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکی کہنے لگی) ہاں ——— لیکن میری اور تمہاری محبّت میں فرق ہے!

بانو:۔ (نہایت معصومیّت سے) کیا محبّت بھی کئی طرح کی ہوتی ہے؟

خیزران:۔ ہاں بیٹی ایک محبّت وہ ہوتی ہے۔ جو مرزبان کو تم سے ہے ایک وہ ہے جو تم کو سامان سے ہے اور ایک وہ ہے جو تمہیں ضرغام سے ہے۔ یہ سب محبتیں

الگ الگ ہی تو ہیں!

بانو:۔ وہ تو میں سمجھ گئی لیکن تم ضرغام سے کیسی محبت کرتی ہو؟

خیزران:۔ (ہنستے ہوئے) کیا تجھے میری محبت پر شک ہے کچھ؟ ——— بیٹی میں اس سے وہ محبت کرتی ہوں جو ایک ماں اپنی اولاد سے کرتی ہے۔

بانو:۔ میں سمجھتی ہوں۔

خیزران:۔ (متبسم ہوکر) اب مطمئن ہوگئیں تم

بانو:۔ کیوں چڑاتی ہو مجھے

خیزران:۔ ضرغام نوجوان ہے خوبصورت ہے، بہادر ہے، دلیر ہے وہ تمہاری محبت کا مستحق ہے۔

بانو:۔ (ذرا ہنستے ہوئے) اب تو تعریفوں کے ڈونگرے برسنے لگے، ضرغام اچھا آدمی ہے لیکن نہ اتنا جتنا تم بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی ہو؟

خیزران:۔ میں تو یہاں تک کہتی ہوں، فرغانہ میں بلکہ بلادِ فارس تک میں اس جیسا شجاع و دلیر آدمی ملنا مشکل ہے اور خوب صورتی کا جہاں تک تعلق ہے۔ جس کا جی چاہے چراغ رُخ زیبا لے کر ڈھونڈے کیا مجال ہے، جو ضرغام کا ثانی پالے۔

بانو:۔ ہوگا ——— اچھا تو پھر

خیزران:۔ لیکن سوچتی ہوں یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی؟

بانو:۔ یہ بات ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی تم نے کہی تھی۔

خیزران:۔ ہاں بیٹی کہی تھی ——— دراصل یہی فکر پریشان کئے ہوئے ہے۔

بانو:۔ لیکن اس میں فکر کی کیا بات ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا۔

خیزران:۔ فکر کی بات یہ ہے کہ ضرغام میں تمام خوبیوں اور اچھائیوں کے باوجود ایک نقص بھی ہے۔

بانو:۔ نقص ــــــ؟ ضرغام میں؟

خیزران:۔ ہاں میری بیٹی

بانو:۔ تو بتاؤ وہ نقص کیا ہے۔

خیزران:۔ اس کا نسب ــــــ سارے فرغانہ میں کوئی ایسا نہیں ہے، جو اُس کا حسب نسب جانتا ہو بلکہ وہ خود نہیں جانتا کہ اُس کا باپ کون تھا۔

یہ سُنکر بانو کچھ پریشان سی ہو گئی۔ کاندھے پر جو کمان پڑی تھی اسے درست کرتی ہوئی بولی ــــ

لوگوں کا کیا خیال ہے اس بارے میں ــــــ؟

خیزران:۔ جہاں تک ضرغام کی ذات کا سوال ہے فرغانہ بھر میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملے گا جو اسے شجاعت، بہادری، شرافت، معقولیت اور انسانیت کا پیکر نہ مانتا ہو، اُسے دُنیا کا حسین ترین آدمی نہ تسلیم کرتا ہو۔

بانو:۔ مگر ــــــــــ؟

خیزران:۔ مگر جب اس کے نسب کا سوال درپیش ہوتا ہے تو سب چُپ ہو جاتے ہیں ــــــ؟

بانو:۔ تم بھی کچھ نہیں جانتیں؟

خیزران:۔ نہیں ــــــ صرف اتنا جانتی ہوں بہت سال ہوئے جب اس کی

ماں ضرغامہ آئی، نوجوان تھی، اور بے انتہا خوبصورت اور نازک اندام۔
بانو:۔ یہ تو بہت دنوں کی بات ہوگی۔
خیزران:۔ ہاں بہت دن ہو گئے تم اس وقت بچہ تھیں اور یہ ضرغام بھی ——
بس تم سے کچھ ہی بڑا ہوگا، اپنی ماں کی گود میں کلبلا رہا تھا ——
بانو:۔ ضرغام کی ماں کس حالت میں آئی تھی؟
خیزران:۔ بہت خراب اور ابتر حالت میں —— نہ کھانے کو روٹی نہ پہننے کو کپڑا
—— سراپا فقر و غربت،
بانو:۔ ہاں دنیا میں نہ جانے کیسے کیسے مصائب سے لوگوں کو سابقہ پڑتا ہے۔
خیزران:۔ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر بہت سے لوگ گرویدہ ہو گئے، کئی خوش حال آدمیوں نے شادی کا پیغام بھی دیا ——
بانو:۔ پھر شادی نہیں کی اس نے ——
خیزران:۔ نہیں صاف انکار کر دیا۔
بانو:۔ یہ تو غلطی کی جب کوئی ذریعہ آمدنی نہیں تھا تو پھر کر لی ہوتی۔
خیزران:۔ لیکن اسے اپنے بیٹے (ضرغام) سے بے انتہا محبت تھی۔ اس محبت میں اس نے اپنی زندگی برباد کر لی، ساری زندگی اسی حالت میں گذار دی یہ کتنا بڑا کارنامہ ہے ایک جوان اور خوبصورت عورت کا اپنے ننھے سے بچہ کے لئے میں تو اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئی۔
بانو:۔ ہونا بھی چاہیئے تھا —— لیکن یہ کون تھی، کہاں سے آئی تھی ——
کچھ یہ بھی معلوم ہو!

خیزران :۔ میرے آقا مرزبان کو جب اس کے حالِ زار کی اطلاع ملی تو اس نے بلوایا اور اس سے پوچھا تم کون ہو۔

بانو :۔ (اشتیاق کے ساتھ) پھر اس نے کیا بتایا۔

خیزران :۔ پہلے تو اس نے بتانے میں کچھ تامل کیا پھر کہنے لگی میں کسی ترک خاندان کی لڑکی ہوں، بچپن ہی میں نہ جانے کس طرح ان سے جدا ہوئی اور عراق کے سنناسس والوں کے یہاں پہنچ گئی۔ ان کا کاروبار ہی یہ تھا کہ لونڈیوں اور غلاموں کی خرید و فروخت کریں۔ چنانچہ انہوں نے وہیں کے ایک آدمی کے ہاتھ مجھ کو فروخت کر دیا۔

بانو :۔ (حیرت اور افسوس کے جذبات کے ساتھ)

فروخت کر دیا ؟ چہ چہ !

خیزران :۔ پھر کہنے لگی اس آدمی نے جو یقیناً ایک شریف دل اپنے پہلو میں رکھتا تھا مجھے آزاد کیا اور شادی کر لی ۔

بانو :۔ واقعی بڑا شریف آدمی تھا ایسے آدمی کم ہی ہوتے ہیں ۔

خیزران :۔ ہاں اور کیا ——

بانو :۔ پھر کیا ہوا ؟

خیزران :۔ پھر اس نے بتایا کہ میں ابھی حاملہ تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا اس کے عزیزوں نے تنگ کیا تو کچھ عرصے کے بعد جب زیادتی ناقابلِ برداشت ہو گئی تو بچّہ کو لے کر یہاں آ گئی ۔

بانو :۔ (عارفانہ طور پر گردن ہلاتے ہوئے)

اچھا تو یہ معاملہ ہے ؟

خیزران :۔ پھر تمہارے والد اور میرے آقا مرزبان نے اسے مشورہ دیا کہ نکاح کرے اور اپنے بعض متوسلین کا اس سلسلہ میں نام پیش کیا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔

بانو :۔ اباجان کی بات بھی نہیں مانی ؟

خیزران :۔ اب تو میرے آقا مرزبان کو شک پیدا ہوا کہ ماجرا کیا ہے ؟ لیکن تفتیش احوال کا کوئی ذریعہ نہ تھا لیکن انہیں اس سے ہمدردی بھی تھی آخر انہوں نے اُسے اپنے قصر میں جگہ دے دی اُسے اپنی پناہ میں لے لیا اور حکم دے دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو فوراً مہیا کر دی جایا کرے۔

بانو :۔ بہت اچھا کیا اباجان بڑے اچھے آدمی ہیں۔

خیزران :۔ کیا کہنا ہے ان کا ــــــــ یہ عورت سینے پرونے اور کشیدہ کاری کے کام سے خوب واقف تھی اور وہ مرزبان کے لوگوں کا کام بڑے شوق سے مفت کر دیا کرتی تھی پھر اس کی آنکھیں آشوب کر آئیں اور ایسی ہو گئیں کہ وہ کسی کام کے قابل نہ رہی اور سینے پرونے کا کام تو اس نے بالکل ترک کر ہی دیا اور تمہارے اباجان کے گھر میں ہی دستگیری کے سہارے زندگی کے دن کاٹنے لگی۔

بانو :۔ ہاں یہ تو میں جانتی ہوں۔

خیزران :۔ ضرغام جب بڑا ہوا تو اس نے بڑے شوق سے فنون سپہ گری حاصل کئے اور بہت جلد بڑا اچھا شہسوار بن گیا، تیر اندازی میں ہم عصروں سے کہیں آگے نکل گیا نیزہ بازی سیکھی اور تلوار تو اتنی اچھی چلانا آگئی کہ کیا کوئی اس کا مقابلہ کرے گا ــــــــ !

بانو:۔ ہاں ٹھیک ہے ـــــ اباجان نے بھی تو اسے اپنا نائب بنالیا تھا۔
خیزران:۔ ہاں وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے، اس کی عزت کرتے تھے دُوسرے ملازمین پر اُسے کہیں زیادہ تفوق حاصل تھا۔
بانو:۔ وہ اس کا مستحق بھی تھا۔
خیزران:۔ پھر خلیفہ معتصم باللہ نے ان اطراف میں اپنے کچھ لوگ بھیجے کہ وہ ترکوں، اہل فرغانہ، واشروسنہ کے تنومند، خوب رُو، بہادر، اور سپہ گر نوجوانوں کو چنیں تاکہ خلیفہ انہیں اپنی خاص سپاہ میں شامل کرے، ضرغام بھی چن لیا گیا اور یہاں سے بغداد پہنچ گیا اور اپنے ساتھ تمہارا دل بھی لیتا گیا۔
یہ کہہ کر خیزران ہنسنے لگی بانو نے مسکرا کر اُس کی تائید کی۔
خیزران:۔ لیکن احمق تھا نہ جاتا یہیں رہتا ـــــ!
بانو:۔ نہیں خالہ یہ نہ کہو ضرغام نے جاکر بہت اچھا کیا۔
خیزران:۔ یہ تو بالکل نئی بات سُن رہی ہوں بھلا اس سے کیا فائدہ ہُوا سوائے اس کے کہ دو محبت کرنے والے دل ایک دوسرے سے دُور ہو گئے۔
بانو:۔ محبت کرنے والے دل کبھی دُور نہیں ہوتے۔
خیزران:۔ پھر بھی امیر خلیفہ معتصم کی فوج خاص میں داخل ہونے کی ایسی ضرورت پیش آگئی تھی!
بانو:۔ تم اس کے نسب کے بارے میں ابھی کہہ رہی تھیں؟
خیزران:۔ ہاں ـــــ تو کیا وہاں وُہ اپنے نسب کا سراغ لگانے گیا ہے۔
بانو:۔ اپنی اس کمزوری کا بھی اسے احساس ہے وہ چاہتا ہے لوگ اس سے

کھٹکتے ہیں، پھر کتے ہیں لہٰذا اس نے سوچا کوئی ایسا کارنمایاں انجام دینا چاہیئے کہ وہ میرا مستحق بن جائے پھر کوئی بھی اس کی تحقیر نہ کرسکے گا اسے ہیٹا نہ سمجھ سکے۔

خیزران:۔ (ہنستے ہوئے) اب سمجھی یہ تم دونوں کی ملی بھگت تھی!

بانو:۔ (مسکرا کر) یہی سمجھ لو اس میں ہرج ہی کیا ہے ہر شخص کو حق ہے کہ اپنے مستقبل کو روشن بنانے کیلئے وہ سب کچھ کرے جو اس کے قبضہ اختیار میں ہے یہی ضرغام نے بھی کیا اور یہی اسے کرنا چاہیئے تھا۔ یہاں اس کے لئے ترقی کا کیا امکان تھا؟ وہاں وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرسکتا ہے۔

خیزران:۔ ہاں یہ تو ہے۔

بانو:۔ وہاں انشاءاللہ اس کے لئے ترقی کے دروازے کھل جائیں گے۔

خیزران:۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

بانو:۔ یہاں کے بہت سے لوگ بک کر غلام کی حیثیت سے بغداد گئے وہاں کس طرح وہ قصر خلافت میں پہنچے وہاں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہوا، انہیں فنونِ سپہ گری سکھائے گئے، پھر شاہی فوج میں بھرتی کرلیا گیا وہ ترقی کرتے کرتے سپہ دار اور سپہ سالار بن گئے —— کیا یہی بات ضرغام کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔

خیزران:۔ ہاں ضرور ہوسکتی ہے اور میں تو دعا کرتی ہوں، خدا ایسا کرے۔

بانو:۔ ان لوگوں کو تو غلام کی حیثیت سے خریدا گیا تھا پھر وہ ترقی کرتے کرتے بڑے مدارج پر پہنچے ضرغام کوئی غلام تو تھا نہیں نہ اسے کچھ سکھانا پڑا وہ پہلے ہی سے فنون جنگ میں ماہر تھا پھر تو دوسروں کے مقابلہ اس کے لئے ترقی کا

کہیں زیادہ امکان ہے ـــــ کیوں خالہ!

خیزران :۔ ہاں بٹیا بہت زیادہ ـــــــــ!

پھر وہ سوچنے لگی۔ بانو کے دل میں ضرغام کی محبت کا نقش کتنا گہرا اور مستحکم ہے۔ کس طرح دل و جان سے وہ اُسے چاہتی ہے۔ اسے ترس آ گیا اپنی آقازادی پر ـــــ آدمی کا محبت میں انداز فکر تک بدل جاتا ہے۔ یہ اگر ضرغام کی محبت میں مبتلا نہ ہوتی تو اسے کیا پڑی تھی کہ ان غلاموں کی تاریخ سے دلچسپی لیتی، جو یہاں خریدے اور بغداد پہنچائے گئے تھے اور وہاں انہوں نے ترقی کرتے کرتے سپہ دار اور سپہ سالار کا منصب حاصل کر لیا۔

باب ۔ ۸

بس وہی ایک ذکر

خیبزران کی نظر بار بار بانو پر پڑتی تھی وہ اس وقت اس سے بہت متاثر تھی، بانو نے جس جوش کے ساتھ ضرغام کے روشن مستقبل کی پیشینگوئی کی تھی۔ خیبزران اس کی مخالفت نہ کر سکی بڑے انہماک و استغراق سے اس کی باتیں سنتی رہی پھر تائید میں سر ہلاتی ہوئی بولی ـــــ

ہاں بیٹی سچ کہتی ہو ضرغام کا مستقبل بہت روشن ہے انشاءاللہ وہ نمایاں ترقی کرے گا۔

یہ سن کر بانو کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہو گئے۔ خیبزران نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

لیکن ایک بات ضرور کہوں گی بیٹی!

بانو:۔ کہو ـــــ کچھ ضرغام کے بارے میں کہو گی۔

خیبزران:۔ نہیں ـــــ تمہارے بارے میں ـــــ

بانو:۔ (حیرت سے) تو کہو میں منتظر ہوں کیا کہنا چاہتی ہو؟

خیزران :۔ یہ تو سچ ہے ضرغام میں دنیا جہاں کی خوبیاں اور یقیناً زیادہ سے زیادہ ترقی کرے گا لیکن دوشیزہ فرغانہ کہاں اور وہ کہاں ؟

بانو کی تیوریاں چڑھ گئیں اس نے پوچھا۔

یہی کہنا چاہتی تھیں تم

خیزران :۔ ہاں شاید تم اسے معمولی بات سمجھ رہی ہو۔

بانو :۔ اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ میرا اور ضرغام کا تفاوت مدارج کے باعث جوڑ نہیں تو یہ بات مجھے ناگوار بھی گزری اور ناپسند بھی ہو گی۔

خیزران :۔ کچھ بھی ہو میں یہی کہوں گی ــــ کہاں کسی فوج کا سپہ سالار اور سپہ دار اور کہاں دوشیزہ فرغانہ اس کے جوڑ کے تو ملوک و سلاطین ہو سکتے ہیں بس اور کوئی نہیں ــــ

بانو :۔ یہ بات غلط ہے ــــ آدمی کی قدر و منزلت اس کے جاہ و مرتبے سے نہیں ہوتی اس کی صفات، کردار اور سیرت سے ہوتی ہے۔ میں ضرغام سے اس لئے محبّت نہیں کرتی کہ وہ معتصم کی فوج میں ایک اچھے عہدے پر ملازم ہے نہ اس لئے کرتی ہوں کہ وہ سپہ سالار اور سپہ دار بن سکتا ہے۔ فرض کرو کل وہ کسی طرح بادشاہ بن جائے تو بھی میری محبت اس لئے نہیں ہو گی کہ وہ بادشاہ ہے۔

خیزران :۔ وہ تو ٹھیک ہے مگر ــــ

بانو :۔ میں ضرغام سے محبّت کرتی ہوں اس کی سیرت و صفت سے محبّت کرتی ہوں، وہ جب میرے باپ کے گھر میں پناہ گزین کی حیثیت سے رہتا تھا جب ہی سے میں اس سے محبت کرنے لگی تھی ــــ محبّت آدمی سے کی جاتی ہے اس کی بادو

منصب سے نہیں کم از کم میرا یہی خیال ہے ۔

خیزران سے ان باتوں کا جواب نہ بن پڑا آخر اس نے موضوع بدلنے کیلئے کہا "بیٹی میں تو اب بہت تھک گئی ہوں ——— اب ذرا دیر کے لئے اُتر کر یہاں سستا لیں دیکھو کتنا اچھا منظر ہے ۔

بانو نے اس رائے سے اتفاق کیا دونوں اپنے گھوڑوں پر سے اُتر پڑیں۔ سائیسوں نے آگے بڑھ کر گھوڑوں کی باگ ہاتھ میں لے لی، اِن دونوں کے لئے فرش بچھ گیا سائیس گھوڑوں کو چارہ کھلانے لگے بانو نے خادماؤں سے کہا جاؤ ذرا سامنے کی وادی میں گھوم پھر کر آؤ اور بتاؤ کہیں شکار ہے یا نہیں ———

باب - ۹

وہ آئے گا، ضرور آئے گا اور جلد آئے گا۔

خادماؤں کے چلے جانے اور سائیسوں کے اپنے کام میں منہمک ہو جانے کے بعد خیزران نے موقعہ دیکھا کہ تخلیہ ہے اور اطمینان سے باتیں ہو سکتی ہیں۔ تو پھر سلسلہ کلام شروع کر دیا۔

خیزران:۔ کیوں بیٹی میری بات کا بُرا مان گئیں تم

بانو:۔ میں تم کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتی ہوں بھلا تمہاری بات بُری لگ سکتی ہے یہ بھی جانتی ہوں تم مجھے کتنا چاہتی ہو، تمہاری آنکھ مجھے کتنا حسین وجمیل دیکھتی ہے یہاں تک کہ تم سمجھتی ہو کہ تمہاری بیٹی (بانو) ہر وقت کے بادشاہ فریفتہ ہو سکتے ہیں اور اپنی جان دے سکتے ہیں اس پر لیکن بات یوں نہیں ہے، مجھے اپنے بارے میں کوئی مغالطہ نہیں ہے، میں جو کچھ ہوں خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں اپنے آپ کو ——

خیزران:۔ میں نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا!

بانو:۔ (مسکرا کر) تم اب بھی اپنے قول پر قائم ہو۔

خیزران:۔ ہاں —— جس طرح مجھے اس وقت دن کے ہونے کا یقین ہے اسی

طرح یہ بھی یقین ہے کہ فارس تک کے ملوک وسلاطین تمہارے اشارہ پہ ناچ سکتے ہیں تمہاری ایک نگاہ التفات پر جان دے سکتے ہیں۔

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز ـــــ
اس میں نہ کوئی مبالغہ ہے نہ بناوٹ ـــــ!

بانو نے انکار اور تعجب کی نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"فارس کے بادشاہ" ـــــ؟

خیزران :۔ ہاں بیٹی ـــــ ہاں فارس کے بادشاہ تیرے ایک اشارہ پر ناچ سکتا ہے۔

بانو :۔ لیکن وہاں اب بادشاہ ہیں کب؟ اب تو مسلمان حاکم ہیں، اور بادشاہت و ملوکیت کب کی ختم ہو چکی ـــــ کیا میں غلط کہتی ہوں؟

خیزران :۔ (خوش ہو کر مسکراتے ہوئے) تم فارس کو سمجھتی کیا ہو وہ بہت بڑا ملک ہے۔ مسلمان لاکھ حکمران ہو گئے ہوں لیکن اب بھی وہاں ایسے ایسے تاجدار اور حکمران پڑے ہوئے ہیں جو جاہ وجلال شان وشوکت دبدبہ وتنتنہ اور فوج اور سپاہ کے مالک ہیں اور میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ دن دُور نہیں جب ایک مرتبہ پھر دنیا کو بتا دیں گے کہ اب بھی کسریٰ کی شوکت، جمشید کی منزلت خسرو کی وجاہت اور ایران کی عظمت موجود ہے، اُسے نہ کچلا جا سکتا ہے نہ دبایا جا سکتا ہے۔

بانو :۔ (حیرت آمیز تبسم کے ساتھ) بالکل نئی بات سن رہی ہوں تمہارے منہ سے بھلا وہ کون لوگ ہیں؟

خیزران :۔ کیا تم مازیار شاہ طبرستان سے ناواقف ہو،

بانو :۔ اچھا اچھا مازیار؟

خیزران:۔ ہاں ——— اور کیا تم بابک خرمی تاجدار ربیل کو نہیں جانتی؟

بانو:۔ کیوں نہیں جانتی؟

خیزران:۔ تو سن لو یہ دونوں بادشاہ وہ ہیں جن کی عظمت و جلال کے سامنے دنیا سر جھکاتی ہے۔ جن کے حضور میں بڑے بڑے اُمراء و روساء سپہ دار و سپہ سالار کانپتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ تمہاری ایک نگاہ التفات کے منتظر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اس امر کا متمنی ہے کہ دوشیزہ فرغانہ اس کی ہو جائے اور وہ اس کی رضامندی پر اپنا سب کچھ لٹا دیں۔

بانو:۔ (اپنے گھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے جو گھاس چرنے میں مصروف تھا)

چھوڑو ان باتوں کو مجھے نہ مازیار سے دلچسپی ہے نہ بابک خرمی سے نہ میں طبرستان کی ملکہ بنا چاہتی ہوں نہ اردبیل کی، میرے دل میں جو بسا ہے وہ لبسا ہے کیا ان میں کوئی بھی ضرغام کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟

خیزران:۔ اچھا مازیار کو چھوڑو، طبرستان کو بھی، لیکن بابک خرمی؟

بانو:۔ میں اسے بھی ضرغام کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتی ہوں۔

خیزران:۔ اس کی شان و شوکت کے بارے میں اگر میرا یقین نہیں کرتیں تو اپنے بھائی سامان سے پوچھ لو ——— دیکھو اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

بانو:۔ تم نے کہا تو مجھے یاد آیا، سامان کی زبان سے یہ نام کئی مرتبہ سن چکی ہوں اس نے جب بھی اس کا ذکر کیا۔ اس کی بڑائی بیان کی لیکن اوّل تو میں اس کی باتوں کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتی ——— جانتی ہوں جھوٹ بولتا ہے۔ مبالغہ سے کام لیتا ہے۔ دوسرے اگر وہ سچا بھی ہو تو مجھے کیا میں تو اس دنیا میں صرف ایک شخص

سے محبت کرتی ہوں وہ ضرغام ہے،

میری نگاہ میں کوئی کتنا ہی بڑا بادشاہ ہو اور صاحب اقتدار و سیاست ہو، ضرغام کے مقابلہ میں دو کوڑی کا ہے۔

خیزران:۔ جانتی ہوں، طبرستان دُور ہے اردبیل بھی نزدیک نہیں اور مازیار و بابک کو تم پسند بھی نہیں کرتیں لیکن ــــــ

بانو:۔ (مسکرا کر) پھر تمہیں کوئی نیا نام یاد آیا کسی بادشاہ کا ــــــ؟

خیزران:۔ ہاں ــــــ اشروسنہ کی مملکت تو کچھ دُور نہیں ــــــ

بانو:۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو ــــــ کیا مقصد ہے تمہارا؟

خیزران:۔ میں وہاں کے فرمان روا افشین کے بارے میں کہنا چاہتی ہوں جو آج کل بغداد میں ہے اور عساکر مسلمین کا قائد اور سربراہ ہے۔

ابھی کچھ دن ہوئے تمہارے والد مرزبان کی زیارت کو آیا تھا کہ فرغانہ آکر عید نوروز کے موقعہ پر ان کی ملاقات سے شاد کام ہو ــــــ کیا تم اسے بھی ٹھکرا دو گی؟

بانو اب تک بے دلی کے ساتھ خیزران کی باتیں سنتی رہی لیکن اب ضبط نہ کر سکی اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا اور کہا ــــــ "خدا کے لئے یہ نام میرے سامنے نہ لو ــــــ"

خیزران حیرت سے ٹکٹکی باندھ کر بانو کو دیکھنے لگی۔

بانو:۔ میں یہ نام سن بھی نہیں سکتی، سچ پوچھو تو میرے آج کے انقباض و تکدر کا اصل سبب افشین ہی ہے حالانکہ تم یہ سمجھ رہی تھیں۔ کہ ضرغام ہے، ضرغام سے میں محبت کرتی ہوں اور اس شخص سے انتہائی نفرت اس کا ذکر سنتی ہوں تو میرا خون

کھولنے لگتا ہے۔ جب سے میں نے سنا ہے وہ فرغانہ آرہا ہے۔ میرا عجیب حال ہے وہ شاید اب آچکا ہو اور غالباً چند دن ابا جان کے ساتھ ہمارے گھر میں گذارے کاش اتنے عرصے تک میں اپنے گھر سے باہر رہ سکتی۔ اس کا روئے نحس دیکھنے میں نہ آتا۔

خالہ تم نہیں جانتی اس بدبخت شخص سے میں کتنی نفرت کرتی ہوں

خیزران حیرت و تعجب کے عالم میں بانو کی باتیں سنتی رہی پھر اس نے پوچھا—

آخر افشین کی کون سی بات ناگوار گذری تمہیں؟ اس نے کوئی خطا کی ہے تمہاری؟

بانو:۔ جھوٹ کیوں بولوں اس نے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی میری اس کی آج تک بات چیت بھی نہیں ہو سکی۔

خیزران پھر بھی اتنی خفا ہو اس بے چارے سے ——؟

بانو:۔ ہاں —— جب سے میں نے اسے ابا جان کے پاس آتے جاتے دیکھا ہے، میرے دل میں اس کی نفرت بیٹھ گئی ہے۔

خیزران:۔ لیکن یہ تو زیادتی ہے بھلا اس طرح بھی کوئی کسی سے نفرت کرتا ہے؟

بانو:۔ میں کرتی ہوں!

خیزران:۔ اچھی زبردستی ہے۔

بانو:۔ آج تک میرے شعور نے مجھے دھوکا نہیں دیا، آج تک میرے اندازے نے مجھ سے خیانت نہیں کی، جس شخص کے بارے میں جو رائے میں نے قائم کرلی بالآخر وہ صحیح اور درست ثابت ہوئی۔

خیزران:۔ کیا تم نہیں جانتیں افشین تمہارے ضرغام کا سردار ہے، ضرغام اگر

ترقی کر سکتا ہے تو افشین کی ماتحتی میں اس کے زیرِ سایہ رہ کر اسے خوش رکھ کر ورنہ ترقی کے وہ خواب ادھورے رہ جائیں گے جو وہ دیکھ رہا ہے ۔

بانو :۔ میں نہیں مانتی

خیزران :۔ بیٹی تم افشین کو کیا سمجھتی ہو وہ مسلمانوں کے لشکر کا سردارِ اعلےٰ ہے۔

بانو :۔ ہوا کرے، ضرغام کا اس سے کوئی تعلق نہیں، نہ وہ اس کا ماتحت ہے ——— نہ اس کی ترقی اس کی رضامندی پر منحصر ہے ۔

خیزران :۔ تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے سب کچھ جانتی ہو ؟

بانو :۔ اور کیا بغیر جانے کہہ رہی ہوں ؟——— ضرغام خلیفہ معتصم کی نگہبان فوج کا سردار ہے ۔ تمہارے افشین وفشین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ———

خیزران :۔ (حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر) کیسے مان لوں ؟——— کیا تمہیں یقین ہے کہ واقعہ یہی ہے ۔

بانو :۔ (تبسم کرتے ہوئے) جتنا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ ملوک و سلاطین میرے اشارہ چشم پر رقص کر سکتے ہیں ۔ اس سے زیادہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ضرغام اپنی ترقی میں نہ افشین کا محتاج ہے نہ کسی اور کا اس نے اپنا الگ راستہ بنا لیا اب وہ اسی پر چلے گا، اور منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا ———!

خیزران :۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) تم کہتی ہو تو مانے لیتی ہوں !

بانو :۔ (جیب سے ایک خط نکالتے ہوئے) میں غلط نہیں کہتی خالہ یہ دیکھو میرے پاس ثبوت موجود ہے ۔

خیزران :۔ یہ کیا ہے بیٹی !

بانو:۔ ضرغام کا خط

خیزران :۔ (اشتیاق کے ساتھ)

یہ ضرغام کا خط ہے ـــــ یہ خط ضرغام نے بھیجا ہے ؟

بانو:۔ ہاں خالہ یہ اُسی کا خط ہے اور تمہیں سلام بھی لکھا ہے ۔

خیزران :۔ وہ تو لکھا ہو گا لیکن کیا کیا لکھا ہے وہ تو بتاؤ !

بانو:۔ وہی لکھا ہے جو میں نے ابھی تمہیں بتایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ بہت جلد ضرغانہ کچھ دنوں کے لئے آنے والا ہے ـــــ !

خیزران :۔ تو کب آرہا ہے ؟

بانو:۔ خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کے اعتبار سے تو اب تک آجانا چاہیئے تھا نہ جانے کیا بات ہوئی جو نہیں آیا ـــــ طبیعت بہت پریشان ہے ۔

خیزران :۔ (تسلّی دیتے ہوئے) اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے آجائیگا۔

بانو:۔ لیکن دیر کیوں ہو گئی ؟

خیزران :۔ بہر حال سرکاری ملازم ہے، ایک اعلےٰ عہدے پر فائز ہے، اپنی مرضی کا مختار تو نہیں کسی وجہ سے تاخیر ہو گئی ہو گی لیکن جب اس نے لکھا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ نہ آئے ـــــ آئے گا ـــــ ضرور آئے گا ـــــ اور جلد آئے گا ۔

باب ـ ۱۰

مکتوبِ محبت

خیزران نے بانو سے پوچھا۔

" ہاں کیا کیا لکھا ہے صفرغام نے ؟"

بانو نے خط اس کی طرف بڑھادیا۔ " لو پڑھ لو"

خیزران خط پڑھنے لگی جو فارسی زبان میں تھا۔

جان و دل کی مالک !

" یہ خط میں تمہیں سامرّا سے لکھ رہا ہوں، تم میری محبوبہ بھی ہو، اور مالک بھی، عرصہ ہوُا فرغانہ کے دیار سے رخصت ہوُا، غریب الوطنی کی مصیبتیں سہیں بغداد پہنچا، ملازم ہوُا، اس ساری مدّت میں خط لکھنے کی جرأت نہ کر سکا، ایک حقیر بے نوا مرزبان کی بیٹی کو جو مرتبہ میں شہزادی سے کم نہیں، کس برتے پر خط لکھتا ؟ میں غریب و یتیم، تم ایک دولتمند اور باثروت خاندان کی چشم و چراغ رخصت ہوتے وقت میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں حاصل کرنے کے لئے زندگی کی جدوجہد میں پورا حصّہ لوں

گا۔ اور زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کی کوشش کروں اور جب کسی قابل ہو جاؤں گا تو پھر تمہارے در پر دستک دوں گا، اور تمہاری نظر التفات کی دریوزہ گری کروں گا، کامیاب رہا تو زندہ رہوں گا، ناکام ہوا تو جان دے دوں گا، یہ موت تمہارے راستہ میں آئے گی، اور میرے لئے زندگی سے کہیں زیادہ خوشگوار ہو گی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ زندہ رہوں اور تمہاری نظر التفات کا مالک بن جاؤں میں نے فوج میں ملازمت کی تھی اب پوزیشن یہ ہے کہ قصر حکومت میں امیر المومنین خلیفہ معتصم باللہ کی نگہبان فوج کی سرداری میرے حصّہ میں آئی ہے۔ اب اس مقام پر پہنچا ہوں جسے ترقی کا مقام کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ پہلی فرصت میں تمہیں خط لکھ رہا ہوں، دل نے اصرار کیا کہ سب سے پہلے یہ خوشخبری تمہی کو پہنچاؤں گویا تم میرے سامنے ہو اور مجھ سے میری جہد حیات کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہی ہو۔

یہ عروج جو مجھے حاصل ہے صرف اسی وقت میری نظر میں کسی قابل ٹھہرے گا جب تم میری بن جاؤ ورنہ اگر بادشاہت [illegible] جائے تو وہ میری نظر میں حقیر اور ذلیل ہے میری جد و جہد کا منشا صرف تمہاری رضامندی اور تمہارا حصول ہے اور بس میں فرغانہ آنے کی بہت جلد کوشش کر رہا ہوں کہ اپنے آقا اور مولا مرزبان کی دست بوسی کروں اور اپنی تشنہ کام آنکھوں سے تمہارے جمال جہاں آرا

کا انتظار کروں اگر کچھ مشکلات جن کا تعلق خلیفہ کی ذات سے ہے، درپیش نہ ہوتیں تو اب تک کب کا آچکا ہوتا بہرحال جلد از جلد آنے کی جدوجہد کر رہا ہوں ۔! امیر المومنین معتصم نے بغداد کے قریب ہی ایک نیا شہر آباد کیا ہے جس کا نام سامرا ہے یہ شہر انہوں نے صرف اپنے اور اپنی فوج کے لئے تعمیر کیا ہے ۔ ان کی ترک فوج یہیں مقیم ہے اور میں بھی اپنے منصب کے لحاظ سے یہاں قیام کرنے پر مجبور ہوں ۔! ترکوں کی یہ نئی فوج امیر المومنین نے ایک خاص مقصد کے تحت مرتب کی ہے ۔ مملکت اسلامیہ میں متعدد جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں ۔ یہ اہل فارس پر مشتمل ہیں ۔ اور ان سے امیر المومنین اپنی امارت اور اپنے اقتدار کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں لہٰذا ان کا زور توڑنے کے لئے انہوں نے یہ نئی فوج بنائی ہے، امیر المومنین کا یہ خیال بھی ہے کہ اگر اس ترک فوج کے سپاہی آس پاس کے شہروں کی آبادی سے مخلوط و ممزوج ہوئے تو ان کی سختی اور شدت کم ہو جائے گی ۔ اور یہ بھی دوسروں کی طرح کمزور اور ناکارہ بن جائیں گے لہٰذا انہوں نے طے کیا ہے کہ ان کی شادیاں ترکی باندیوں سے کی جائیں ۔ جو ماوراء النہر کے علاقہ سے خرید کر لائی جائیں گی[1] چنانچہ اس کام پر کچھ لوگ مامور بھی کر دیئے گئے ہیں کہ وہ فرغانہ اور آس پاس کے دوسرے شہروں میں جائیں اور وہاں سے ان سپاہیوں کے لئے باندیاں خرید کر لائیں تاکہ ان کی شادیاں کر دی جائیں ۔

---

[1] تاریخ تمدن الاسلامی صفحہ ۱۵۸ ج ۲

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے امیر المومنین سے عرض کیا کہ مجھے بھی اس وفد میں جو باندیوں کو منتخب کرنے اور خریدنے جا رہا ہے شریک کر دیا جائے مقصد یہ تھا کہ دیارِ فرغانہ کی زیارت کروں گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی بانو کو دیکھ لوں گا، میری یہ درخواست قبول ہو گئی ہے۔ اور میں عنقریب پہنچا چاہتا ہوں۔

یہ خط میں اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھ سے بھیج رہا ہوں اُمید ہے احتیاط اور حفاظت کے ساتھ تم تک پہنچ جائے گا —!

میری بیمار اور رنجور والدہ تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔ ان کی طرف سے بہت بہت دعاؤں کا ہدیہ قبول کرو۔

صرف تمہارا

ضرغام

یہ خط پڑھ کر خیزران بہت متاثر ہوئی۔ بانو کو خط واپس کرتے ہوئے کہنے لگی —

خدا مبارک کرے!

بانو:۔ مجھے اُمید ہے تمہاری دعا بابِ اجابت تک پہنچے گی —

خیزران:۔ میں نے اندازہ کر لیا تم سچ کہتی تھیں آدمی کا معیار مال و دولت نہیں اس کی سیرت اور کردار ہے واقعی وُہ تمہارا اہل ہے اور تمہارے لئے اس سے اچھا شوہر نہیں ہو سکتا۔

بانو:۔ (خوش ہو کر) اب قائل ہوئیں۔

خیزران:۔ ہاں بیٹی مان گئی ـــــ وہ صرف اپنی جدوجہد سے اس مرتبہ بلند پر پہنچا ہے ترقی کے دروازے اس کے لئے کھل گئے ہیں۔

بانو:۔ خدا کے فضل سے اُمید تو یہی ہے۔

خیزران:۔ یہ دور کشمکش اور حرب و پیکار کا دور ہے۔ ضرغام کی صلاحیتیں یقیناً اس دور میں چمکیں گی۔ وہ اپنی فراست اور شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے گا کہ ہر روز ترقی کے ایک نئے زینے پر قدم رکھے گا۔ اس میں صلاحیت ہے۔ استعداد ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قسمت بھی یاور ہے۔

بانو:۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن خط آئے ہوئے عرصہ ہو گیا۔

خیزران:۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

بانو:۔ نہ وہ خود آئے نہ ان کی طرف سے کوئی اور اطلاع ملی، مجھے ہول ہو رہا ہے۔ نہ جانے کیا ماجرا پیش آیا۔

خیزران:۔ (ہنستے ہوئے) اس میں ہول کی کیا بات ہے سرکاری مصروفیتیں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ ارادے بن بن کر ٹوٹتے ہیں۔ خدا نے چاہا تو وہ جلد آئے گا اور پھر میں تم سے مٹھائی کھاؤں گی ـــــ یہ تو سب ہے لیکن ـــــ لیکن ـــــ

پھر خیزران نے سر جھکا لیا گویا کوئی اہم بات یاد آگئی۔

بانو:۔ لیکن کیا ـــــ؟

خیزران:۔ میرا مدعا یہ ہے کہ تمام باتیں خدا کی طرف سے حسب مرضی ہو رہی ہیں۔ کیا تم نے اپنے والد کا عندیہ بھی ضرغام کے بارے میں لے لیا ہے؟

بانو:۔ نہیں ـــــ اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کم از کم فی الحال نہیں۔

خیزران:۔ مجھے تمہاری رائے سے اختلاف ہے۔ ان کا عندیہ ضرور لینا چاہیئے تاکہ بعد میں کوئی خلفشار نہ پیدا ہو۔

بالو:۔ میں جانتی ہوں وہ ضرغام سے محبّت کرتے ہیں۔ اس کی شجاعت وبہادری کے قایل ہیں۔ اس کی شرافت اور شائستگی کے قدردان ہیں۔ ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔

خیزران:۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

بالو:۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟

خیزران:۔ میرے خیال میں تو نہیں ہے۔

بالو:۔ آج تک وہ میرے کسی ارادے میں مزاحم نہیں ہوئے جو میں نے چاہا کیا۔ انہوں نے کبھی مداخلت نہیں کی۔

خیزران:۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن شادی کا معاملہ دوسری چیز ہے ضرور ان کا عندیہ لینا چاہیئے۔

بالو:۔ اگر یہ ضروری ہے تو پھر ضرغام کو آلینے دو۔

خیزران:۔ وہ آکر کیا کرے گا؟

بالو:۔ وہ خود ہی اس مسئلہ کو چھیڑے گا۔ اور ابّاجان سے بات چیت کرے گا۔

خیزران:۔ یہ تو سچ ہے کہ مرزبان کی نظر میں ضرغام کی وقعت ہے لیکن اس کے باوجود رکاوٹ ہے۔ اس پر بھی غور کرلو۔ کہیں وہ سارا کام نہ بگاڑ دے۔

بالو:۔ میں نہیں سمجھی، رکاوٹ سے تمہارا مقصد کیا ہے؟

خیزران:۔ یہ رکاوٹ ایسی ہے کہ شاید کسی طرح دور نہ ہوسکے۔

بانو:۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا وہ رکاوٹ کیا ہو سکتی ہے؟

خیزران:۔ تم نہیں جانتیں ضرغام مسلمان ہے —— ؟

بانو:۔ ہاں جانتی ہوں —— تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

خیزران:۔ تمہاری شادی اس سے کس طرح ہو سکتی ہے۔ جب تک تم خود بھی مسلمان نہ بن جاؤ، اسلام نہ قبول کر لو۔

بانو:۔ تو اسلام قبول کر لینے یا مسلمان ہو جانے میں مجھے تامل کیوں ہونے لگا؟

خیزران:۔ (پریشان ہو کر) کیا تم مسلمان ہو جاؤ گی؟ کیا اسلام قبول کر لو گی تم؟

بانو:۔ اگر ایسا ہوا تو کون سا فرق پڑے گا۔ میرے خیال میں تو اسلام بہترین مذہب ہے، اس میں اونچ نیچ نہیں، سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس میں عدل پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ کسی کی رعایت نہیں کی جاتی، وہ ایک خدا کو پوجنے کی دعوت دیتا ہے اس سے اچھی دعوت اور کیا ہو سکتی ہے۔ وہ محمدؐ کو رسول بتاتا ہے میرا خیال ہے اگر محمدؐ رسالت کا دعوےٰ نہ کرتے تو بھی وہ لوگ جو ان کی سیرت طیبہ سے واقف اور آشنا تھے۔ خود بخود اعتراف کر لیتے کہ یہ کردار صرف ایک نبی ہی کا ہو سکتا ہے —— تم نے تو اسلام کا نام اس طرح لیا جیسے وہ کوئی بُری چیز ہے۔

خیزران:۔ (سراسیمہ ہو کر) تو کیا تم اپنے خاندان اور باپ دادا کا دین چھوڑ دو گی؟

بانو:۔ میرے خیال میں تو آبا جان کو خود بھی یہ مذہب قبول کر لینا چاہیئے۔

خیزران:۔ اب تم اسلام کی مبلغ بھی بن گئیں۔ ضرغام کی محبّت میں ہے۔ ایسی محبّت بھی ہم نے نہیں دیکھی آج تک ——

بانو:۔ ہاں میں اس سے محبت کرتی ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک کرتی رہوں گی

لیکن اگر اسلام قبول کروں گی۔ تو اس کی محبت کے باعث نہیں کیونکہ اسلام سچا ہے، وہ بہت اچھا مذہب ہے۔

خیزران:۔ اچھا ایک بات بتاؤ اگر تم مسلمان ہوتیں اور ضرغام مجوسی تو کیا تم اسلام ترک کر کے مجوسیہ بن جاتیں:

بانو:۔ (مسکراتے ہوئے) دیکھتی نہیں ہو مجوسیہ ہوں اور مجوسیت کو چھوڑنے پر تلی بیٹھی ہوں —— عقیدہ صرف اس وقت تبدیل کیا جا سکتا ہے، جب کوئی دوسرا برتر عقیدہ سامنے ہو ورنہ نہیں —— محبت عقیدہ پر قربان کی جا سکتی ہے۔ عقیدہ محبت پر نہیں قربان کیا جا سکتا!

خیزران:۔ آج تو تم سے بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں!

بانو:۔ (ہنستے ہوئے) ان کی قدر کرو انہیں سوچو غور کرو ان پر ——

خیزران:۔ ہاں یہ سب کچھ کروں گی اور دیکھو تمہارے پاس رہ کر اور تمہاری باتیں سن کر کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔

بانو ہنسنے لگی

تم خفا ہو گئیں شاید ——؟

خیزران:۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) یہی تو مشکل ہے تم سے خفا ہونے کی قدرت نہیں رکھتی یہ بڑھیا!

بانو:۔ میں بھی تو دیکھو کتنی محبت کرتی ہوں؟

خیزران:۔ (بات کا پہلو بدلتے ہوئے) بیٹی اتنی دیر ہو گئی دن کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ شکار نہیں کھیلو گی ہرن اپنی چوکڑیاں بھول چکے ہیں۔

بانو:۔ یہ کیوں ؟
خیزران:۔ تاکہ بالز آئے اور شکار کرے ، اِنہیں ــــــ !
بانو ہنسنے لگی۔

باب - ۱۱

شکار

بانو بھی ان باتوں سے تنگ آگئی تھی وہ شکار پر جانے کے لئے رضامند ہوگئی اس نے سائیس کو اشارہ کیا کہ گھوڑا اور تیر کمان لے آئے پھر اس نے سامنے کی پہاڑیوں پر ایک نظر دوڑائی کہ کس طرف کا رُخ کرے ـــــ اتنے اس کی نظر ایک پہاڑی بکرے پر پڑی جو نہایت اطمینان سے ایک چٹان پر بیٹھا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی بانو چلائی ـــــ

"فیروز ـــــ تیر دینا!"

بانو نے کمان میں تیر رکھ کر نشانہ لگایا اور دل میں یہ ارادہ کیا کہ اگر تیر نشانہ پہ بیٹھا تو دل کی مراد پوری ہوگی یعنی ضرغام جلد از جلد آجائے گا۔ اور ہمیشہ کے لئے ہم دونوں ایک دوسرے کے ہو جائیں اور اگر نشانہ خطا گیا تو پھر ساری زندگی جدائی اور ہجر فراق کی داستانوں میں گزرے گی چشم زدن میں تیر بانو کی چٹکی سے نکلا، فضا میں اس کی آواز سے سنسناہٹ پیدا ہوئی اور وہ صید زبون، تڑپتا، پھڑکتا، قلا بازیاں کھاتا چٹان سے گر پڑا۔ بانو وفور مسرت سے بے قابو ہو کر پکار اُٹھی ـــــ

مرجان ـــــ مرجان جلدی کرو اسے یہاں سے لے آؤ میرے پاس ـــ!

مرجان اور دوسرے خادم بجلی کی سی تیزی سے شکار کی طرف لپکے اور اُسے اُٹھا کر بانو کے پاس لے آئے وہ اس وقت بہت مسرور تھی۔ جوشِ مسرت سے اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ اتنے میں ہنستی مسکراتی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"تمہارا تیر نشانہ پر کیسا ٹھیک بیٹھا میں تو دنگ رہ گئی"

بانو:۔ خدا کا شکر ہے، وہ اتنا بے ڈھنگا اور چوکنا بیٹھا تھا کہ مجھے اُمید نہیں تھی کہ تیر اس کے لگے گا لیکن وقت کی بات ہے۔

خیزران:۔ میں نے دل ہی دل میں فال بھی نکال لی تھی۔

بانو:۔ فال ——— فال کیسی؟

خیزران:۔ یہ کہ اگر تیر نشانہ لگا تو ضرغام تمہارا ہے خدا کا شکر ہے لگ گیا!

بانو مسکرانے لگی اس کے تبسم میں کس غضب کی شوخی اور رعنائی تھی گویا اُس کے ساتھ سارا منظر مسکرا رہا تھا، ہنس رہا تھا ——— مسرت سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

بانو:۔ واہ خالہ بالکل یہی بات میں نے اپنے دل میں سوچی تھی ——— کیا اس کے بعد بھی تم کہو گی کہ ضرغام اس قابل نہیں ہے کہ میں اسے چاہوں ———

خیزران:۔ نہیں بیٹی میں اپنی رائے واپس لیتی ہوں اب میں نے اپنی رائے بدل دی۔ تم ضرغام کے لئے ہو ——— ضرغام تمہارے لئے خدا یہ جوڑی مبارک کرے اور رہتی دُنیا تک سلامت رکھے، اب تم سے زیادہ مجھے اس کی تمنا ہے کہ وہ دن جلد آئے جب تم دونوں کو دولہا دُلہن بنا دیکھوں۔

یہ باتیں سُن کر بانو کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل گئی اس کا غم جاتا رہا تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی پریشانیاں بھول گئی اتنے میں اس کے کان میں لوگوں کی آوازیں آنے

لگیں نظر اٹھا کر دیکھا تو خادم اس شکار مردہ کو لئے ہوئے چلے آرہے تھے۔ اس کا بوجھ سنبھالنا کئی آدمیوں کے لئے بھی مشکل ہو رہا تھا۔ تندرستی کے اعتبار سے اتنا بڑا پہاڑی بکرا اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اتنا بڑا جانور ایک ہی تیر میں کیسے ختم ہو گیا لیکن جب وہ قریب آیا تو یہ دیکھ کر اس کے تعجّب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کی کمر میں ایک تیر پیوست تھا۔ جو اُسی کا تھا مگر سینہ میں ایک دُوسرا تیر بھی تھا جو ظاہر ہے اس کا نہیں تھا یہ دیکھ کر وہ چیخی۔

ارے یہ کس کا تیر ہے ——

پھر اس نے مرجان کو حکم دیا کہ یہ تیر کھینچو۔ اس نے تیر کھینچ لیا تیر اتنا زیادہ پیوست تھا کہ اسے نکالنے میں مرجان کو بڑی دشواری پیش آئی۔ مرجان نے تیر نکالا اور پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"یہ بکرا اسی تیر سے مرا ہے۔"

یہ کہہ کر تیر بانو کی طرف بڑھا دیا وہ اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اب دیکھتی کیا ہے کہ تیر کی نوک پر عربی میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ بہت زیادہ تو نہیں لیکن تھوڑی بہت عربی وہ جانتی تھی، نظر ڈالتے ہی وہ خوشی سے بیتاب ہو کر چلّائی ——!

"ضرغام" یہ ضرغام کا تیر ہے (خیزران کو دکھاتے ہوئے) یہ دیکھو اس کا نام لکھا ہوا ہے —!

خیزران نے اسے دیکھا مرجان بھی قریب آگیا ان دونوں نے پڑھ کر تصدیق کر دی کہ ہاں یہ تیر ضرغام ہی کا ہے۔

خیزران نے یہ سوچ کر کہ کہیں بانو کی بےتابانہ خوشی ان خادموں اور ملازموں کو

قیاس آرائی کا موقع نہ دے، ماران سے کہا۔
"جاؤ" اسے لے جاؤ ذبح کرو، کھاؤ جو چاہو کرو۔!
پھر ان کے چلے جانے کے بعد وہ بانو کی طرف متوجہ ہوئی۔
کتنا عجیب اتفاق ہے۔
بانو خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی بولتی۔
——— اور کتنا مسرت بخش ——— خالہ اچانک مسرت کی خوشی کتنی زیادہ ہوتی ہے یہ آج مجھے معلوم ہوا۔
خیزران:۔ ہاں بیٹی ایسا ہوتا ہے ——— میرا خیال ہے ضرغام یہیں کہیں قریب ہی میں ہے!
بانو:۔ میرا خیال بھی یہی ہے۔
خیزران:۔ یہ بکرا ضرغام کا تیر کھا کر بھاگا اور نہر شناس کے کنارے کنارے بھاگتا ہوا ادھر پہنچا، بے دم ہو کر گر پڑا تم نے بھی بیچارے پر ایک تیر چلایا وہی شامل ہوئی۔
مرے کو ماریں شاہ مدار ———!
یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی بانو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
یہ تو ٹھیک ہے کہ ضرغام اسی طرف کہیں ہے لیکن ذرا سوچو تو کہاں ہو سکتا ہے وہ؟
خیزران نے جواب دیا۔
میرا خیال ہے فرغانہ میں داخل ہونے سے پہلے کسی چشمہ یا نہر کے کنارے وہ خیمہ زن ہے اور ان اطراف میں، نہر شناس ہی ایسا مقام ہو سکتا ہے۔ جہاں پڑاؤ ممکن ہے۔ غالباً وہ نہر شناس کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن ہو گا ——— اس کے سوا کوئی

اور جگہ سمجھ میں آتی نہیں ——— !"

بانو:۔ وہ جگہ یہاں سے بہت دُور ہے ؟

خیزران:۔ بہت دُور تو نہیں کوئی ایک فرسخ کے قریب ہوگی ——— لیکن اس سوال سے تمہارا مطلب ؟

بانو یہ سوال سُنکر کچھ جھینپ سی گئی، خیزران سے لاکھ بے تکلفی ہو لیکن بہر حال وہ اس سے عمر میں بڑی تھی۔ اس نے اسے پالا پوسا اور جوان کیا تھا۔ دل میں جو بات کھٹک رہی تھی، زبان تک نہ لا سکی گردن جھکالی اور کمان کو ٹھیک کرنے میں بظاہر مشغول

خیزران تاڑ گئی بات کیا ہے ؟ اس نے شفقت و محبت سے بریز لہجہ میں کہا۔

"شاید تم اس سے ملنا چاہتی ہو ؟

یہ سوال سُنکر بانو مُسکرا دی اس کے رُخسار دفورِ شرم سے تمتما گئے لیکن خیزران برابر اس کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی، گویا وہ جواب کی منتظر تھی آخر اس نے کہا۔

"کیا تمہارا خیال ہے مجھے وہاں نہ جانا چاہیئے ——— ؟

اس میں کچھ حرج یا خطرہ ہے کسی طرح کا ؟

اس لطیف سوال سے دل ہی دل میں خیزران بہت لطف اندوز ہوئی پھر اس نے بڑے پیار سے کہا۔

"بیٹی بات یہ ہے کہ تمہارا جانا میرے خیال میں مناسب نہیں ———

بانو:۔ یہ کیوں خالہ ؟

خیزران:۔ لوگوں کو معلوم ہوگا تو لوگ چہ مہ گوئیاں کریں گے۔ بات بڑھے گی اس سے اگر تمہاری ملاقات ہو تو بر سبیلِ اتفاق ہی ہونی چاہیئے۔ اور وہ جگہ بھی یہاں سے

نزدیک نہیں وہاں جانا غیر معمولی تکلیف کا سبب نہ ہوگا لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ جہاں اتنا صبر کیا ہے۔ تھوڑا اور صبر کرلو نتیجہ انشاء اللہ اچھا ہی نکلے گا۔

بانو:۔ میں مشقت اور تکلیف سے نہیں گھبراتی اور تکلیف ہوگی بھی کیوں کچھ پیدل جائیں گے نہیں، یہ گھوڑے آخر کس مرض کی دوا ہیں؟ —— جلدی کرو —— چلنے میں دیر ٹھیک نہیں۔

یہ کہہ کر اس نے خادموں کی طرف دیکھا تو کچھ فاصلہ پر وہ بکرا ذبح کرنے اور اسے کھانے پکانے میں لگے ہوئے تھے۔

خیزران نے سمجھ لیا یہ من چلی لڑکی کہنا ماننے والی نہیں ہے اپنی بات پر اڑی رہے گی۔ ضرغام سے ملے بغیر واپس نہیں جائے گی!

آخر اس نے کہا ——

اچھا نہیں مانتی تو چلو لیکن ایسا کرو کہ فیروز سے کہو وہ تمہارے ہمرکاب چلے اور دوسرے خادموں سے کہو کہ وہ خانۂ زداں کو لے کر شہر کے دروازے پر ہمارا انتظار کریں تاکہ انہیں کسی طرح کی چہ مہ گوئی اور قیاس آرائی کا موقع نہ ملے، گویا ہم بظاہر سیر و شکار کو جا رہے ہیں —— کیوں یہ ترکیب ٹھیک ہے؟

بانو:۔ (مسکراتے ہوئے) بالکل ٹھیک ہے۔

خیزران آگے بڑھی اس نے فیروز کو اشارے سے بلایا اور کہا ——

"تو ہمارے ساتھ چل بانو سیر و شکار کے لئے جا رہی ہے —— !

" منہ کیا دیکھتا ہے جلدی سے گھوڑے لے آ بابا —!"

فیروز لپک کر دونوں گھوڑے لایا ایک پر بانو بیٹھ گئی اور دوسرے پر خیزران

اور خود فیروز بانو کی رکاب تھامے ہوئے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اسے کچھ نہیں معلوم تھا یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں یا کیوں جا رہے ہیں اور کب تک واپس آئیں گے ——؟

بانو نے گھوڑے کا رُخ نہر شناس کی طرف پھیر دیا۔ اس کی آنکھیں افق پر گڑی ہوئی تھیں کہ شاید ضرغام نظر آ جائے سورج بھی اب تھک چکا تھا۔ اور مغرب کے گوشہ میں آرام کے لئے جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور بانو پر خود رفتگی کی یہ کیفیت تھی کہ اسے یہ بھی یاد نہیں کہ صبح سے اب تک اس نے کچھ نہیں کھایا ہے! —— اسے صرف ایک ہی دُھن تھی —— ضرغام!

باب-۱۲

بخارا کا تربوز

یہ دونوں سوار (بانو اور خیزران) اپنے راستے چلے جا رہے تھے۔ راستہ کا منظر بڑا دل کش تھا، لہلہاتے ہوئے کھیت ہرے بھرے چمن اور قدرت کے بنائے ہوئے گل بوٹے قدم قدم پر دامن دل اپنی طرف کھینچتے تھے۔ کہیں کسان اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کہیں آئندہ روند چھوٹے چھوٹے قافلے گذر رہے تھے یہ سب دوشیزہ فرغانہ کو اس کے حسن وجمال کو —— اس کے خاندانی —— جاہ ومرتبت کو اچھی طرح جانتے تھے —— جس کی نظر پڑتی تھی جھک کر سلام کرتا تھا۔ جو دیکھتا تھا پہچان لیتا تھا کہ یہ جانے والا کون ہے جس کی نظر خطا کر جاتی وہ بھی اس گھوڑے اور مرجان کو دیکھ کر جان لیتا تھا یہ دوشیزہ فرغانہ بانو کی سواری ہے کسی اور کی سواری نہیں ہو سکتی جو سامنے پڑ جاتا وہ احتراماً کھڑا ہو جاتا اور اس وقت تک کھڑا رہتا جب تک گھوڑا اس سے آگے نہ بڑھ جاتا۔ عام طور پر بانو کی یہ عادت تھی کہ ایسے موقعوں پر مسکرا مسکرا کر سلام کا جواب دیا کرتی تھی۔ لیکن آج وہ اپنے چکّر میں ایسی گرفتار تھی کہ نہ تبسم کی فرصت تھی نہ کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کی، دل میں کچھ خیالات تھے۔ جنہوں نے ہلچل برپا کر رکھی تھی اور وہ

انہی میں اُلجھی ہوئی آگے بڑھی چلی جارہی تھی۔

کچھ دُور آگے جاکر بانو کا گھوڑا زور سے ہنہنایا اس سے بانو عالمِ خیال سے چونک پڑی اس نے اور خیزران نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تو ایک کھیت نظر آیا جہاں خیمے لگے ہوئے تھے۔ ان خیموں کی چھت گیند کی طرح گول تھی۔ نیز کمانوں کے خیمے عام طور پر اسی طرح کے ہُوا کرتے تھے۔ اور خیموں کے سامنے کچھ گھوڑے کھڑے تھے اور دو لڑکے دو گھوڑیوں کا دودھ دھو رہے تھے۔ ترکستان کے اہلِ بادیہ گھوڑیوں کا دودھ اسی طرح بطور غذا استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح عرب کے بدّو، اونٹ کے دودھ کو غذا بنائے ہوئے ہیں۔

بانو نے یہ منظر دیکھا تو راستہ کترا کر گزرنے کا ارادہ کیا تاکہ ان کے اظہارِ عقیدت میں وقت رائیگاں نہ ہو اور وہ اپنی منزل کی طرف بڑھتی رہے لیکن خیزران نے اُسے ٹوکا۔

اور ذرا اس طرف چلیں ان لوگوں سے ذرا پوچھ گچھ کر لیں۔ شاید ان سے ضرغام کا کچھ سُراغ لگ سکے تو ہم خواہ مخواہ نہر کے کنارے تک جانے کی مشقت سے بچ جائیں گے۔

بات بانو کی سمجھ میں آگئی اس نے گھوڑے کی باگ اسی طرف موڑ لی قریب پہنچی تو ایک لڑکے نے دیکھتے ہی بھانپ لیا یہ بانو ہے، فوراً دوڑ دوڑا اپنے باپ کے خیمہ میں گیا اور اسے خبر کی وہ ایک بوڑھا آدمی تھا ڈنڈا ٹیکتا ہوا جلدی جلدی باہر آیا اس نے بانو کو دیکھا تو اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ اُسے گھوڑے سے اُترنے میں مدد دیں۔ بانو نے گھوڑے سے اُترنے سے انکار کر دیا اور بوڑھے کسان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ پھر خیزران کی طرف دیکھا گویا وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

اس سے پوچھو ضرغام کے بارے میں!

خیزران نے کہا

بیٹی ذرا دیر اتر کر یہاں آرام کر لو پھر آگے بڑھیں گے۔؟

بانو انکار نہ کر سکی اتر پڑی اگرچہ اسے خیزران کا یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ فیروز نے گھوڑوں کی باگیں سنبھالیں اور انہیں لے کر دوسری طرف چلا گیا۔

اتنی دیر میں کسان کے لڑکوں نے ایک چٹائی بچھائی اور بوڑھے کسان نے دست بستہ عرض کیا۔

"کیا اس پھٹے پرانے اور حقیر سے خیمہ میں کچھ دیر کے لئے مرزبان کی دختر بلند اختر تشریف فرما ہو سکتی ہیں؟

اس اندازِ کلام سے بانو بہت متاثر ہوئی اور فرش پر بیٹھ گئی۔ خیزران نے اس سے کچھ پوچھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک لڑکا لکڑی کے ایک برتن میں ایک سیال سی چیز لے کر آیا بانو سمجھ گئی یہ گھوڑی کا دودھ ہے، جسے ابھی یہ لوگ دھو رہے تھے اس نے معذرت کر دی۔ مجھے ذرا بھی بھوک نہیں ہے۔

بوڑھے نے اپنے بیٹے سے کہا۔

"جاؤ ہمارے معزز مہمان کے لئے پیالہ بھر کر تومز[1] لے آؤ"،

پھر بانو کی طرف دیکھتے ہوئے وہ عرض گذار ہوا۔

"تومز پینے کے لئے بھوکا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسے پانی کی طرح پیتے ہیں۔ اسے

---

[1] تومز ایک عجیب چیز ہے گھوڑی کے دودھ کو کچھ ایسی ترکیب دیتے ہیں کہ شراب کی طرح اس میں نشہ ہو جاتا ہے۔ لیکن بہت ہلکا پھر اسے مہمانوں کے سامنے اسی طرح پیش کرتے ہیں۔ جیسے عرب ستو اور موجودہ زمانہ کے لوگ لیمن اور چائے۔

اب بانو انکار نہ کر سکی چنانچہ اس نے پیالہ لے لیا۔

خیزران کی بھوک کے مارے نازک حالت ہو رہی تھی۔ اس نے اس چلو بھر فوسز کو غنیمت سمجھا کہ کچھ تسکین ہو۔

اس سے فارغ ہونے کے بعد خیزران نے شیخ (کسان بوڑھے) سے دریافت کیا۔

"ہمارے علاوہ بھی کوئی مہمان آج تمہارے یہاں آیا تھا۔" کہنے لگا۔

"جی نہیں ——— آج کوئی یہاں نہیں آیا۔ اسی لئے تو آپ کو مہمان بنا کر میں اتنا خوش ہوں۔ اور خاص کر اس لئے کہ دختر مرزبان بھی یہاں رونق افروز ہیں۔ میرے لئے اتنا ہی نشاط بخش ہے جتنا ہزار مہمان کا اس غریب خانے سے قدم رنجہ کرانا ——— بلکہ دل نہیں مانتا، کہتا ہے اس سے بھی زیادہ!

خیزران نے پوچھا

کیا جو مسافر بھی گذرتا ہے وہ تمہاری ہی طرف سے گذرتا ہے؟

اس نے جواب دیا۔

جی ہاں ——— اشروسنہ خوکند، یا بخارا سے جو شخص بھی، مشرق کا رخ کرے گا۔ لازمی ہے کہ وہ ادھر سے گذرے۔ کیونکہ نہر شناس سے آگے بڑھنے کے بعد بھی ایک راستہ رہ جاتا ہے۔ ادھر سے گذر کر پھر وہ فرغانہ یا کسی اور طرف کا رخ کرتا ہے۔

بانو:۔ اِدھر سے کس طرح کے لوگ عام طور پر گذرا کرتے ہیں؟

شیخ:۔ تاجروں کے قافلے، جو ہندوستان، تبت اور چین سے بلادِ روم کا قصد کر کے نکلتے ہیں وہ ہماری ہی طرف سے ہو کر گذرتے ہیں!

خیزران نے بانو کی طرف یہ سنکر دیکھا اور اس سے فارسی میں گفتگو شروع کر دی کیونکہ

اس دیار کے کسان، اور عوام جو زبان بولتے تھے۔ وہ شاغو کانیہ زبان تھی۔ یعنی قدیم ترکی، وہ کہنے لگی۔

کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ کچھ دیر ہم یہیں ٹھہریں۔

بانو:۔ لیکن اس میں مصلحت کیا ہے؟ کیا اس طرح وقت نہ ضائع ہو گا؟

خیزران:۔ بالکل نہیں —— لازمی طور پر ضرغام اس طرف سے گذرے گا!

بانو:۔ یہ کیسے معلوم۔!

خیزران:۔ راستہ یہی ہے۔

بانو:۔ مجھے کوئی عذر نہیں سوچ لو۔

خیزران:۔ سوچ لیا ہے بیٹی، بلکہ یہاں سے چل پڑنے میں اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو، ہم سمت بھول جائیں۔ اور کسی طرف نکل جائیں۔ ضرغام ادھر سے گذرے اور بڑھتا چلا جائے۔ ایسا ہوا تو بڑی کوفت ہو گی۔ بانو نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اس کے چہرے کے نقوش سے معلوم ہو رہا تھا۔ کہ وہ اس تجویز پر رضامند ہے۔

خیزران کے پیٹ میں بڑی دیر سے چوہے کلبلا رہے تھے۔

" اب اس آدمی سے کہنا چاہیئے کہ کھانے پینے کو کچھ لائے "

بانو:۔ معلوم ہوتا ہے بھوک بڑے زور سے لگی ہے۔

خیزران:۔ ہاں بیٹی صبح سے ایک کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی —— تم نہ جانے، کیسے ضبط کئے ہوئے ہو؟ تو بولو منگاؤں پھر ——

بانو:۔ میں تو ابھی انکار کر چکی ہوں۔ کیا کہے گا اپنے جی میں؟

خیزران:۔ اسے مجھ پر چھوڑ دو۔

بانو:۔ تو پھر تمہیں اختیار ہے۔
اب خیزران شیخ کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی "کیا یہ گھوڑے تم ذبح کرنے کے لئے نہیں بیچا کرتے؟
شیخ:۔ نہیں ـــــ ہم انہیں دودھ دوھنے کے لئے پالتے ہیں۔ اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ذبح اس وقت کرتے ہیں۔ جب یہ دودھ دینے کے قابل نہ رہیں۔ یا ہمارے لئے زندگی موت کا سوال پیدا ہو جائے۔
خیزران:۔ جب تم گھوڑے کے کسی پٹھے کو ذبح کرنے کے لئے بیچتے ہو تو کیا کرتے ہو؟
شیخ:۔ ہم بکاؤ گھوڑوں کے ریوڑ کا ادھر سے گذرنے کا انتظار کرتے ہیں۔ جب وہ ادھر سے گذرتا ہے۔ جو کچھ چاہتے ہیں خرید لیتے ہیں۔
آج غالباً وہ (اشارہ کرتے ہوئے) ادھر سے آتا ہی ہوگا۔
خیزران نے مڑ کر دیکھا تو کچھ گرد سی اٹھتی نظر آئی۔
اور اُفق میں فضا اسے گرد و غبار سے اٹی ہوئی دکھائی دی۔ وہ شیخ سے گویا ہوئی
"دیکھنا" یہ غبار کیسا نظر آرہا ہے۔ کہیں وہی ریوڑ تو نہیں،
شیخ نے بھی نظر اٹھا کر دیکھا۔ مسکرایا، اور کہا۔
"غالباً وہی ہے"
خیزران نے فرمائش کی۔ اگر وہی ہے تو ایسا کرنا کہ ایک یا دو گھوڑے کے پٹھے ہمارے لئے خرید لینا ہم ذبح کریں گے۔
شیخ نے جواب دیا
"اگر دختر مرزبان کو گھوڑے کا گوشت پسند ہے۔ تو پھر اس ریوڑ سے لے کر نہایت

اچھا موٹا تازہ، چربی دار بچھڑا ابھی ذبح کرتا ہوں!"

بانو غریب کی اس فیاضانہ پیشکش سے بہت متاثر ہوئی — اور مسکرانے لگی۔

شیخ نے اندازہ کر لیا کہ بانو رضامند ہے۔ اس نے فوراً ایک لڑکے سے کہا۔

"جا دوڑ جا — اور اس ریوڑ میں سے ایک موٹا تازہ چربی دار بچھڑا لے آ —!"

یہ سنتے ہی لڑکا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

ادھر شیخ میزبانی کی تیاریوں میں مصروف و منہمک ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی دسترخوان بچھایا۔ اور ایک بڑا تربوز لا کر سامنے رکھ دیا اور کہا۔!

جب تک بچھڑا آئے اور گوشت تیار ہو۔ آپ اس سے شغل کریں —!

اتنا اچھا اور بڑا تربوز دیکھ کر خیزران بہت متعجب ہوئی اس نے کہا۔

"یہ یہاں کی پیداوار تو نہیں ہے، کہاں سے آیا؟"

وہ بولا۔

"یہ بخارا کا تربوز ہے" — یہاں ایسی چیزیں کہاں مل سکتی ہیں۔ بڑا میٹھا ہوتا ہے۔ اور اتنا لذیذ کہ کیا کہوں۔

خیزران:۔ لیکن آیا کیسے تمہارے پاس؟

شیخ:۔ (زیرِ لب تبسم کیساتھ) بخارا کا ایک نوجوان میری ایک لڑکی سے محبت کرتا ہے۔ اور اس سے شادی کرنے کا متمنی ہے۔ وہ بہت سے تحفے اور ہدیئے لیکر آیا ہے۔ انہی میں یہ بھی ہے!

محبت کا نام سنکر بانو بے چین ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"تمہارا یہ تربوز ہم نہیں کھائیں گے۔ یہ اس کو دو جس کے لئے آیا ہے —!"

یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگی۔

باب - ۱۳

افسینِ چیدہ، سپہ سالارِ اعلیٰ

شیخ، بالو کو کچھ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ اس کا لڑکا دوڑتا ہوا آیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا، اس نے کہا۔

"ریوڑ کے لوگ کوئی گھوڑا بھی فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں!"

اتنے میں بالو نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ غبار چھٹ چکا تھا۔ بہت گھوڑے تھے، کچھ سوار تھے، پیادے تھے، آگے آگے ایک شخص، ایک سبز رنگ گھوڑے پر سوار چلا آرہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے دس گھوڑے تھے جن پر زین کسی ہوئی نہیں تھی، ان میں سے بعض پر کچھ لوگ سوار تھے۔ جو صورت سے اجڈ قسم کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ ان کا کام ہی یہ تھا کہ گھوڑوں کو پالیں پوسیں اور اس قابل کریں کہ ان کے دام اچھے لگ سکیں۔ آگے آگے جو سوار آرہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا۔ جس پر ایک پرچم لہرا رہا تھا۔ سوار کا لباس فوجیوں کا سا تھا۔ نیزے پر جو پرچم لہرا رہا تھا اس پر جو نام کڑھا ہوا تھا اسے بالو نہ پڑھ سکی، پڑھ لیتی تو کانپ جاتی۔

شیخ جلدی سے آگے بڑھا، اس نے سوار کو روکا اور کہا۔

"کیا ان گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا بھی آپ نہیں بیچ سکتے ؟"

سوار نے غصہ کی نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھا اور ترشی کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں — !"

شیخ :- "مجھے ایک گھوڑا ذبح کرنا ہے۔ آپ جو قیمت مانگیں گے میں دے دوں گا۔ انکار نہ کیجئے بات مان لیجئے — !"

سوار نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور خاموش ہو رہا۔

شیخ :- "آخر آپ کو فروخت کر دینے میں تامل کیا ہے ؟"

سوار :- "اس لئے کہ گھوڑوں کا ریوڑ جن لوگوں کے لئے خریدا گیا ہے — وہ اس کا کاروبار نہیں کرتے۔"

شیخ :- "وہ کون لوگ ہیں ؟ کیا وہ تاجر نہیں ہیں ؟"

سوار :- "نہیں —— (پرچم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) شاید تم بالکل جاہل ہو، اگر ذرا بھی پڑھے ہوتے تو نام پڑھ لیتے اور خود ہی سمجھ جاتے پھر سوال جواب کی ضرورت ہی نہ رہتی۔"

بانو اگرچہ ذرا دور کھڑی تھی۔ لیکن یہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر اب جو پرچم کی طرف دیکھا تو اس پہ لکھا ہوا تھا:

"افشین حیدر بن کاوس"

یہ نام عربی حروف میں لکھا ہوا تھا، اسے پڑھ کر اس کا رنگ رخ بدل گیا، پھر اس نے خیزران کو دیکھا وہ بھی پڑھ چکی تھی اور کافی سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ لیکن شیخ اب تک لاعلم تھا اس نے زور سے کہا۔

"آپ سچ کہتے ہیں، میں واقعی جاہل ہوں۔ آپ ہی بتا دیجئے، کس کا نام لکھا ہوا ہے پرچم پر؟"

یہ افشین حیدر بن کاؤس کا پرچم ہے۔ جو اشروسنہ کے فرمانروا اور خلیفۃ المسلمین امیر المومنین خلیفہ معتصم باللہ کی فوج ظفر موج کے سپہ سالار اعلیٰ ہیں۔

ترکستان میں بھلا کون ایسا شخص ہوگا جو افشین کے نام سے واقف نہ ہو کیونکہ واقعی وہ اشروسنہ کا فرمانروا تھا۔

اور اب مزید اعزاز اُسے یہ حاصل ہوا تھا کہ وہ خلیفہ کی فوج کا سپہ سالارِ اعلیٰ بھی بن گیا تھا۔

شیخ نے کہا۔

"ہاں بھلا انہیں کون نہیں جانتا۔ کیا آج کل وہ بغداد ہی میں ہیں؟"

سوار:۔ وہ بغداد میں تھے لیکن کچھ دن ہوئے اشروسنہ آ گئے تھے۔ ہمیں انہوں نے اس لئے بھیجا تھا کہ ہم ان کے سواروں کے لئے اچھے اچھے گھوڑے خرید لائیں۔"

شیخ:۔ "اب آپ یہ ریوڑ لے کر اشروسنہ جا رہے ہیں؟"

سوار:۔ "وہ اب تک اشروسنہ میں تھے۔ اب فرغانہ جا رہے ہیں۔ عید نوروز وہیں منائیں گے۔ ان کے آدمی نہر شناس کے کنارے خیمہ زن ہیں اور یہ گھوڑے انہیں کے لئے خریدے گئے ہیں ـــ بس یا کچھ اور بھی پوچھو گے؟"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گیا۔

شیخ اب کوئی بات نہ کر سکا۔ حسرت سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس بارے میں بانو سے بہت شرمسار تھا کہ اب اس سے کیا کہے گا جا کر، کیونکہ ضیافت کا سرو سامان نہ کر سکا۔

وہ دل ہی دل میں معذرت کے الفاظ سوچ رہا تھا کہ اس نے دیکھا، بانو نے اپنے خادم کو حکم دیا ہے کہ اس کے گھوڑے کس کر لے آئے، پھر وہ جلدی سے شیخ کے پاس آئی اور اس طرح گویا ہوئی جیسے شیخ کی ناکامی کا کوئی علم نہیں ہے، کہنے لگی:

"بڑے میاں میں آپ کی بہت ممنون ہوں۔ آپ نے جس شوق اور محبت سے ہماری مہمان نوازی کا سامان کیا۔ اسے ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے لیکن ایک کام ایسا در پیش آگیا ہے کہ ہمیں فوراً واپس جانا چاہیئے۔ خدا نے چاہا تو پھر کسی دن آکر آپ کو میزبانی کی زحمت دوں گی!"

شیخ ان باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ وہ آگے بڑھا اور بانو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے از راہ احترام چومنا چاہا لیکن اس نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا اور خیزران کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ اس نے کچھ روپے اسے دیئے اور کہا

"یہ ہماری طرف سے بچوں کو دے دینا۔ وہ تیر کمان خرید کر اس سے کھیلا کرینگے۔"

بوڑھے نے مشکور نگاہوں سے بانو کو دیکھا اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ بانو نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے سلام کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گئی۔

اس وقت بانو بہت مشتعل اور برہم نظر آ رہی تھی۔ خیزران نے اس کی یہ کیفیت دیکھی مگر کچھ کہہ نہ سکی۔ لیکن یہ مشکل خود بانو نے آسان کر دی۔ اس نے کہا۔

"اب کیا کہتی ہو؟ —— آخر افشین آگیا نا؟"

خیزران:۔ "ہاں بیٹی آگیا —— کمبخت!"

بانو:۔ "ظاہر ہے وہ ہمارے ہاں ٹھہرے گا۔"

خیزران:۔ "ہاں جب بلایا ہوا آیا ہے تو اور کہاں ٹھہرے گا۔"

بانو:۔ "وہ مجھ سے بھی ملاقات کی کوشش کرے گا۔"

خیزران:۔ "کون روک سکتا ہے اُسے۔"

بانو:۔ "لیکن میں اس سے نفرت کرتی ہوں، ذلیل سمجھتی ہوں اسے میری نگاہ میں وہ دو کوڑی کا آدمی ہے۔"

خیزران:۔ "یوں ہی رسمی طور پہ مل لینا۔"

بانو:۔ "میں اپنی طبیعت اور عادت کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتی۔"

خیزران:۔ "لیکن اگر خود سے کوئی ملے، تو صرف مل لینے میں کیا حرج ہے؟"

بانو:۔ "میری نظر میں ہے، میں جس آدمی سے نفرت کرتی ہوں، پھر اس سے ظاہرداری کے طور پر بھی نہیں مل سکتی۔ کیا کروں مجھے دکھاوا آتا ہی نہیں۔"

خیزران:۔ "یہ تو ٹھیک ہے بیٹی ——"

بانو:۔ "میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ نہ میں اس کی ملاقات کی متمنی ہوں نہ نجات کی۔ نہ میں اس سے خائف ہوں نہ مرعوب مجھے جو چیز پریشان کر رہی ہے وہ صرف یہ کہ میں اس سے ملنا جلنا اور اس کے ساتھ رہنا سہنا نہیں چاہتی۔ اور محل میں رہ کر والد کی خاطر سے یہ سب کچھ مجھے کرنا پڑیگا۔"

خیزران نے بانو کی کیفیت قلبی بھانپ لی۔ اور اس کی توجہ ہٹانے کے لیے اس نے کہا: "میں جانتی ہوں، میری بچی کسی سے نہیں ڈرتی اور وہ ڈرے بھی کیوں کسی سے —— لیکن نہر شناس کی طرف چلنے کے پروگرام کا کیا ہوا؟ آؤ چلیں شاید ضرغام سے مڈبھیڑ ہو جائے۔"

بانو مسکرانے لگی۔ اس کا غصہ اتر گیا۔ بے لطفی کم ہو گئی۔ افشین کے پرچم اور ذکر

نے جو تکدر پیدا کر دیا تھا، وہ بڑی حد تک رفع ہو گیا۔ کہنے لگی۔

"لیکن اب وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

خیزران:۔ "شاید ملاقات ہو جائے۔"

بانو:۔ "اور اگر نہ ہوئی"

خیزران:۔ "تو واپس آجائیں گے۔"

بانو:۔ "کیا تمہیں امید ہے کہ ملاقات ہو جائیگی؟"

خیزران:۔ دنیا امید پر قائم — اس لئے تو کہہ رہی ہوں۔"

بانو:۔ "اچھا تو چلو۔"

خیزران:۔ "فکر مت کرو۔ پریشان مت ہو، خدا پر بھروسہ رکھو، جس نے تمہارے دل میں ضرغام کی محبت ڈال دی ہے۔ جس نے ضرغام کو تمہارا پرستار بنایا ہے وہ ضرور کوئی ایسی تدبیر کرے گا کہ راستہ کی مشکلات دور ہوں۔"

بانو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ضرغام کے ذکر نے اس کے قلب میں پھر ایک بجلی سی پیدا کر دی۔ اس نے گھوڑے کا رُخ ہنرشناس کی طرف کر دیا۔ اور وہ اٹھکیلیاں کرتا ہوا، اس جانب چل پڑا۔

No.........
... Girls School

LIBRARY
No.................
...mia Muslim Girls School

باب ۱۴

وہ نہیں ملا!

گھوڑے ـــــ منزل ـــ بہرشناس ــــــ کی طرف بڑھ رہے تھے اور یہ دونوں اپنے خیالات میں گم تھیں۔ خیزران سوچ رہی تھی یہ محبت بھی کیا بلا ہوتی ہے ؟ کیسے کیسے مقامات پر اپنا نشیمن بنا لیتی ہے پھر اس الہڑ لڑکی ـــــ بانو ـــ کو محبت سے کیا سروکار ؟ مہربان باپ کی شفقت، رہنے کے لئے اتنا بڑا گھر جسے بجا طور پر قصر کہا جا سکتا ہے، خرچ کرنے کے لئے دولتِ بے حساب، لیکن محبت کر بیٹھی اور وہ بھی کس سے ؟ ایک فقیر بے نوا سے' ہاں اور کیا، ضرغام بانو کے مقابلہ میں فقیر نہیں تو اور کیا ہے ؟ اور محبت بھی کیسی کہ اپنے محبوب کے لئے' باپ دادا کا دین چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے کو تیار ہے۔ ذرا اس لونڈیا کا دیدہ تو دیکھو' آپ تبلیغِ اسلام فرما رہی تھیں' وہ بھی کس سے ـــ مجھ سے۔'

یہ سوچتے سوچتے، خیزران خود بخود مسکرا دی۔

اور بانو اپنی فکر میں مگن تھی' وہ سوچ رہی تھی۔

خدا جانے ضرغام سے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں ؟

اسے گئے ہوئے، کچھ زیادہ مدت نہیں گزری۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے صدیاں بیت گئیں، جیسے عمر گزر گئی۔

خدا کرے اس سے ملاقات ہو جائے، میں اس کی داستانِ سحر سنوں وہ میری داستانِ فراق سنے، کبھی باتیں کرتے کرتے ہم ہنس دیں، کبھی ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جائے وہ مجھے تسلی دے، میں اسے دلاسا دوں، وہ میرا بن جائے، میں اس کی بن جاؤں۔

ذرا بی خیزران کو تو دیکھو مجھے لالچ دے رہی تھیں کہ ملوک و سلاطین میری نگاہِ التفات کے منتظر ہیں۔ ٹھوکر پر مارتی ہوں ایسے بادشاہ کو، بھلا ان میں سے کوئی میرے ضرغام کا مقابلہ کر سکتا ہے وہ بادشاہ سلامت آئینہ لے کر اپنا روئے زیبا تو دیکھیں۔ ایک بادشاہ سلامت حضرت افشین حیدر بن کاوس فرمانروائے اشروسنہ سپہ سالارِ اعلیٰ افواجِ خلیفۃ المسلمین فرغانہ تشریف تو لا رہے ہیں۔

پھٹا سا منہ!

بھلا یہ میرے ضرغام کا مقابلہ کریں گے؟ —— چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!"

اور ہاں خیزران ایک بات اور بھی کہہ رہی تھی۔

وہ مسلمان ہے اور ابا جان اسے گوارا نہیں کرتے کہ ان کی لڑکی ایک مسلمان کی بیوی بنے —— چہ خوب!

پہلے یہ لڑائی کہ ضرغام غریب ہے۔ مجہول النسب ہے۔ اس لئے ابا جان اسے اپنا داماد نہیں بنا سکتے۔

جب دیکھا یہ بات چلنے والی نہیں، اس کی شرافت کا دشمن بھی کلمہ پڑھتے ہیں۔ تو یہ دور کی کوڑی لایئں کہ وہ مسلمان ہے اس لئے شادی نہیں ہو سکتی۔

میں نے صاف صاف کہہ ہی دیا میں اسلام قبول کر لوں گی۔ لیکن ضرغام کو نہیں چھوڑوں گی! اور یہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔

اسلام کے اصولوں کا اور مجوسیت کے اصولوں کا مقابلہ کرتی ہوں۔ تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

اسلام میں ہر بات عقل کے مطابق ہے۔ کوئی موبد نہیں، کوئی آتش کدہ نہیں کوئی ادنچ نیچ نہیں، کوئی ایسی بات نہیں جو طبع سلیم پر گراں گذرتی ہو۔ اس کے برعکس مجوسیوں کے ہاں جب تک موبد صاحب اجازت نہ دیں کوئی مذہبی تقریب نہیں انجام پا سکتی۔ گویا ایک خدا تو وہ ہے جو آسمان پر ہے اور ایک موبد صاحب۔ مجھے تو مجوسیت کے مقابلہ میں اسلام کہیں بہتر اور برتر مذہب نظر آتا ہے۔

دیکھنا چاہیئے ضرغام سے ملاقات بھی ہوتی ہے یا نہیں ؟

نہ ہوئی تو بڑی کوفت ہو گی ——!

اب تک نہ تو بھوک معلوم ہو رہی ہے نہ پیاس، نہ تھکن کا احساس ہے نہ طویل مسافت کا، لیکن اگر وہ نہ ملا تو دل بیٹھ جائے گا۔

یکایک اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو نہر کا لہریں مارتا ہوا پانی نظر آیا۔ وہ گویا نہر شناس کے کنارے پہنچ چکی تھی۔ لیکن یہاں نہ اسے کوئی خیمہ نظر آیا، نہ سوار، نہ گھوڑے نہ بار برداری کے جانور۔

بانو نے گھوڑا روک لیا اور خیزران سے کہا۔

"کیا یہاں نہیں کوئی نظر آرہا ہے ؟"

خیزران نے جواب دیا۔

"نہیں میری بچی !"

بانو :۔ "پھر اب کیا ہوگا ؟"

خیزران :۔ "ذرا اور آگے بڑھی چلو، ممکن ہے وہاں کوئی اثر یا نشان ایسا نظر آئے جس سے ضرغام کا سراغ لگ سکے ۔۔۔ بس چند قدم۔!"

تھوڑی دور چلنے کے بعد ان دونوں نے نہر کے کنارے درخت کے نیچے ایک سرائے دیکھی، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کچھ لوگ یہاں خیمہ زن تھے جو ابھی ابھی گئے ہیں۔ آگ اب تک جل رہی تھی۔ کچھ بچا کھچا کھانا بھی پڑا تھا۔ کچھ روٹیاں، کچھ ہڈیاں کچھ چھل سرائے کا مالک، انہیں دیکھ کر باہر نکل آیا، بڑی گرمجوشی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ اس کا خیال تھا شاید یہ دونوں بھی مسافر ہیں اور یہاں قیام کریں گے۔

خیزران نے فیروز سے کہا۔

"اس آدمی سے پوچھو یہاں لوگ ٹھہرے تھے، جو ابھی ابھی گئے ہیں ؟"

فیروز آگے بڑھا اور اس نے سرائے کے مالک سے پوچھا۔

"بھائی یہ تو بتاؤ یہاں کون لوگ ٹھہرے تھے، جو ابھی ابھی گئے ہیں۔ اور جن کے یہ نشانات ہیں ؟"

سرائے کے مالک نے کہا۔ "مسلمان فوج کے کچھ سپاہی تھے جو صبح ہوتے ہوتے نہر عبور کر کے یہاں آئے تھے اور دوپہر تک ٹھہرے، پھر کھانا کھایا اور چلتے ہوئے۔!"

فیروز :۔ "کچھ جانتے ہو کس طرف گئے ؟"

سرائے کا مالک :

" میرا خیال ہے وہ لوگ فرغانہ کی طرف گئے ہیں۔ شاید وہاں عید منانا چاہتے ہوں گے ؟ "

بانو نے جب یہ بات سُنی تو اسے اپنی جلد بازی پر بڑا افسوس ہوا ۔ !

وہ سوچنے لگی یقیناً یہ لوگ، ضرغام اور اس کے ساتھی تھے، " کاش میں یہاں نہ آتی ۔۔۔ ! "

ضرغام سیدھا فرغانہ پہنچے گا اور تیر کی طرح میری تلاش میں میرے گھر آئے گا مگر میں وہاں اسے موجود نہ ملوں گی ۔

اگر میں اِدھر آنے کی بجائے سیدھی واپس چلی گئی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا ۔

پھر وہ خیزران سے مخاطب ہوئی ۔

" خالہ اب جلدی چلو شام ہو رہی ہے ۔ اور ابھی کافی فاصلہ ہمیں طے کرنا ہے ۔ میں چاہتی ہوں، سورج ڈوبنے سے پہلے ہم شہر میں داخل ہو جائیں "

گھوڑے تیزی سے روانہ ہوئے ۔ اور وہاں پہنچ گئے، جہاں بانو کا خاندان اور عملہ اس کا انتظار کر رہا تھا ۔ یہاں کے باشندے بھی اس کی واپسی کے منتظر تھے، انہوں نے شاندار پیمانہ پر اس کی دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا ۔ جتنی جتنی دیر ہو رہی تھی، وہ پریشان اور اداس ہو رہے تھے ۔ کچھ لوگ تو وفورِ اضطراب میں اسے تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے ۔۔۔ کہ آخر شکار کرنے میں اتنی دیر کہاں لگی ؟

بارے خدا خدا کر کے وہ آتی نظر آئی ۔

ان لوگوں نے پُرجوش اور پُرتپاک طور پر اس کا خیر مقدم کیا اور عرض کیا

"کھانا تیار ہے !"

بانو اس وقت کھانا کھانے کے موڈ میں نہ تھی۔ لیکن خیزران نے اصرار کیا
"دو لقمے کھالو، زیادہ نہیں، ان لوگوں کا دل رہ جائے گا ورنہ بڑا صدمہ ہوگا!"
بانو نے خیزران کی بات مان لی، فوراً ہی دسترخوان چُنا گیا، وہ بیٹھ گئی، طرح طرح کے پُرتکلف کھانے اس کے سامنے چُن دیئے گئے۔

خیزران نے تو خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ لیکن بانو یونہی ٹونگتی رہی، مشکل سے دو چار لقمے گوشت کے کھائے ہوں گے، ذرا سا نوقوموز پانی پی لیا، بس ——
کیونکہ وہ جلدی میں تھی، اور جلد از جلد رخصت ہو کر گھر پہنچ جانا چاہتی تھی تاکہ اگر ضرغام آیا ہو تو اس سے مل لو۔

ابھی وہ دسترخوان ہی پر تھی کہ اس نے دیکھا ایک خادم، خیزران سے کچھ سرگوشیاں کر رہا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ باتیں سُن کر خیزران کا رنگ متغیر کیوں ہو گیا۔ اسکا دل دھڑکنے لگا۔ اسے خیال ہوا ضرور کوئی خاص بات ہے۔ ورنہ خیزران پریشان ہونے والی عورت نہیں۔ اس نے خیزران کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور کچھ تامّل کرتی ہوئی بولی۔

"کوئی بات نہیں —— یہ سامان کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔"
بانو: "کیا سامان یہاں آیا ہے؟ اگر آیا ہے تو کہاں ہے؟"
خیزران: "لوگ کہتے ہیں۔ وہ آیا —— تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کی، اور واپس چلا گیا۔"
بانو: "اس قدر جلد واپس جانے کی کیا ضرورت؟ —— کچھ کہہ رہا تھا؟"

خیزران :۔ "نہیں ـــــ کچھ تو کچھ نہیں رہا تھا؟"

یہ کہہ کر وہ اپنا ناتمام لقمہ چبانے میں مصروف ہو گئی۔

پھر بالو نے خادم کی طرف دیکھا ـــــ وہ خاموش رہا تو بولی۔

"مجھے اندیشہ ہے، سامان، ابا جان کی علالت کے بارے میں تو کوئی خبر لے کر نہیں آیا تھا؟ جب میں چلی تھی تو اُن کا مزاج ناساز تھا۔"

خیزران کو بالو کی اس سرعتِ فہم پر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ اسے ذہین سمجھتی تھی لیکن نہ اتنا کہ اڑتی چڑیا پہچان جائے گی۔ وہ چال بدلتی ہوئی بولی۔

"وہ ارمزد^{صـا} کے فضل وکرم سے اچھے ہیں۔ لیکن تم سے ملنا چاہتے ہیں!"

یہ سنتے ہی بالو مضطربانہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے کہا۔

"ابا جان ہرگز کسی کو مجھے بلانے کے لئے نہ بھیجتے۔ اگر ان کا مزاج ناساز نہ ہوتا، خدا خیریت کرے، چلو جلدی کرو!"

یہ سنتے ہی خیزران بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ خادم دوڑا دوڑا گیا، اور اس نے خانۂ رواں تیار کر کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ وہ جلدی سے اُس پر بیٹھی اور عالمِ خیال میں مستغرق روانہ ہو گئی ـــــ!

صـا: مجوس کا خدائے خیر (مجوس کے دو خدا تھے، ایک خدائے خیر، ایک خدائے شر)

باب-۱۵

یہ تھا مرزبان

رات شروع ہو چکی تھی، جب بانو مرزبان میں داخل ہوئی۔

آج بھی حسبِ معمول جیسا کہ ہر عید نوروز کے موقع پہ ہوا کرتا تھا۔ مشعلیں روشن تھیں لوگ ڈھول، تاشے، طبل اور طنبورے لئے ہوئے جمع تھے۔ گاڑیوں پہ، چھکڑوں پر، گدھوں پر لوگ تحفوں اور ہدیوں کے ڈھیر لئے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ اور خادم انہیں اتارنے اور ٹھکانے سے رکھنے میں مصروف و منہمک تھے، لیکن سب کے چہرے افسردہ تھے، وہ نشاط و طرب کے آثار جو ہمیشہ ان کے چہروں پر نظر آتے تھے۔ آج ناپید تھے۔

کیوں ـــــ ؟

اس لئے کہ مرزبان کی علالت نے نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ لوگوں کا جم غفیر جمع تھا۔ لیکن پریشان اور افسردہ نظر آ رہے تھے، خانہ باغ کے گوشوں میں لوگ جمع تھے۔ لیکن دو۔ دو، چار، چار کی ٹولیاں، کہیں اکا دکا لیکن یاس و الم کی کیفیت سب پر طاری تھی۔

یہ منظر دیکھ کر بانو کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔

وہ جلدی جلدی گاڑی سے اتری۔ اسے دیکھتے ہی لوگ چھٹ گئے جیسے کائی پھٹ جاتی ہے۔ لوگوں کی نظر میں اس کی بڑی وقعت و حرمت تھی۔ اسے آتا دیکھ کر سب لوگوں نے اپنا کام بند کر دیا۔ اسے مرحبا کہا۔ اس کے لئے دعا کی، اسکی حالت پوچھی اور اسکے آجانے پر اطمینان کا اظہار کیا، یہ لوگ بالو کو اتنا مانتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ اس بابرکت لڑکی کے آتے ہی پریشانیوں کے بادل چھٹ جائیں گے، راحت و سلامتی کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔ اور مرزبان چنگاں ہو کر بستر علالت سے اٹھ بیٹھے گا۔

بالو ان لوگوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی ان کا سلام قبول کرتی ہوئی اور انہیں سلام کرتی آگے بڑھی۔ پہلے وہ مسکراتی ہوئی ان کے درمیان سے گذرا کرتی تھی۔ لیکن آج اس تبسم کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ لوگ سمجھ گئے، یہ افسردگی، باپ کی علالت کی وجہ سے ہے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی، لوگ اس کے لئے راستہ وسیع اور کشادہ کرتے جاتے، وہ جلال و تمکنت کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے سے گذرتی ہوئی زینہ پر پہنچی اور سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اپنے قصر میں داخل ہوئی۔

باپ کی علالت کے سوا اسے ایک فکر یہ تھی کہ کہیں افشین سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے یہ امید بھی تھی ضرغام ضرور ہو گا۔ لیکن اندر پہنچ کر دیکھا تو نہ افشین تھا نہ ضرغام قصر کے لوگ اسکے انتظار میں پریشان ہو رہے تھے، وہ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکے، ان لوگوں میں اسے اپنا بھائی سامان نظر نہ آیا۔ اس نے خیال کیا شاید وہ مرزبان کے کمرے میں اسکی تیمارداری کر رہا ہو گا۔ لیکن وہاں بھی دکھائی نہ دیا۔ اس نے قصر کے داروغہ سے پوچھا

"ابا جان کا مزاج اب کیسا ہے؟"

وہ بولا۔

"اہرمزد کا شکر ہے، اچھے ہیں، خدا انہیں اچھا رکھے!"

اس جواب سے اس کے دل نے ڈھارس محسوس کی، وہ سیدھی اپنے باپ کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اسے دیکھتے ہی تمام باندیاں اور خواجہ سرا اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

بانو کو دیکھ کر، بیمار مرزبان کی جان میں جان آئی۔

بیٹی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، چہرے پر رونق آ گئی اور وہ مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

مرزبان کی عمر تو ٥٠ سال سے زیادہ نہیں تھی، لیکن صحت کی خرابی کے سبب ستّر برس کا بوڑھا معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے تمام بال سفید ہو گئے تھے، آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں، اور کمزوری و ضعیفی کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ بے انتہا دبلا اور نحیف ہو گیا تھا۔

وہ ایک آبنوس کی بنی ہوئی مسہری پر دراز تھا، بدن پر دیباج کی ایک مزرکش چادر تھی، اسکے سرہانے بت رکھا تھا، اسے دیکھ کر حسبِ عادت وہ تعظیم کے لئے جھکی، جیسا کہ مجوسیوں میں عام طور پر رواج ہے، پھر وہ باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چومنے لگی۔ باپ کی تسکینِ قلب کیلئے اس نے مسکرانے کی کوشش کی، لیکن آنکھوں کا غم بتا رہا تھا کہ یہ تبسم مصنوعی ہے۔ وہ باپ کی علالت کے غم سے مضمحل اور افسردہ ہے

مرزبان نے بیٹی کو دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی، لیکن آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے بیتابی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے، وہ سمجھ گئی کہ مرزبان اسے پیار کرنا چاہتا ہے، اس نے اپنے آپ کو اس کے سینہ پر ڈال دیا۔ مرزبان نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر پیار کیا۔ بانو دل میں طرح طرح کے وسوسے باپ کی

صحت کے بارے میں لے کر آئی تھی۔ بلکہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ کہیں اس کا انتقال نہ ہو گیا ہو۔ اسے زندہ پا کر وہ بہت خوش ہوئی۔

بانو کو پیار کرنے کے بعد، مرزبان نے بیٹھنے کی کوشش کی۔ بانو نے فوراً تکیے اس کی پیٹھ سے لگا دیئے اور سہارا دے کر اسے بٹھا دیا۔ مرزبان نے اشارہ سے کہا

"تم میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ ——!"

وہ بیٹھ گئی —— اور کہنے لگی۔

"ابّا جان اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟"

مرزبان نے بڑی کمزور آواز میں جواب دیا۔

"ارمزد کا شکر ہے زندہ ہوں ابھی تک، میں تو ڈر رہا تھا کہیں اہرمن[صدا] میرے اوپر غالب نہ آ جائے۔"

بانو:۔ آپ اچھے ہیں اور ارمزد نے چاہا تو بہت جلد بالکل تندرست ہو جائیں گے"

مرزبان:۔ "بیٹی میں اپنی حالت جانتا ہوں۔ مجھے تسلی دینے کی کوشش نہ کرو۔"

بانو:۔ "ایسی باتیں نہ کیجئے۔"

مرزبان:۔ "لیکن تم میری مدت جان میں اضافہ کر سکتی ہو۔"

بانو:۔ "فرمایئے آپ کو صحت مند دیکھنے کے لئے میں سب کچھ کر سکتی ہوں حتیٰ کہ جان بھی دے سکتی ہوں۔"

مرزبان:۔ "بس یہی کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت میرے پاس صرف کرو میرے پاس

صدا: خدائے شر — بیماری۔ ہلاکت۔ موت سب بری باتیں اس کے اختیار میں تھیں۔

سے نہ ہٹو، تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو روح تازگی اور فرحت محسوس کرتی ہے۔ اس دنیا میں ایک تو ہے، جسے میں دیوانہ وار چاہتا ہوں۔"

بانو کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

"میں ہر وقت آپ کے پاس رہا کروں گی۔"

مرزبان کی آنکھوں سے بھی کچھ آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے۔ لیکن اس نے انہیں جلدی سے پونچھ لیا۔ کہ کہیں بانو نہ دیکھ لے۔ تو اسے اور صدمہ ہوگا۔

مرزبان:۔ "تم پریشان نہ ہو، میں اب اپنے اندر توانائی محسوس کر رہا ہوں۔"

بانو:۔ (بت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں اس صنم سے دعا کرتی ہوں کہ وہ آپ کو صحت عطا کرے آپکا مرض دور کرے، میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میری یہ آواز یہ سن رہا ہے"

مرزبان:۔ "ہاں بیٹی تو سچ کہتی ہے۔"

بانو:۔ "سامان کہاں ہے؟"

مرزبان:۔ "میں نے اسے بھیجا ہے کہ جا کر موبد کو لے آئے۔"

بانو:۔ "موبد صاحب کی اس وقت کیا ضرورت تھی ابا جان؟"

مرزبان:۔ "میں، تم، سامان سب اس کے ساتھ مل کر عبادت کریں گے، وہ بزرگ ہے آتش کدہ کا سربراہ، خدا اس کی سنتا ہے۔ خلقت اسے مانتی ہے۔"!

بانو:۔ "کیا وہ اس وقت رات کو تشریف لائیں گے؟"

مرزبان:۔ "سامان کو کیا ہوا؟"

بانو:۔ "کافی رات آگئی، لیکن نہ اب تک سامان آیا نہ وہ آئے۔"

مرزبان:۔ "سلمان —— نہ جانے کیوں جا کر بیٹھ رہا —— خیر اس وقت

نہیں تو کل سہی!"

بانو نے محسوس کر لیا — مرزبان — ساسان کی عادت بد سے کتنا ملول و افسردہ ہے!

بانو سر جھکا کر خاموش بیٹھ گئی۔ اس نے اب تک اپنے کپڑے نہیں بدلے تھے۔ یہ شکاری لباس میں تھی۔ جب کافی دیر ہو گئی اور ساسان نہیں آیا تو مرزبان نے کہا۔

"میری بچی تو کب تک بیٹھی رہے گی۔ اب تک تو نے کپڑے بھی نہیں بدلے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا — جا کر آرام کر۔!"

بانو نے کہا۔

"چلی جاؤں گی ابا جان، ایسی جلدی کیا ہے۔"

مرزبان نے کہا۔

"بیٹی مجھے خود نیند آ رہی ہے، تو بھی جا کر آرام کر۔"

بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابا جان کوئی کام ہو تو بتا دیں۔"

مرزبان نے کہا۔

"نہیں کوئی کام نہیں ہے بیٹی — جاؤ، آرام کرو — ہاں صبح جب موبد آئے تو آ جانا — اس وقت تمہیں ایک نئی بات معلوم ہوگی۔"

باب - ۱۶

سامان

بانو کا جی چاہا کہ باپ سے پوچھے
"وہ نئی بات کیا ہے ؟"

پھر اس کی علالت اور کمزوری کا خیال کر کے خاموش ہوگئی۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ خادم آیا اور اس نے مرزبان سے کہا
"صاحبزادے سامان — دروازے پہ کھڑے ہیں !"

یہ سن کر مرزبان نے منہ بنایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سامان کا نام سن کر اسے ناگواری ہوئی ہے۔ پھر بڑی بے رخی کے ساتھ کہا۔
"آنے دو۔"

ذرا دیر میں سامان اندر داخل ہوا۔

سامان اور بانو میں کوئی مناسبت ہی نہیں تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر کوئی باور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ سگے بھائی بہن ہیں، کہاں سامان، بانو جو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتی تھی کہاں سامان جو اتنا کم رو، بدصورت اور بدکردار تھا کہ اسے انسان کہنے کو جی نہیں چاہتا

تھا۔ پھر عادات بد الگ!

بات بھی یہی تھی! —— یہ دونوں سگے بھائی بہن نہیں تھے۔

ایران میں مرزبان نے ایک سندھی عورت سے شادی کی تھی۔ اس کے بطن سے سامان پیدا ہوا۔ ابھی یہ آٹھ سال کا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے ایک خوبصورت اور گل اندام ترک (چرکس) عورت سے شادی کی۔ اسکے پیٹ سے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ ایک بانو، ایک اس کا بھائی، لیکن یہ دونوں ابھی شیرخوار ہی تھے کہ ترک خاتون بھی انتقال کرگئی۔ اس کے بعد مرزبان نے کوئی شادی نہیں کی۔ اس لئے کہ ترک بیوی کو بہت چاہتا تھا۔ اور اس محبت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ بانو اور اس کے بھائی کو بھی بہت چاہنے لگا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر دوسری شادی کرلی تو ان بچوں کی مٹی پلید ہو جائے گی۔

مشکل سے ان دونوں کی عمر تین سال کی ہوگی کہ بانو کا ننھا سا بھائی، غائب ہوگیا

اس زمانے میں چوروں اور لٹیروں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا۔ یہ گھوڑوں کی اس طرح تربیت کرتے کہ بچوں کو اٹھالیں۔ یہ گروہ ان گھوڑوں کے منہ سے بچوں کو چھڑالیتا تھا اور پھر انہیں پال پوس کر فروخت کردیتا تھا۔ لوگوں نے عام طور پر یہی خیال کیا کہ بانو کے بھائی کو کوئی گھوڑا اٹھاکر لے گیا ہے۔ لیکن مرزبان اس کا ذمہ دار سامان کو سمجھتا تھا۔ یہ بات وہ زبان پر کبھی نہیں لایا۔ نہ لوگوں کے سامنے اس نے شک وشبہ کا اس سلسلہ میں اظہار کیا۔ لیکن یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی اور اس دن سے وہ اس سے نفرت کرنے لگا سامان کی عادات بد، بیہودگی اور خباثت وشرارت کے باعث روز بروز بڑھتی گئی اب اس کی مہر ومحبت کا مرکز صرف بانو رہ گئی۔ وہ دل وجان سے اس کو چاہنے لگا سامان

سے وہ جتنی نفرت کرتا تھا۔ بانو سے اتنی ہی محبت!

سامان، خلقت اور اخلاق ہر لحاظ سے بانو کی ضد تھا۔

بانو میں دنیا جہان کی اچھی صفات موجود تھیں اور سامان کا یہ عالم تھا کہ کوئی برائی ایسی نہ تھی جو اس کی ذات میں جمع نہ ہوگئی ہو۔ وہ پستہ قد تھا۔ بدزبان تھا۔ بدنفس تھا مکار تھا، فریبی تھا، دغاباز تھا، مجرمانہ ذہنیت رکھتا تھا۔ کیا مجال تھی کہ کسی سے آنکھ ملا کر بات کرے۔

مرزبان نے جب اسے اندر آنے کی اجازت دی تو وہ جلدی جلدی باپ کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے سر پہ ایک ریشم کی ٹوپی تھی لیکن عمامہ ملا نہ ایک وسیع و عریض جبّہ میں لپٹا تھا۔ جس نے اس کے لباس کو بھی ڈھانپ لیا۔ وہ اپنے باپ کے سامنے پہنچا اور گویا ہوا۔

"میں موبد کے گھر گیا۔"

مرزبان نے بات کو کاٹ لیا اور طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"مگر وہ نہیں ملا — کیوں؟"

سامان:۔ "جی ہاں، موبد سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

مرزبان:۔ (تلخ لہجہ میں) اور تم خیر سے واپس آ گئے؟"

سامان:۔ "معلوم ہوا وہ آتشکدہ میں نہیں ہیں، گھر پر ہیں!"

مرزبان:۔ "اور گھر پر شیر پہرہ دے رہے تھے، تم کیسے جاتے؟"

سامان:۔ "جی ہاں! گھر پر تو نہیں گیا۔ اگر اجازت ہو تو اب چلا جاؤں۔ وہاں نہ ہو تو کہیں اور تلاش کر لوں جا کر!"

مرزبان :- "کیا کہنا ہے اس سعادت مندی کا۔"

سامان :- "تو اجازت ہے مجھے۔"

مرزبان :- "ہرگز نہیں — مگر یہ اگر جانا تھا تو یہاں آنے سے پہلے کیوں نہ چلے گئے؟ اب جانے سے کیا حاصل۔"

سامان :- "اب چلا جاتا ہوں"

مرزبان :- "کہہ دیا کوئی ضرورت نہیں — ارمزد کے فضل سے میرے پاس کافی نوکر ہیں۔ صبح کسی کو بھیج دوں گا — تم جاؤ، چلے جاؤ۔"

بانو نے اس لب و لہجہ میں مرزمان کو سامان سے بات کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ اگرچہ سامان سے خوش نہ تھی اور اس کی حرکتوں سے نالاں رہتی تھی لیکن بھائی پھر بھائی تھا۔ یہ طریقہ اسے پسند نہ آیا۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

اتنے میں سامان کی آواز پھر کمرہ میں گونجی۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی بہت ضروری کام ہے اور موبد کو اس وقت آنا چاہیے تو جس طرح بن پڑتا۔ میں اسے لے آتا۔"

مرزمان نے کہا۔

"شکریہ — اب آپ تشریف لے جائیے — اور مجھے سونے دیجئے۔"

سامان چلا گیا۔

بانو نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مرزمان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے جھلملا رہے تھے اور وہ اس شمع پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا جو تمثال کے سامنے جل رہی تھی۔ کچھ دیر تک بانو چپ چاپ یہ منظر دیکھتی رہی۔ پھر اس نے باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا: وہ

سرد تھا اور ٹھنڈا پسینہ آ رہا تھا۔ اور سارے بدن پر رعشہ سا چھایا ہوا تھا۔
بڑی دیر تک بانو اس کے پاس بیٹھی رہی۔
مرزبان نے کہا۔
"کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں میری بچّی اب جا کر آرام کر!"
بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔
"بہت اچھا جاتی ہوں۔"
لیکن مرزبان نے روکا۔
"نہیں ابھی نہ جاؤ —— اچھا جاؤ، آرام کرو۔ بہت بے کل ہو چکی ہو۔
بانو :- "میں ذرا بھی بے کل نہیں ہوں، کوئی کام ہو تو فرمایئے۔"
مرزبان :- "کوئی کام نہیں، مجھے بھی اب نیند آ رہی ہے۔"
بانو :- "آپ شاید سامان کی حرکتوں سے بہت برہم ہیں —— لیکن انہیں معاف کر دیجئے گا۔ وہ شاید آپ کا مطلب نہیں سمجھے پوری طرح —— !"
مرزبان :- (سر ہلاتے ہوئے) وہ میرا مطلب نہیں سمجھا۔ لیکن میں اس کی مراد سمجھتا ہوں، اب محاسبہ کا وقت آ گیا ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو گا۔"
یہ کہہ کر اس نے چادر اوڑھ لی اور کمزور آواز میں کہا۔
"میں تھک گیا بیٹی، اب مجھے آرام کرنا چاہیئے!"
بانو نے اسے چادر اچھی طرح اُڑھا دی اور پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یہاں خیزران اس کی منتظر تھی، اس نے جلدی جلدی اس کے کپڑے بدلوائے اور کہا۔
"بہت رات آ گئی ہے، اب سو رہو بیٹی!"

بانو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح کھڑی رہی۔

خیزربان سمجھ گئی، اس کے دل میں ضرغام کی یاد ہلچل مچا رہی ہے اس نے کہا۔

"لوگ واپس چلے گئے، باغ اور ایوان کے چراغ گل ہو گئے، اب اتنی رات گئے کوئی نہیں آئے گا۔ میں جانتی ہوں، تم ضرغام کی منتظر ہو، کل انتظار کرنا اس کا، !"

بات بانو کی سمجھ میں آگئی، وہ بستر پر سونے کے ارادہ سے لیٹی ہی تھی کہ ایک خادمہ آئی اور اس نے عرض کیا۔

"سامان آپ سے اس وقت ملنا چاہتے ہیں۔"

بانو اٹھ بیٹھی۔

"بلا لاؤ!"

وہ سوچنے لگی آج ابّا جان نے سامان کو بہت ڈانٹا ڈپٹا ہے چند میٹھے بول کر تلافی کر دینی چاہیئے۔

اتنے میں سامان آگیا وہ آتے ہی برس پڑا۔

"تم نے دیکھا ابّا جان کا طرزِ عمل کیا ہے میرے ساتھ؟"

بانو:۔ "ہاں دیکھا — مگر تمہیں برا نہ ماننا چاہیئے۔"

سامان: "کیسے بُرا نہ مانوں۔"

بانو:۔ "برا مان کر ان کا کیا بگاڑ لوگے؟ اپنا بھی نقصان کر دوگے۔"

سامان:۔ "یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ موبد کو اس وقت بلا کر لاؤ — میں تو سمجھ کر نہیں گیا۔"

بانو:۔ (متحیر ہو کر) "تم سمجھ کر نہیں گئے؟ یعنی تم موبد کے ہاں گئے ہی نہیں۔"

سامان:۔ "نہیں — وہ پارسائی کا لباس پہنتا ہے، لیکن چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔"

بانو :- "ایسی باتیں نہ کرو!"

سامان :- "میں غلط نہیں کہتا۔"

بانو :- "سچ ہو یا غلط، ابا جان کا حکم ماننا ہم سب کا فرض ہے۔"

سامان :- "خواہ وہ حکم کتنا ہی احمقانہ اور مہمل ہو۔"

بانو :- "باپ کے حکم کو احمقانہ اور مہمل صرف تم کہہ سکتے ہو!"

سامان :- "بتا تو رہا ہوں، وہ موبد اچھا آدمی نہیں ہے۔"

بانو :- "نہ ہو — تمہیں کیا، ابا جان جانیں اور موبد جانے۔"

سامان :- "واہ، مجھی سے تو اس کا ہے، میرا ہی تو سراسر نقصان ہے۔"

بانو :- "یہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو۔"

سامان :- "بہر حال میں نہ ایسے احکام کی تعمیل کر سکتا ہوں، نہ اپنا غصہ برداشت کر سکتا ہوں۔"

بانو :- "یہ دونوں کام تمہیں کرنا ہوں گے۔"

سامان :- "تم نے آج کا غصہ دیکھا تھا ابا جان کا، اسے برداشت کیا جا سکتا ہے؟"

بانو :- "کیوں نہیں برداشت کیا جا سکتا۔ کوئی باپ کے غصہ پر بھی خفا ہوتا ہے اور یہ بھی تو سوچو وہ بیمار ہیں۔ اور بیماری میں آدمی چڑچڑا ہو ہی جاتا ہے۔"

سامان :- "واہ یہ بھی اچھی رہی۔"

بانو :- "بہر حال صبح ہوتے ہی تم موبد کے پاس چلے جانا اور اسے لے آنا جا کر۔"

سامان :- "وہ ولی نہیں شیطان ہے۔"

بانو :- "پھر وہی بیکار کی باتیں — تمہیں بہر حال ابا جان کے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔ — ! والد موبد کے معتقد ہیں، تم ایسی حرکتیں کر کے ان کے اعتقاد کو متزلزل نہیں کر

سکتے۔ البتہ اپنا بھرم کھو دو گے۔"

سامان :۔ "میں ہر موبد کو ایسا نہیں کہتا۔ یقیناً ان میں بعض اچھی سیرت اور کردار کے مالک بھی ہوں گے لیکن یہ موبد، جس کے ابا جان معتقد ہیں، آدمی نہیں شیطان ہے۔"

بانو :۔ "ایسی ہی باتوں سے ابا جان خفا ہوتے ہیں، انہیں خفا کرنے میں کچھ مزہ آتا ہے تمہیں!"

سامان :۔ "تو تمہاری رائے یہ ہے کہ میں اسے بلا لاؤں جا کر ؟"

بانو :۔ "کہہ تو رہی ہوں، اور کس طرح کہوں ——!"

سامان :۔ "اچھا دیکھا جائے گا، جی تو نہیں چاہتا لیکن کوشش کروں گا کہ تمہارا کہا مان لوں!"

سامان چلا گیا —— اور بانو بھی اوڑھ لپیٹ کر بستر پہ پڑ گئی۔

باب - ۱۷

ضرغام آگیا!

صبح ہوئی!

بانو کی ساری رات کروٹیں بدلتے گذری۔ کچھ تو اسے ضرغام کی فکر تھی، مگر زیادہ تر وہ مرزبان کے لئے فکرمند تھی، اٹھتے ہی شب خوابی کے لباس میں تیر کی طرح سیدھی باپ کے کمرہ میں پہنچی، اور یہ دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہوگیا کہ آج مرزبان کی حالت کل سے اچھی ہے۔ وہ بستر پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے۔ چہرے پر بشاشت ہے۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آئی اور پوچھا۔

"ابّا جان کیسا مزاج ہے؟"

اس نے محبت بھری نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھا اور جواب دیا

"شکر ہے ارمزد کا، اچھا ہوں، کل کے مقابلہ میں آج طبیعت بحال ہے۔"

بانو:- "ارمزد نے چاہا تو بہت جلد بالکل اچھے ہو جائیں گے۔"

مرزبان:- "اگر تم اسی طرح پریشان رہیں، تو یقیناً ارمزد کو تمہارے حال پر رحم آ جائے گا اور شاید تمہارا بوڑھا باپ کچھ دن اور زندہ رہ سکے گا۔"

بانو :- "ایسا معلوم ہوتا ہے، آپ کسی کے منتظر ہیں - کیا کوئی آنے والا ہے ؟"

مرزبان :- "ہاں ہمارا دوست افشین، عید نوروز کے سلسلہ میں یہاں آنے والا تھا۔ اب تک نہیں آیا - حالانکہ پختہ وعدہ کر چکا تھا، شاید اب آتا ہو - !"

افشین کا نام سُن کر بانو کی طبیعت مکدّر ہوئی - لیکن اس نے اپنی کیفیت اپنے باپ پر ظاہر نہیں ہونے دی، اور کہا -

بانو :- "اب تک تو اس کی کوئی اطلاع نہیں ملی - ممکن ہے رات کو آیا ہو اور یا اب آنا چاہتا ہو"

مرزبان :- "لیکن پتہ کیسے چلے کہ آیا بھی یا نہیں؟ میں اس کے لئے بہت فکرمند ہوں، اس کی تلاش ہونی چاہیئے -"

بانو :- "تو کسی کو اس کی جستجو میں بھیج دوں ؟ ابھی پتہ چل جائے گا - لیکن اگر وہ فرغانہ آچکا ہے تو ضرور آئے گا -"

مرزبان :- (تامّل ہوتے ہوئے) ہاں ٹھیک ہے -- کیا سامان موبد کو لینے کیلئے گیا ؟"

بانو :- "وہ تو صبح تڑکے ان کی تلاش میں نکل گئے، کل کی آپ کی خفگی کا بہت اثر ہے وہ بڑے رنجیدہ اور ملول نظر آرہے تھے -"

مرزبان :- "اس کا نام نہ لو میرے سامنے -"

بانو :- "آپ تو بہت خفا ہیں -"

مرزبان :- "ہاں -- تم نہیں جانتیں کیوں خفا ہوں، جان لو، تو نفرت کرنے لگو، اس سے بہتر ہے کہ میں خاموش ہی رہوں، مجھے چپ ہی رہنے دو -"

بانو نے کوئی جواب نہیں دیا -

مرزبان :- "بیٹی پیاس لگ رہی ہے، اُٹھو اور اپنے ہاتھ سے مجھے پانی پلا !"

بانو جلدی سے اٹھی اور ایک گلاس میں پانی بھر کر لائی۔ اور اپنے ہاتھ سے باپ کو پلایا۔ پھر گلاس خادم کو دے دیا۔ اور باپ کے پاس بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک خادم آیا اس نے عرض کیا۔

"دروازے پر ایک مہمان آپ کی خدمت میں باریابی کا منتظر ہے۔"

مرزبان چونک پڑا۔

"کون ہے وہ؟"

خادم: "یہ تو میں نہیں جانتا۔"

مرزبان: "کہاں سے آیا ہے یہ بھی نہیں معلوم ــــ؟"

خادم: "کہتا ہے عراق سے آیا ہے۔"

مرزبان: "(خوش ہوکر) عراق سے آیا ہے، تو ضرور افشین ہوگا ــ جاؤ اسے فوراً باعزت واحترام کے ساتھ لاؤ!"

افشین کی آمد کا چرچا سن کر بانو جل ہی تو گئی۔ اسے اپنے یہاں موجود ہونے پر افسوس ہو رہا تھا۔ کاش اس دیوار میں شگاف ہو جاتا۔ اور وہ یہاں سے نکل جاتی، اس کا اور افشین کا آمنا سامنا نہ ہوتا۔ لیکن اس بیماری کی حالت میں اپنے کسی طرز وعمل سے وہ مرزبان کو خفا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ یہ گوارا تھا کہ اسے کسی طرح کا صدمہ پہنچے۔ اسلئے خاموش رہی۔ اپنی برہمی کو چھپاتی رہی۔ اور منتظر رہی کہ اب افشین آتا ہے اور دیکھئے کس طرح کی باتیں شروع ہوتی ہیں۔

وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ حاجب نے پردہ اٹھایا۔

"بانو کی نظر اٹھی تو وہ آنے والا افشین نہیں، ضرغام تھا۔"

ضرغام کو دیکھتے ہی، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، نشاط و مسرت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس پر کچھ شرم، کچھ خوشی، کچھ حجاب، کچھ بے قراری اور اضطراب،

مرزبان اسے دیکھتے ہی مسکرادیا اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہو — ہمارا بیٹا ضرغام ہے، آؤ آؤ — ہم کہہ رہے تھے کہ افشین آیا ہے لیکن نکلے تم، کہو اچھے تو ہو؟"

ضرغام:۔ "خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھا ہوں، سنا تھا کہ آپ کا مزاجِ عالی کچھ ناساز تھا، اب کیسی طبیعت ہے؟"

مرزبان:۔ "ہماری کیا پوچھتے ہو بھائی — پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند، زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔"

ضرغام:۔ "بیماری آزادی تو انسان کے ساتھ لگی ہی رہتی ہے۔ آپ ایسی مایوس کن باتیں کیوں کرتے ہیں!"

مرزبان:۔ "ہاں ٹھیک ہے، اس طرح بانو بھی مجھے سمجھایا کرتی ہے — ہاں یہ تو بتاؤ کیا تمہارے ساتھ افشین بھی آیا ہے؟"

ضرغام:۔ "جی وہ میرے ساتھ تو نہیں آئے، لیکن یہ جانتا ہوں، جس روز میں نے عراق سے کوچ کیا ہے، اسی دن وہ اشرؤسنہ کے ارادے سے نکلے تھے، اب آ چکے ہوں گے۔"

ضرغام — ایک گلِ رعنا تھا۔

عمر بمشکل ۲۵ سال کی ہوگی، بلند قامت، بارعب و وجیہہ، خدا نے اسے حسنِ اخلاق اور حسنِ خلق دونوں سے نوازا تھا۔ گداز جسم، چوڑے کاندھے، کشادہ پیشانی، روشن رخسار، چھوٹی سی لیکن نہایت خوبصورت داڑھی، چہرے سے لیاقت و شجاعت

آشکار، مردانہ وقار و تمکنت کی منہ بولتی تصویر، انداز و اطوار سے صدق و مروّت عیاں، سر پر قرمزی رنگ کی ایک ٹوپی، اس کے گرد سیاہ رنگ کا ایک عمامہ، آسمانی رنگ کی قبا، کمر میں تلوار لٹکی ہوئی جس کا قبضہ سونے کا تھا، قبا کے نیچے ارغوانی رنگ کا کرتہ، قبا پر سیاہ رنگ کا ایک جبّہ، بالکل یہ معلوم ہوتا تھا۔ کوئی ایسا شخص کھڑا ہے کہ جاہ و جلال جس کے خادم ہیں۔ دبدبہ اور طنطنہ جس کا رفیق ہے۔ جب وہ کھڑا ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے پہاڑ زمین میں گڑا ہوا ہے۔

ضرغام کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بانو بھی یہاں بیٹھی ہے اسے یک بیک دیکھ کر وہ دھک سے رہ گیا۔ ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ اس کے روئے تابناک پر نظر ڈالنا چاہتا تھا لیکن نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن نہیں کر سکتا تھا۔

اور خود بانو؟

اس کی حالت تو اور زیادہ عجیب تھی۔

اس کی نظر ضرغام پر پڑی تو واپس نہ آسکی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اپنی کیفیت کو کس طرح چھپائے؟ دل کی دھڑکن صرف وہی سن رہی تھی۔ دل پر جو کچھ گزر رہی تھی اس کا علم بھی اس کے سوا کسی کو نہ تھا۔ لیکن رنگ سرخ کا بدلنا تو ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔ رخسار کا رنگ جس تیزی سے بدل رہا تھا وہ بھی کسی سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ بدن پر ارتعاش کی جو کیفیت طاری تھی تاڑنے والی نظریں اسے بھی دیکھ سکتی تھیں، اپنی کیفیت کو چھپانے کے لئے وہ اس بت کا غبار صاف کرنے لگی جو مرزبان نے بستر کے پاس ہی رکھا تھا تاکہ اس کے ارتعاش و اضطراب کو، کوئی نہ دیکھ سکے۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں اس دیار کی عورتیں پردہ سے بالکل ناواقف تھیں۔ یہ بات ان کے نزدیک

موجب عار تھی کہ پردہ کریں۔ کیونکہ پردہ ان کے نزدیک جُبن و ضعف کی علامت تھا۔ اور خود حضرت ضرغام کا جہاں تک تعلق تھا۔ اس حسن اتفاق پر ان کی بے اندازہ مسرت کا اندازہ کیا ہی نہیں جا سکتا، اپنے جذبات و عواطف چھپانے کے لئے وہ ہمہ تن مرزبان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ چُومے، اور سر جُھکا کر کھڑا ہو گیا۔

مرزبان نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا، بانو بھی قریب ہی ذرا ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

مرزبان نے پوچھا۔

"کہو بیٹے کیسی گزر رہی ہے، با خوش تو ہو؟"

ضرغام نے جواب دیا۔

"خدا کا شکر ہے ہر حال میں ——— میں صبح تڑکے ہی اس لئے حاضر ہو گیا کہ عید نوروز کی مبارک باد دینے، سب سے پہلے جو شخص حاضر ہو وہ آپ کا یہ خادم ہو، مجھے بالکل نہیں معلوم تھا، آپ کا مزاج ناساز ہے۔ یہ تو یہاں آکر پتہ چلا!"

مرزبان: "آج تو میری طبیعت اچھی ہے۔ البتہ کل بہت زیادہ خراب تھی۔!"

ضرغام: "شکر ہے خدا کا"

مرزبان: "بیٹے اتنے دنوں کے بعد تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کہو تمہاری والدہ کیسی ہیں؟"

ضرغام: "اچھی ہیں، آپ کے احسانات کی ممنون اور آپ کی درازی عمر و صحت کی دُعا گو"

مرزبان: "یہ ان کی شرافت ہے، ورنہ میں نے کون سا احسان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان سے زیادہ شریف اور پاکباز عورت نہیں دیکھی، تم سے جو میں اتنی محبت کرتا ہوں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ تم ایسی اچھی ماں کے بیٹے ہو!"

شفقت و محبّت کے ان کلمات کو، ضرغام نے سر جھکا کر سُنا اور خوش ہوا۔ لیکن بانو کی خوشی اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا دل وفورِ مسرت سے رقص کر رہا تھا۔

ضرغام:۔ "آپ کے یہ الفاظ میرے دل کو ہمیشہ فخر و مسّرت سے مسحور رکھیں گے۔ یہ اتنا قیمتی سرمایہ ہے، جسے میں جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا"

مرزبان:۔ "کیا تم عراق سے سیدھے فرغانہ آرہے ہو؟"

ضرغام:۔ "جی ہاں ——— میں شام کو فرغانہ پہنچ گیا تھا"

مرزبان:۔ "وہاں کے حالات کیا ہیں؟ ——— کچھ بدامنی اور شورش کے آثار تو نہیں ہیں؟"

ضرغام:۔ "حالات کچھ زیادہ قابلِ اطمینان نہیں ہیں۔ لوگ اپنی اپنی فکر میں مبتلا ہیں۔ ہر شخص ایک دوسرے سے خائف اور چوکنا رہتا ہے۔ کوئی کسی پر اعتبار نہیں کرتا ——— بغداد کی حکومت آج کل پورے طور پر ترکی فوج کے رحم و کرم پر ہے۔ ترکوں کا غلبہ روز افزوں ترقی پر ہے، نازک اور کٹھن مواقع پر اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے!"

مرزبان:۔ "اب نیا خلیفہ تو معتصم باللہ ہے؟"

ضرغام:۔ "جی ہاں اب مسندِ خلافت انہی کے دم سے آباد ہے"

مرزبان:۔ میں نے سُنا ہے کہ معتصم نے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد ترکوں کی تائید و اعانت سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اور انہوں نے بھی جی توڑ کے اس کا ساتھ دیا"

ضرغام:۔ "بجا ارشاد ہُوا، یہ واقعہ ہے"

مرزبان:۔ "مشہور ہے کہ ترکوں میں جن لوگوں نے معتصم کا بہت زیادہ ساتھ دیا۔ اور جن کا وہ بہت زیادہ ممنون اور سپاس گزار ہے۔ وہ دو ہی آدمی ہیں۔ ایک افشین حیدر بن کاؤس فرماں روائے اشروسنہ اور دوسرا ہمارا ضرغام"

ضرغام :- (ازراہِ انکسار) افشین کے بارے میں آپنے جو کچھ سُنا ہے بجا اور درست ہے۔

مرزبان :- "(مسکراتے ہوئے) اور تمہارے بارے میں جو کچھ سُنا ہے وہ غلط ہے؟"

ضرغام :- "جی ہاں، میں کیا، اور میری خدمات کیا؟ یہ امیر المومنین کی بندہ پروری ہے کہ وہ اعتماد فرماتے ہیں، یہ آپ کی محبت ہے جو اتنا خیال رکھتے ہیں!"

مرزبان :- "میں تمہاری شجاعت اور لیاقت سے واقف ہوں، اور جو شخص تمہاری اس حوصلہ مندی سے واقف ہے۔ وہ یہ ماننے پر مجبور ہے کہ تمہارا مستقبل روشن اور تابناک ہے!"

ضرغام :- "اگر آپ جیسے بزرگوں کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو انشاء اللہ میرا مستقبل ضرور روشن اور تابناک ہوگا"

مرزبان :- "مجھے یقین ہے، معتصم کے دور میں بہت زیادہ ترقی کرو گے، بہت ممکن ہے، ایک دن سپہ سالارِ اعلیٰ ہو جاؤ"

ضرغام :- "امیر المومنین واقعی میری خدمات کی بہت قدر فرماتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی نگہبان فوج کا مجھے سپہ سالار مقرر کر دیا ہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس پر سپہ سالار اعلیٰ بھی رشک کر سکتا ہے۔

مرزبان :- "(مسرت سے بے خود ہو کر) تم خلیفہ کی نگہبان فوج کے سالار ہو؟"

ضرغام :- جی، خُدا کے فضل اور آپ کی دعا سے،

مرزبان :- "بڑی خوشی ہوئی تمہارے اس اعزاز سے"

اور واقعی مرزبان اس وقت بہت خوش تھا، اتنی مخصوص مدت میں اتنی نمایاں ترقی کی، وہ ضرغام سے امید نہیں رکھتا تھا۔ بانو بے خودی کے عالم میں ضرغام کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور اس کی باتیں سُن رہی تھی۔ وہ ان باتوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ ضرغام کی موجودگی،

اس کی گفتگو اور اس کی ترقی وعروج کے ذکر نے اسے بے خود کر دیا تھا، اتنے میں، مرزبان اس کی طرف متوجہ ہوا، جلدی سے چونک کر اس نے نشست بدلی، اور نگاہیں ضرغام کی طرف سے ہٹا کر، باپ کی طرف مرکوز کر دیں۔

مرزبان: ۔" دیکھا بیٹی تم نے؟"

بانو: ۔" جی ——"

مرزبان: ۔" ہمارے بیٹے ضرغام نے کتنی جلدی اور کیسی قابلِ رشک ترقی کی ہے؟"

بانو: ۔" جی ——"

مرزبان: ۔" اسے کہتے ہیں، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، اور قوتِ ارادی، جن حالات میں اس بچہ نے زندگی شروع کی۔ اور زندگی کے دن گذارے۔ اگر وہی سامان صاحب کو پیش ہوتے تو آج سڑکوں پر اور گلیوں میں کاسہ لے کر بھیک مانگ رہے ہوتے لیکن اس اولوالعزم نوجوان کو دیکھو۔ اس نے حالات کی نامساعدت، راستہ کی مشکلات موانع اور اپنی بے بال و پری کے باوجود جہدِ حیات میں حصہ لیا۔ آج بہت اونچے درجہ پہ ہے۔ کل وہ سب سے زیادہ اونچا جائے گا۔"

بانو: ۔" سچا ارشاد ہوا —— واقعی انہوں نے قابلِ رشک ترقی کی ہے۔"

" یہ کہہ کر بانو مسکرانے لگی۔ اور ضرغام کے ہونٹوں پر بھی تبسّم کھیلنے لگا۔"

مرزبان: ۔ (ضرغام سے مخاطب ہو کر) میرا خیال ہے، عراق میں اس وقت ترک فوجیوں کی بہت بڑی تعداد بھرتی ہو کر پہنچ چکی ہے ——؟"

ضرغام: ۔" ان کی تعداد بیس ہزار سے متجاوز ہے، انہی میں اخاشیدیہ یعنی ملوک فرغانہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

مرزبان :۔ "یہ لوگ معتصم کی تائید و حمایت شاید اس لئے اندھا دھند کر رہے ہیں کہ اس کی ماں ترک تھی ؟"

ضرغام :۔ "جی ہاں ایک سبب یہ بھی ہے"

مرزبان :۔ "کیا کوئی اور سبب بھی ہے ؟"

ضرغام :۔ "جی ہاں، اصل سبب یہ ہے کہ حکومت اسلامیہ، اصلاً عربی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں ۔"

مرزبان :۔ "ہاں یہ بات کسے نہیں معلوم !"

ضرغام :۔ "مسلمان جب کشور کشائی کے لئے، عرب کی تنگنائے سے باہر نکلا تو ان کی فوج تمام تر عرب سپاہیوں پر مشتمل تھی ۔۔!"

مرزبان :۔ "یہ بھی درست ہے ۔"

ضرغام :۔ "مسلمانوں نے بڑے بڑے ملک فتح کئے، اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کیں اور بنو امیہ کے دور تک اس مسلم حکومت کی فوج تمام تر عربی تھی ۔"

مرزبان :۔ "ہاں، یہ تاریخی واقعات ہیں لیکن ان کے ذکر کا یہ کون سا موقع ہے ؟"

ضرغام :۔ "لیکن بنو عباس کی حکومت عربوں نے نہیں قائم کی، یہ حکومت ہرگز قائم نہ ہوتی۔ اگر ایران کے باشندے دل و جان سے ان کی دعوت نہ قبول کرتے۔ اور ہر خطرہ قبول کر کے ان کا ساتھ نہ دیتے، لہٰذا اس حکومت کے قیام و تاسیس میں ان کا بہت بڑا اور ناقابلِ فراموش حصہ تھا ۔"

۱؎ الیعقوبی

مرزبان: ـ "ٹھیک، ٹھیک"

ضرغام: ـ "اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ فارس سربلند ہوئے۔ اور عرب قوت کو ضعف پہنچا۔"

مرزبان: ـ "بڑے پتہ کی باتیں بتائیں تم نے ـــــ تو یہ وجہ ہے ترکوں، اور ایرانیوں کے عروج و اقتدار کی؟"

ضرغام: ـ "جی ہاں ـــــ خلیفۂ سابق مامون کے زمانہ میں ان کا عروج اور بڑھا۔ اس لئے کہ مامون کی خلافت درحقیقت انہی کی جان بازیوں کا ثمرہ تھی۔"

مرزبان: ـ "اور میرا خیال ہے، مامون نے بھی ان کی قدرشناسی میں بخل سے کام نہیں لیا۔"

ضرغام: ـ "بخل کا کیا سوال ہے۔ مامون نے حد کر دی بندہ نوازی، اور قدرشناسی کی اسی کے دور میں تو یہ لوگ، اربابِ حل و عقد میں شمار ہونے لگے۔"

مرزبان: ـ "وہ تو ہونا ہی چاہیئے تھا، کون ہے جو کام کرے، اور اپنا حق نہ لے؟"

ضرغام: ـ "لیکن ایک اور پہلو بھی ہے اس صورتِ حال کا۔"

مرزبان: ـ "وہ کیا ـــــ؟"

ضرغام: ـ "یہ لوگ اس فکر میں ہیں کہ قدیم شاہی، یعنی سطوتِ کسریٰ۔ فرِ جمشید اور شوکت دارا کا دور پھر سے تازہ کریں ـــــ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔"

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا؟
گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا؟

باب ۱۸

سامرّا

ضرغام کی یہ آخری بات سُنکر، مرزبان نے ایک ٹھنڈی سانس لی، گویا وہ اس بات پر رنجیدہ اور متاسف تھا کہ دولتِ فارس کیوں ختم ہوئی اور مسلمانوں کا پرچم اقبال اس ملک پر کیوں لہرایا، یا ضرغام نے یہ بات سمجھ لی، لیکن اس کے لئے بولنے کا موقع تھا؟ خاموش رہا، کچھ دیر کے بعد مرزبان نے کہا۔

"تو اب ترکوں کا دور دورہ ہے۔؟"

ضرغام:۔ "جی ہاں، اس وقت تو یہی کیفیت ہے۔"

مرزبان:۔ "لیکن اس کا بھی تو کوئی سبب ہوگا؟"

ضرغام:۔ "کیوں نہیں؟ ـــــــ کچھ عرصہ ہوا، خلافت معتصم کے ہاتھ میں آئی۔ تو وہ اہلِ فارس کے اقتدار سے خوف زدہ ہوگیا۔

مرزبان:۔ "یعنی اپنے محسنوں سے خوفزدہ ہوگیا۔ شاہی مزاج بھی عجیب چیز ہے۔ نہ خوشی کا اعتبار، نہ خفگی کا بھروسہ۔"

ضرغام:۔ "یہ تو صحیح ہے لیکن اگر بادشاہ سیاست سے کام نہ لیں تو زندہ کیسے رہیں؟"

مرزبان: "میری سمجھ میں تو اس بے لسبی کی سیاست نہیں آتی۔"

ضرغام: "کیا یہ اہلِ فارس وہی نہیں ہیں۔ جنہوں نے ماموں کے بھائی امین کو قتل کیا تھا؟ اور حکومت اس سے چھین کر ماموں کے حوالہ کر دی تھی؟ اور ماموں کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ اس کی ماں پارسی تھی؟"

مرزبان: "ہاں یہ سب صحیح ہے۔ مگر اس سے کیا نتیجہ نکالتے ہو تم؟"

ضرغام: "یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہلِ فارس نے ماموں کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ اس وقت حکومت امین سے چھین کر اس کے حوالہ کر دیں۔ اور ماموں کا ممنون بنا کر قوت و اقتدار حاصل کریں۔ اور اس کے مرجانے کے بعد یہ عظیم و جلیل حکومت، پھر اہلِ فارس کے ہاتھ میں دے دیں۔

مرزبان: "لیکن یہ خیال ——"

ضرغام: "ممکن ہے غلط ہو، لیکن معتصم کا پختہ خیال یہی ہے۔ اور اس صورت میں اس کے لئے، اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ اپنے تحفظ کا بندوبست کرے، اور اس کی صورت یہی ہے کہ اہلِ فارس کا زور توڑے، اور زور توڑنے کے لئے ظاہر ہے۔ ایک نئی قوت کی ضرورت ہے۔ اور یہ نئی قوت ترک ہیں!"

مرزبان: "یہ ترک فوج کیا، بغداد ہی میں قیام پذیر ہے؟"

ضرغام: "کچھ عرصہ تک تو یہ لوگ، وہیں مقیم تھے، لیکن پھر، یہ شہریوں کو تنگ کرنے لگے۔ انہیں ایذا پہنچانے اور ستانے لگے، سڑکوں اور چوراہوں پر عوام کو ستاتے، چھیڑتے، مارتے، پیٹتے اور قتل تک کر دیتے!"

مرزبان: "حد ہو گئی غنڈہ گردی کی۔"

ضرغام :۔ "آخر امیر المومنین نے ان کے لئے ایک نیا شہر بسایا، جس کا اصل نام تو "سر من رائے" ہے ۔ لیکن زبانِ عوام پر سامرا ہو گیا ہے ۔!"

مرزبان :۔ "تعریف تو سُنی ہے ۔ میں نے اس شہر کی ——"

ضرغام :۔ "یہ شہر اپنی خوب صورتی اور تنوع کے اعتبار سے تعریف سے بے نیاز ہے، اس میں جو لوگ رہتے ہیں ۔ وہ جہاں کے رہنے والے ہیں ۔ اسی فضا کے مطابق اس کے مختلف حصے تعمیر کئے گئے ہیں صنعت کاروں، اور ہنر وروں کے لئے بازار بنائے گئے ہیں ۔ اور ہر صنعت اور ہنر کے لئے، ایک بازار الگ الگ وقف ہے، لوگوں نے جو دیکھا کہ خلیفۂ وقت اس کی تعمیر اور آبادی میں دلچسپی لے رہا ہے، تو لوگ بڑھے، اور دیکھتے دیکھتے، وہاں شاندار، بلند و بالا، وسیع اور کشادہ عمارتیں تیار ہو گئیں ۔ قصر و محلات تعمیر ہو گئے، باغ و چمن کی نظر افروزیاں دامنِ دل اپنی طرف کھینچنے لگیں چونکہ قصر خلافت بھی وہاں تعمیر ہو گیا ہے ۔ اور امیر المومنین بھی وہاں رونق افروز ہیں، اس لئے وہاں کی رونق اور آبادی بہت بڑھ گئی ہے ۔ امراء اور دولت مند بھی ہیں ۔ تاجر، اور ساہوکار بھی، اور کچھ عوام بھی، بہر حال سامرا ہے، بڑا عمدہ اور اچھا شہر ——"

مرزبان :۔ "پھر تو یہ بہت بڑا شہر بن گیا ہوگا؟"

ضرغام :۔ "جی ہاں —— یہی سمجھئے ۔"

مرزبان :۔ "ترک اپنے دین پہ قائم ہیں ۔ یا ان کا دین بدلا جا چکا ہے؟"

ضرغام :۔ "بہت سے مسلمان ہو چکے ہیں ۔ کچھ اپنے دین پہ قائم ہیں ۔ جو دین پر قائم ہیں ۔ انہیں لالچ یا دھمکی کے ذریعہ مذہب تبدیل کرنے پہ آمادہ نہیں کیا جا سکتا، جو مسلمان ہو گئے ہیں، وہ خود سوچ سمجھ کر، دینِ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے ہیں ۔ لیکن مسلمان ہونے

سے انہیں کوئی دنیاوی فائدہ نہیں پہنچا۔"

مرزبان: "کیا مطلب ——؟"

ضرغام: "یعنی اسلام قبول کر لینے کے باعث ان کے منصب اور رتبہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔"

مرزبان: "جو مسلمان نہیں ہوئے وہ اب تک اپنے زردشتی (پارسی) مذہب پر قائم ہیں؟"

ضرغام: "جی ہاں، نہایت پابندی کے ساتھ۔"

مرزبان: "جو مسلمان ہو گئے ہیں، ان کی شادی بھی مسلمان لڑکیوں سے ہو گئی ہو گی؟"

ضرغام: "جی نہیں —— انہیں ممانعت کر دی گئی ہے کہ وہ شہری گھرانوں میں شادی نہ کریں۔"

مرزبان: "یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد بھی، وہ مسلمانوں میں گھل مل نہیں سکتے!"

ضرغام: "نہیں یہ بات تو نہیں ہے!"

مرزبان: "پھر کیا بات ہے؟"

ضرغام: "امیر المومنین یہ چاہتے ہیں کہ جیسے یہ مضبوط اور توانا ہیں، ویسی ہی انکی بیویاں بھی ہوں۔ اور ویسی ہی ان کی اولاد بھی ہو۔"

مرزبان: "تو اس کے لئے انہوں نے کیا تدبیر سوچی ہے؟"

ضرغام: "یہ کہ وہ عام لوگوں میں خلط ملط نہ ہوں۔"

مرزبان: "پھر اپنی اور خانگی زندگی بسر کرنے کی کیا صورت ہے، بیچاروں کے لئے؟"

ضرغام: "امیر المومنین نے یہ سوچا ہے، چرکس (ترک) عورتیں جو اس دیار میں عام طور پر فروخت ہوتی ہیں۔ انہیں وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت خرید اجائے۔ پھر انہیں آزاد کر کے انکی شادی، ان سپاہیوں کی پسند کے مطابق ان سے کر دی جائے۔"

مرزبان: "لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنے کی پھر کیا ضرورت ہے۔ لونڈی بہر حال لونڈی ہے۔ وہ تعمیلِ حکم کے سوا اور کیا کر سکتی ہے؟"

ضرغام: "اگر ایسا ہو، تو زندگی بھر وہ احساسِ کمتری میں مبتلا رہے گی۔ شوہر اور بیوی کے درمیان امتیاز کی ایک دیوار کھڑی ہو جائے گی۔ اور پھر اسلام کی یہ تاکید ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کیا جائے۔ اور لونڈی کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لینے کی تو حدیث میں بڑی تعریف آئی ہے۔ اور اس کام کا موجب ثواب قرار دیا گیا ہے۔"

مرزبان: "اچھا یہ بات ہے، —— آج تم سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں —— لیکن تم یک بیک آ کیسے گئے؟"

ضرغام: "جو وفد ترک جواری کو خریدنے آیا ہے۔ اسی کے ساتھ آیا ہوں۔ ہم خرما و ہم ثواب! سرکاری کام بھی ہو گیا۔ اور آپ کی زیارت بھی ہو گئی۔"

مرزبان: "تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے، میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

ضرغام: "خود مجھے آپ کی ذاتِ گرامی سے جو شیفتگی ہے۔ اسے پہلی نظر دیکھ کر آپ کی اس شفقت و محبت کا جو میرے حال پر ہمیشہ مبذول ہوتی ہے۔ خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔"

مرزبان: (مسکرا کر) خدا نظر بد سے بچائے، بڑے ذہین ہو۔

ضرغام نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

اس مدت میں بانو اور ضرغام کی نگاہیں چار ہوتی رہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر در زیدہ تبسم کا تبادلہ بھی کرتے رہے۔ یکایک مرزبان کی آواز گونجی وہ ضرغام سے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ زیادہ خوشی اس کی ہے کہ قبل اس کے میں اس دُنیا سے رُخصت ـــــ"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا، اس کا گلا رندھ گیا۔آواز بھرّا گئی۔ وہ مصنوعی طور پر کھانسنے لگا۔ اور رومال سے اپنے ہونٹ اور مونچھیں صاف کرنے لگا۔ تاکہ ضرغام کی توجہ دوسری طرف مبذول ہو جائے۔

ضرغام نے مرزبان کا مطلب سمجھ لیا، وہ ان باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ اس کی آنکھیں بھی آب گوں ہو گئیں، باپ اور ضرغام کی یہ کیفیت دیکھ کر، بالو کی ہرن کی سی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے ٹپکنے لگے۔

باب - ۱۹

پرستش

بڑی دیر تک مرزبان اور ضرغام خاموش بیٹھے رہے۔ بانو بھی چپ تھی۔ اس وقت کی یاس انگیز باتوں نے تینوں پر یاس اور افسردگی کی کیفیت طاری کر دی تھی۔

جب مرزبان کی طبیعت ذرا بحال ہوئی، تو اس نے ضرغام سے پوچھا۔

"تمہاری مرجانہ تو اچھی ہیں؟"

ضرغام :۔" جی ہاں اچھی ہیں، اور آپ کے لئے دُعاگو ہیں"! —— میری آقازادی بانو کے لئے تو وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہتی ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنا زیادہ چاہتی ہیں انہیں ——"

بانو اب تک خاموش بیٹھی تھی۔ اور اس گفتگو میں حصّہ نہیں لے رہی تھی۔ لیکن اب اسے شریکِ گفتگو ہونے کا موقع مل گیا۔ اس نے کہا۔

"خالہ مرجانہ کو، میں، اتنا ہی مانتی اور چاہتی ہوں، جتنا اپنی والدہ کو، ان کی شفقت اور محبت میں کسی طرح بھول ہی نہیں سکتی۔ جب یاد آجاتی ہیں، تو پہروں ان کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ بڑا جی چاہتا ہے انہیں دیکھنے کا —— آپ سے اتنا بھی نہ ہوا، کہ انہیں اپنے

ساتھ لیتے آتے!"

ضرغام:۔" میں تو ضرور لے آتا، لیکن بہت کمزور ہیں، اس سفر کی متحمل نہیں ہو سکتیں کسی طرح ـــــ"

مرزبان:۔ (جیسے کوئی بات یک بیک یاد آگئی ہو) سامان آیا؟ ـــــ نہ وہ آیا، نہ موبد کو لایا ـــــ نالائق، ناخلف

پھر وہ بانو سے مخاطب ہُوا۔

"بیٹی تم ہی کسی طرح، کسی آدمی کو بھیجکر موبد کو بلوالو۔!"

ضرغام:۔"میں جاتا ہوں' ـــــ ابھی لے کر آیا'!

مرزبان:۔" نہیں بیٹے، تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بیٹھو ـــــ"

ضرغام:۔" اس میں تکلیف کی کیا بات ہے، ابھی آجاؤں گا، موبد کو لے کر، میں اس کا گھر بھی جانتا ہوں، اور آتشکدہ بھی، جہاں بھی ملا، لے کر آؤں گا۔"

مرزبان:۔" نہیں، میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ تم گئے تو مجھے تکلیف ہو گی۔"

ضرغام:۔" بہت اچھا میں نہیں جاتا، لیکن اپنے آدمی وردان کو بھیج دیتا ہوں، بڑا وفادار اور جانباز آدمی مل گیا ہے، میں اسے اپنا ملازم نہیں دوست سمجھتا ہوں، جو کام اس سے کہہ دوں۔ نوک خنجر سے بھی گذر کر اسے انجام دے گا۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور دروازے کے پاس جاکر آواز دی!

وردان ـــــ!

"یہ آواز سنتے ہی ایک آدمی اندر داخل ہوا، اس کی عمر چالیس سال کے قریب ہو گی، قد کوتاہ، ناک کشادہ، چہرے بشرے سے معلوم ہوتا تھا، یہ ارمنی ہے۔"

"ضرغام اسے بہت مانتا تھا، اسے ملازم ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں گذری تھی، لیکن اس مختصر مدت میں اس نے اپنی وفاداری، رفاقت اور جانبازی کا ایسا سکہ بٹھا دیا تھا، کہ وہ اسے ملازم کی بجائے اپنا دوست اور رفیق سمجھتا، اور سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتا، ذاتی معاملات تک میں اس سے صلاح و مشورہ کرتا، اور اس کی رائے کو وقعت کی نظر سے دیکھتا"

"وردان کے سر پر اس وقت ایک ٹوپی تھی۔ بدن پر ایک اونچا کرتہ، ایک مختصر سی عبا، چھوٹی سی اور چھدری داڑھی ۔!"

ضرغام نے کہا۔

"یہاں کا آتشکدہ تم نے دیکھا ہے؟"

"وردان نے جواب نہیں دیا، اپنے آقا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا"

ضرغام:۔ "کل شام کو ہم جس طرف سے یہاں داخل ہوئے تھے۔ وہاں ایک عمارت تھی، جس پر چھوٹے چھوٹے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ اور چراغاں ہو رہا تھا —— یاد آیا۔؟"

وردان:۔ (سر جھکا کر) جی ہاں سمجھ گیا!

ضرغام:۔ "تو بس وہی پارسی حضرات کا آتشکدہ یعنی مسجد ہے، تم وہاں چلے جاؤ، اور وہاں کے موبد، یعنی مولانا صاحب کو بلا لاؤ، کہنا میرے آقا مرزبان نے ابھی اور اسی وقت یاد فرمایا ہے —— دیکھو بغیر موبد کے یہاں قدم نہ رکھنا!"

"وردان نے منہ سے تو کچھ نہ کہا، سر جھکا دیا، اور تیر کی طرح کمرے سے نکلا چلا گیا!"

"مرزبان نے مسکرا کر اسے جاتے دیکھا اور کہا!"

"بڑا کارگذار آدمی معلوم ہوتا ہے!"

ضرغام نے جواب دیا

"جی ہاں، بہت زیادہ اس لئے تو میں اتنا ماندہ ہوں!"

"بانو ان باتوں سے اب اکتا چکی تھی، اتنے دنوں کے بعد ضرغام آیا تھا، اس کا جی چاہتا تھا، یہ مجلس ختم ہو، اطمینان سے اس سے باتیں کرنے کا موقع ملے، ان ایام کی ہر خبر، ہر واقعہ، ہر حادثہ، اس کے علم میں لے آئے۔"

"محبت کرنے والوں کا یہ دستور ہوتا ہے کہ جب ملتے ہیں، تو ایام جدائی کی ایک ایک بات کہتے ہیں، خوشی کی بات ہوتی ہے۔ تو لطف لیتے ہیں۔ غم کی بات ہوتی ہے، تو اظہار افسوس کرتے ہیں۔ بانو کی خواہش تھی، ضرغام سے اکیلے میں باتیں ہوں، اور اس مدت میں جو کچھ گذرا ہے، سب اسے بتا دے۔"

"اور خود ضرغام کا یہی حال تھا، وہ مرزبان سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا، اس کی باتوں میں منہمک تھا، لیکن دل صرف بانو کی طرف متوجہ تھا!"

"وہ بھی یہ چاہ رہا تھا کہ جس طرح ہو، بانو سے فرصت اور اطمینان کے ساتھ گفتگو کا موقع ملے۔ اتنے دن گذر گئے، نہ دیدار ہوا، نہ بات چیت کا موقع ملا، دل میں کتنے خیالات تھے، جو زبان پر آنے کے لئے ابل رہے تھے، کتنی حسرتیں تھیں، جو الفاظ کا جامہ پہننے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ لیکن، کیونکر؟"

"اتنے میں مرزبان، بانو سے مخاطب ہوا!"

"بیٹی مجھے خیال نہیں رہا، تو تم بھی بھول گئیں ——— ذرا سوچو ضرغام سفر سے آیا ہے، تھکا ہوگا، اسے آرام کی ضرورت ہے، جاؤ حویلی کے داروغہ سے کہو، اس کے لئے، ایک اچھا سا کمرہ صاف کر دے، اور اسے کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے!"

"پھر ضرغام سے مخاطب ہوا!"

”بیٹے تم بانو کے ساتھ جاؤ، اپنا کمرہ دیکھ لو، کچھ دیر آرام کرو، لیکن نہیں، کمرہ اپنا سامان ٹھیک ٹھاک کر کے، ذرا دیر کے لئے چلے آؤ، مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، پھر موبد صاحب تشریف لے آئیں گے، تو مجھے ان سے گفتگو میں مصروف ہو جانا پڑیگا۔“

”مرزبان کے اس تخلیہ سے بانو بھی بہت خوش ہوئی، اور ضرغام بھی!“

”بے ساختہ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ ان نگاہوں میں جو تبسم تھا، محبت کی روشنی اور چمک تھی۔ وہ گفتگو تھی، بانو مسکراتی ہوئی اُٹھی، اس کے ساتھ ساتھ ضرغام بھی اُٹھ کھڑا ہوا، اور یہ دونوں خاموش، لیکن تبسم کناں، مہمان خانہ پہنچ گئے!“

باب ۔ ۲۰

سازش کدہ

"وردان اپنے آقا ضرغام کا حکم پاتے ہی چشم زدن میں سیدھا آتشکدہ پہنچا، وردان میں سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت یہ تھی، کہ وہ اپنے آقا کے احکام کی تعمیل آنکھ بند کر کے کرتا تھا، وہ تو ایک معمولی خدمت گار تھا، لیکن اس میں صفات اچھے اور بڑے آدمیوں کے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ضرغام کا معاملہ اس سے آقا اور خادم کا نہیں دوست اور رفیق کا تھا۔"

عید نوروز، ایک ہفتہ تک مسلسل منائی جاتی تھی، اور مرزبان کے ہاں تحائف اور ہدیہ کا سلسلہ ان دنوں میں برابر جاری رہتا تھا، چنانچہ آج بھی جب وردان قصر مرزبان سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا، لوگوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگا ہوا ہے، یہ لوگ ہدیہ اور تحائف لے کر آئے تھے، لوگوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔"

"وردان کو موبد کے پاس جانے کی اتنی جلدی تھی کہ اسے تیزی کے ساتھ نکلتا دیکھ کر بعض لوگ گھبرا گئے کہ کہیں مرزبان کی طبیعت زیادہ خراب تو نہیں ہے؟ چنانچہ ایک آدمی نے تو اسے روک لیا، اور پوچھا!"

"مرزبان کا کیا حال ہے؟"

"لیکن وردان کو اپنی فکر تھی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا، اور بجلی کی طرح نکلا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ قصر مرزبان سے نکل کر سڑک پر پہنچ گیا، یہاں بھی لوگ عید منانے میں لگے ہوئے تھے، لوگ اکاد کا کر کے، یا ٹولیاں بناکر، ادھر ادھر گھوم رہے تھے، کسی کے ہاتھ میں پھل تھے، کسی کے ہاتھ میں شیرینی، آپس میں طرح طرح کی دلچسپ اور پُر لطف باتیں کر رہے تھے، اور مختلف قسم کی دلچسپیوں اور تفریحوں میں مشغول و منہمک تھے۔"

"وردان ان مناظر کو دیکھتا، لیکن ان سے یکسر بے پرواہ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا رہا، یہاں تک کہ وہ کاسان شاہ (فرغانہ کے سب بڑے آتشکدہ کا نام) پہنچ گیا۔ آتش کدہ کی دیواروں پر رنگ رنگ کے جھنڈے لہرا رہے تھے، مختلف دروازوں اور گذرگاہوں پر چوکیدار، اور پاسبان کھڑے تھے، لوگوں کا ہجوم غفیر جمع تھا۔ وردان نے یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی پارسی ہے۔ اور یہاں حصول برکت کے لئے آیا ہے، کسی نے روک ٹوک نہیں کی اور وہ صحن میں پہنچ گیا، یہاں دیبا اور حریر کا فرش بچھا ہوا تھا۔"

"صحن سے گذر کر وہ اس منزل کی طرف پہنچا، جو چوکور بنی ہوئی تھی، اور اس کے کئی زینے تھے، اس کے گرد حوض تھے، جن میں مقدس آگ جل رہی تھی، اور بخور کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس دھوئیں نے فضا میں ایک عجیب پُر اسرار قسم کی خوشبو پھیلا رکھی تھی۔ اس عمارت کے داہنی طرف ایک بڑا سا اندھ رکھا ہوا تھا، جس میں بہت سا نفط (بھک سے اُڑ جانے والا مادہ، بارود کی طرح) رکھا تھا، اس سے رہ رہ کر شعلے بلند ہو رہے تھے، اور بہت سے لوگ عبادت و ریاضت میں مصروف تھے۔"

سامنے کے کمرہ میں وردان نے ایک آدمی کو زرق برق لباس میں ملبوس کھڑا دیکھا۔

اس نے خیال کیا، شاید موبد یہی ہے، چنانچہ اس کی طرف لپکا، لیکن ایک جانبانہ نے اسے ٹوکا اور کہا :"

" تم کون ہو، اور کہاں جا رہے ہو ؟"

وردان :۔" تم کون ہو اور مجھ سے یہ پوچھ گچھ کیوں کر رہے ہو؟"

وہ آدمی گویا ہوا ۔

" ٹھیک طرح سے بات کرو ورنہ ابھی کان پکڑ کر نکال دیئے جاؤ گے ——— بتاؤ کیوں آئے ہو؟"

وردان :۔" میں موبد سے ملنے آیا ہوں ——— میرا خیال تھا، یہ سامنے جو صاحب کھڑے ہیں، موبد ہیں ——— پھر کون ہیں یہ؟"

وہ مسکرانے لگا ۔

" میں یہاں کا پاسبان ہوں، موبد کا معتقد اور رفیق، اور یہ صاحب جن کی طرف تم لپکے تھے، اس آتشکدہ میں کام کرتے ہیں "

وردان :۔" تو پھر موبد سے ملاقات کی کیا صورت ہے ؟"

پاسبان :۔" جاؤ ہوا کھاؤ، ان سے اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی "

وردان :۔" کیوں ؟ مجھے ان سے ملنا ہے "

پاسبان :۔" وہ اس وقت بہت ضروری کام میں مصروف ہیں ۔ اسے نہیں چھوڑ سکتے "

وردان :۔" آخر وہ ہیں کہاں ؟"

پاسبان :۔" آخر تمہیں ان سے کیا کام ہے ؟ ——— عبادت کرنا چاہتے ہو تو جاؤ، سامنے جو لوگ بیٹھے عبادت کر رہے ہیں، ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ، برکت حاصل کرنا

چاہتے ہو، وہ بھی ہو سکتا ہے، ان میں سے کسی کام کے لئے بھی، موبد کی ضرورت نہیں ہے"

ورداں: "لیکن مجھے صرف موبد سے کام ہے، نہ میں اس وقت عبادت کرنا چاہتا ہوں، نہ برکت حاصل کرنا چاہتا ہوں ــ"

پاسبان: "اچھا تو انتظار کرو، جب وہ فارغ ہو کر نکلیں، تو مل لینا"

ورداں: "میرے بھائی مجھ پر رحم کرو"

پاسباں: "تم جیسے نہ جانے کتنے آدمی ہر روز آتے جاتے رہتے ہیں، کس کس پر رحم کریں؟"

ورداں: "میں مسافر ہوں، بہت دور سے آیا ہوں کیا تم میری غریب الوطنی کا خیال بھی نہیں کرو گے"

پاسبان: "کیا تم اس مقدس آگ کی کوئی چنگاری لینا چاہتے ہو؟ جاؤ لے لو میں اجازت دیتا ہوں"

ورداں: "اس وقت تو مجھے صرف موبد سے ملنا ہے!"

پاسبان کو واقعی رحم آ گیا، اس نے اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔

"دیکھو وہ سامنے کمرہ دیکھ رہے ہو؟ موبد صاحب وہیں تشریف رکھتے ہیں"

ورداں، خوش ہو گیا۔

"تو کیا میں جاؤں؟"

پاسبان نے جواب دیا

"نہیں وہاں کوئی نہیں جا سکتا، بعض احباب سے خلوت میں گفتگو ہو رہی ہے"

ورداں نے حسرت اور بے کسی کے ساتھ کہا۔

"پھر میں کیا کروں؟"

پاسبان نے کہا۔

"یہاں انتظار کرو، جب وہ باہر نکلیں مل لینا!"

وردان:۔ "لیکن میں انتظار نہیں کر سکتا، مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

پاسبان:۔ "تو جو چاہے کرو، اگر پٹائی ہوئی اس کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی میں نے نیک و بد سمجھا دیا ہے۔"

وردان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ دینار (روپے) نکالے، اور پاسبان کی مٹھی میں پکڑاتے ہوئے کہا۔

"مجھے میری قسمت کے حوالہ کردو، میں جاتا ہوں، اگر داؤ لگ گیا، تو مل لوں گا، ورنہ واپس آجاؤں گا۔!"

پاسبان نے دینار لے لئے، اور کہا۔

"تم جاؤ بھائی —— ذرا ہوشیار رہنا"

وردان نے اطمینان دلایا۔

"بالکل بے فکر رہو، میں کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوں۔"

پاسبان سے نپٹ کر، وردان موبد کے کمرہ کی طرف بڑھا کہ اسے مرزبان کا پیغام پہنچا دے، جب دروازہ پہ پہنچا، تو اس نے موبد کے پاس دو آدمیوں کو جو لباس فاخرہ پہنے ہوئے تھے، بیٹھا دیکھا، ان میں سے ایک افشین حیدر بن کاؤس تھا۔ اور دوسرا شخص جسے دیکھ کر دنگ رہ گیا، اجھہند تھا، یہ شخص بابک خرمی کا نائب اور معتمد تھا۔

وردان جانتا تھا۔ اجھہندار دبیل میں جو آرمینیا کا ایک شہر ہے۔ بابک کے پاس رہتا ہے۔ قدرتاً وہ سوچنے لگا، آخر اتنا طول طویل سفر کرکے یہ یہاں کیوں آیا ہے؟

اور موبد سے سرگوشیاں کیوں کر رہا ہے؟

پھر وہ سوچنے لگا۔

یہ افشین یہاں کیوں آیا ہے؟

یہ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا، وہ موبد کے پاس سرزبان کا پیغام لے کر نہیں گیا۔ بلکہ دروازہ سے لگ کر کھڑا ہو گیا کہ ان کی باتیں سنے، یہ جذبہ اس کے دل میں اس لئے پیدا ہوا کہ موبد کے پاس جو پارسیوں کا رہبرِ اعظم تھا، مسلمان قوم کا سپہ سالار اعلیٰ افشین اور مسلمان حکومت، اور مسلمان قوم کا دشمن جانی اجہند کیوں آیا ہے، افشین کو اجہند کا اور اجہند کو، افشین کا دشمن ہونا چاہیئے تھا۔ اور بظاہر یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں۔ لیکن یہاں موبد کے کمرہ میں، تخلیہ کے عالم میں ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے کیا باتیں کر رہے ہیں؟

یہ سوچ کر وردان دروازہ کے پاس سے ہٹ کر کمرہ کے پیچھے گیا، اور دیوار کے روشن دان سے لگ کر کھڑا ہو گیا، اس طرف کسی آدمی کا گذر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ نہایت اطمینان سے سب کو دیکھ رہا تھا، اور اس پر کسی کی نظر پڑنے کا امکان نہیں تھا۔

وردان نے دیکھا، یہ لوگ دیبا کے فرش پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

موبد ٹوپی اوڑھے اور ارغوانی رنگ کی قبا پہنے ہوئے ہے۔

اس کے سامنے افشین ہے، جس کا عمامہ، ٹوپی کے گرد لپٹا ہوا ہے،

اس کے پاس اجہند بیٹھا ہے، جو صرف ٹوپی اوڑھے ہے۔

بغداد میں افشین سیاہ رنگ عبا پہنا کرتا تھا، جو عباسیوں کا سرکاری لباس ہے۔ اور یہاں ارغوانی رنگ کی قبا میں ملبوس ہے۔ جو مجوسیوں کا قومی لباس ہے۔ بغداد اور

سامرا میں افشین پابندی کے ساتھ مسجد میں جایا کرتا اور نماز پڑھا کرتا تھا۔ لیکن یہاں وہ موبد کے سامنے ایک عقیدت مند مجوسی کی طرح بیٹھا ہے۔

کیا یہ مسلمان نہیں، مجوسی ہے۔؟

اجھہند کا یہاں ہونا، تعجب خیز نہیں، کیونکہ وہ اور موبد دونوں مجوسی ہیں۔ کسی نے بھی اسلام نہیں قبول کیا۔

لیکن افشین کا تو نام حیدر ہے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، مسجد میں جاتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار اعلیٰ ہے۔

آخر یہ راز کیا ہے؟

کیا وہ امیرالمومنین کو اور ساری مسلمان قوم کو دھوکا دے رہا ہے؟

یہی باتیں اس کے دل و دماغ میں گردش کر رہی تھیں کہ اس کے کان میں موبد کی آواز آئی۔

"بہرحال ہمیں مسلم حکومت کا تختہ اُلٹنا ہے۔"

اجھہند:۔ "بیشک —— یہی ایک مقصد ہے جس کے لئے ہم جی رہے ہیں۔"

موبد:۔ "اور اس مقصد کے لئے ہم اپنی جان قربان کر دیں گے۔"

افشین:۔ "بے شک، بے شک"

اجھہند:۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کب؟

موبد:۔ اس سوال کا جواب افشین ہی دے سکتا ہے!

افشین:۔ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے۔

اجھہند:۔ یہ تو تم بہت دنوں سے کہہ رہے ہو۔

افشین :۔ شاید بابک کی طرح تم بھی مجھ سے بدظن ہو!

اجمہند :۔ میرا اور بابک کا کیا ذکر، کیا موبد صاحب تم سے بدظن نہیں ہیں۔ پوچھ کر دیکھ لو۔

افشین :۔ (موبد سے) کیا اجمہند سچ کہہ رہا ہے —؟

موبد :۔ ہم نے تم کو ظاہر طور پر مسلمان ہونے کی اجازت اس لئے دی تھی کہ تم سے مجوسیت کو فائدہ پہنچے گا۔

افشین :۔ "بیشک، اور میں اپنے عہد پر قائم ہوں، اس حکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھوں گا!"

اجمہند :۔ "لیکن پھر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کب؟"

افشین :۔ "بہت جلد — حکومتوں کا بننا اور بگڑنا، حالات کا تابع ہوتا ہے۔ میں وہ حالات پیدا کر رہا ہوں۔ جو اسے ختم کریں گے!"

موبد :۔ مثلاً —؟

افشین :۔ "مسلمانوں میں تفرقہ اندازی بھی ایک ایسا زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں یہی ایک ایسی ترکیب ہے جس کا کوئی توڑ نہیں"

موبد :۔ "یہ تو ہم مانتے ہیں"

افشین :۔ "مجھ پر اعتماد کریں"

اجمہند :۔ "کریں تو، لیکن ڈر یہ لگتا ہے لیکن ان یہودیوں[۱] سے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تم ربط ضبط قائم کر کے واقعی مسلمان نہ بن جاؤ"

---

[۱] مجوسی، دشمنی میں، مسلمانوں کو یہودی کہا کرتے تھے، (ابن الاثیر)

افشین :۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ —— اگر میں مسلمان ہو سکتا ہوں، تو معتصم مجوسی بھی بن سکتا ہے ۔

موبد :۔ (ہنستے ہوئے) باتیں کرنے میں تو واقعی تمہارا کوئی حریف نہیں،

افشین :۔ "ایک دن آئیگا کہ آپ محسوس کریں گے ۔ میری باتیں کتنی سچی اور کھری تھیں "۔

اجھہند :۔ "بہر حال اپنے عہد پر قائم رہو، جو تم نے مجھ سے، موبد سے، اور بابک سے مسلم حکومت کا بیخ دنیا سے اکھاڑ پھینکنے کے سلسلہ میں کر رکھا ہے "۔

افشین :۔ "اس عہد پر[صا] دل و جان سے قائم ہوں، اور زندگی کی آخری سانس تک قائم رہوں گا، اس عہد میں ایک اور شخص بھی شریک تھا، شاید تم اس کا نام بھول گئے "۔

اجھہند :۔ "وہ کون تھا "

افشین :۔ "مازیار —— طبرستان کا فرمانروا!"

اجھہند :۔ "ہاں خوب یاد آیا، وہ بھی تھا، لیکن وہ بھی تمہاری طرح ڈھیلا آدمی تھا"

افشین :۔ "تمہاری یہ عادت ہو گئی ہے کہ ہر شخص کو بدگمانی کی عینک سے دیکھتے ہو، وہ بھی اندر ہی اندر اپنا کام کر رہا ہے! —— "

موبد افشین کی طرف دیکھنے لگا ۔

افشین نے مقدس آگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔

" میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں ۔ کہ میں اپنے عہد پر قائم ہوں، دنیا کی کوئی طاقت اس عہد سے مجھے منحرف نہیں کر سکتی ۔ میں موبد کو گواہ کرتا ہوں کہ اگر عہد سے میں منحرف ہو

صا ۔ تاریخ طبرستان لابن اسفندیار؟

جاؤں، تو اہرمزدبھی مجھے غارت کردے!"

اجمہند:۔ "ہمیں یقین ہے، ہم تو تمہیں صرف چھیڑتے رہے تھے، تم خفا ہو گئے، بڑے تنگ مزاج ہو۔"

افشین:۔ "میں اور مازیار، برابر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ صلح کا عالم ہو یا جنگ کا ہم اپنے کام سے غافل نہیں ہیں۔ معتصم کی دولت کا بہت بڑا حصہ بھی مازیار کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔ اور یہ اشرورسنہ میں موجود ہے۔ تاکہ وقت ضرورت کام آئے۔ مازیار کا ابھی چند دن ہوئے، میرے پاس خط آیا تھا۔ جس میں اس نے صاف صاف لکھا تھا کہ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ جب تک مسلمانوں کی حکومت ختم نہ کرلیں۔ اور دولت فارس کو پھر سے زندہ نہ کرلیں۔"

موبد:۔ "میں جانتا ہوں، وہ بڑا پرجوش آدمی ہے۔"

افشین:۔ "صرف پرجوش ہی نہیں مخلص اور راستباز بھی"

موبد:۔ "ہاں یہ بھی سچ ہے، واقعی وہ بہت اچھا آدمی ہے۔!"

اجمہند:۔ "لیکن بابک کو تم سے شکایت ہے کہ تم مسلمانوں کی افواج لے کر اس سے لڑنے کے لئے نکلے۔"

افشین:۔ "مجھ جیسے شخص سے بابک کو شکایت ہے؟ میں جب بھی اس سے لڑنے کے لئے نکلا، اپنے مقصد کو میں نے یاد رکھا، چنانچہ پہلی فرصت میں اسے تمام سربستہ رازوں اور اصلی واقعات سے مطلع کرتا رہا، اور آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہوں گا۔"

موبد:۔ "مجھے یقین ہے تم سچ کہہ رہے ہو، لیکن صبر نہیں ہوتا۔"

اجمہند:۔ "ہمیں کھل کر میدان میں آجانا چاہیئے، خواہ کچھ ہی ہو۔"

موبد:۔ "جب تک ہم میں اتنی جرأت نہیں پیدا ہو گی، ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

اجمہنلہ:۔ "کامیاب وہی ہوتے ہیں، جو اپنے مقصد میں سر دھڑ کی بازی لگانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔"

افشین:۔ "شاید یہ تم مجھے سُنا رہے ہو۔"

اجمہنلہ:۔ "میرے مخاطب تم ہی ہو۔"

افشین:۔ "تو تھوڑا سا انتظار کرو، پھر دیکھ لو گے، میں کیا کرتا ہوں!"

اجمہنلہ:۔ "بس یہی کہتے کہتے ساری عمر ختم کر دیتا۔"

افشین:۔ "جلد بازی سے کبھی بھی مقصد نہیں حاصل ہو سکتا۔ جو مقصد ہمارا ہے۔ یہی ابو علم خراسانی، جعفر برمکی اور تعتل بن سہیل وغیرہ کا بھی تھا، کیا وہ کامیاب ہوئے؟"

اجمہنلہ:۔ نہیں —

افشین:۔ "جانتے ہو ان کی ناکامی کا راز کیا تھا؟"

اجمہنلہ:۔ "تم ہی بتاؤ؟"

افشین:۔ "صرف جلد بازی، اگر وہ جلد بازی سے کام نہ لیتے، تو ان کی کامیابی غیر مشکوک تھی۔ لیکن اس تعجیل نے سارا کام بگاڑا، کیا تم چاہتے ہو، جو ابو علم خراسانی، اور جعفر برمکی وغیرہ کا ہو چکا ہے؟ — میں اپنے حشر کی پرواہ نہیں کرتا، نہ مقصد پر جان کو عزیز رکھتا ہوں۔ لیکن سوچو تو اگر میں، پر آگندہ نقاب ہو کر مارا گیا، تو تم لوگوں کا کیا حشر ہو گا؟ ہماری تحریک کا کیا حشر ہو گا، یا کیا تم سب قتل نہیں کر دیئے جاؤ گے؟ کیا یہ مقدس تحریک کچل نہیں دی جائے گی؟ ہم مسلمانوں سے کھل کر مقابلہ کریں تو یقیناً ہار جائیں گے،

لیکن درپردہ اپنا کام کرتے رہیں تو ضرور کامیاب ہوں گے ۔"

موبد:۔ "افشین سچ کہتا ہے ۔"

اجمہند:۔ "میں کب کہتا ہوں، وہ جھوٹ کہتا ہے ——— میرا مقصد تو صرف یہ تھا، ذرا اسے اُکسا دوں ۔"

موبد:۔ "(مسکراتے ہوئے) لیکن اتنا زیادہ نہ تم اسے اُکساؤ۔ اور وہ غصہ سے بے قابو ہو جائے ؟"

افشین:۔ "آپ بھی اجمہند کا ساتھ دے رہے ہیں ۔ مجھے کچھ نہیں سمجھتے ۔"

موبد:۔ "یہ نہ کہو، ہمارے دل میں تمہاری عزت ہے۔ وقعت ہے، ہم تمہارے خدمات جلیلہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تمہیں مستعد اور کارگزار آدمی سمجھتے ہیں ۔"

اجمہند:۔ کہیئے افشین صاحب اتنی تعریف اپنی سُن لی، آپ اب تو خوش ہوئے ——— یا کچھ اور سُننا چاہتے ہو؟

افشین:۔ جی بخشیئے ——— شکریہ!

موبد:۔ (اجمہند سے) تم ہمارے بیٹے بابک کو دُعا کہنا، اور یقین دلا یاد دینا اُسے کہہ، مازیار، اور افشین دونوں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں،

اجمہند:۔ بہت خوب،

موبد:۔ اور یہ خوش خبری بھی اُسے سُنا دینا، کہ کل رات کو ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس میں ہمیں بتایا گیا ہے، کہ کامیابی قریب!

افشین:۔ آپنے رویا میں کیا دیکھا ہے ؟

موبد:۔ ایسی باتیں بتائی نہیں جاتیں، بہر حال ہمارا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا ———!

افشین :۔ ظاہر ہے کہ آپ وہی کچھ خواب میں دیکھتے ہیں۔ جو واقع ہونے والا ہوتا ہے"۔
وردان یہ باتیں سن رہا تھا اور سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا اُسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

یہ افشین ہے، لشکر اسلام کا سر نیل، اور مجوسی ؟

یہ موبد ہے، جسے حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہر طرح کی سہولت حاصل ہے اور یہ خبث نفس ؟

یہ اجھندہے، بابک کا نائب، اور قائم مقام جو صرف مسلمانوں کے رحم و کرم پر زندہ ہے۔ اور پھر یہ نمک حرامی ؟

وردان، ایک عقیدت مند پارسی کی طرح، موبد کے سامنے حاضر ہوا، اُسے دست بدست عرض کیا۔

"میرے آقا مرزبان آپ کو یاد فرمایا ہے"۔

موبد نے تمکنت کے ساتھ جواب دیا۔

تم باہر ہمارا انتظار کرو ہم ابھی آتے ہیں۔

وردان باہر چلا گیا —— باہر آکر اُس نے دیکھا کہ افشین لباس تبدیل کر کے گاڑی میں بیٹھ چکا ہے۔ وہ سامنے سے ہٹ گیا کہ مبادا افشین اُسے پہچان لے تو اور قیامت آجائے۔ تھوڑی دیر کے بعد، موبد آیا۔ اور گاڑی میں بیٹھ گیا، تو مرزبان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وردان اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور گاڑی کے پیچھے پیچھے وہ بھی چلنے لگا۔

AMINIA MUSLIM GIRLS SEC. SCHOOL ★ LIBRARY ★
A. No. 36
Date 1.2.71

باب - ۲۱

از من بجز حکایت مہر و وفا مپرس

دو محبت کرنے والے دل، ساتھ ساتھ دھڑک رہے تھے۔ بہت دنوں کے بعد دو محبت کرنے والی ہستیاں یکجا ہوئی تھیں۔

ضرغام اور بانو بہت دنوں کے بعد ملے تھے۔ یہ دن ہجر اور فراق کی نذر ہوئے تھے۔ اور اس مدت میں محبت کی کہانی کا رنگ روپ کچھ اور نکھر گیا تھا۔ پہلے سے بہت زیادہ ۔! اس وقت کیفیت یہ تھی کہ دونوں دنیا و مافیہا کو بھولے ہوئے تھے، نہ مصائب یاد تھے۔ نہ آفات و ہموم، نہ خوشی اور مسرت، جو کچھ یاد تھا، وہ صرف محبت کا سبق جو کہ فلسفی، جنت کی کیفیت نہیں بیان کر سکتا کہ یہ سراسر ایک وجدانی چیز ہے، اس طرح وہ اس کیفیت کا نقشہ بھی کھینچ سکتا، جب دو محبت کرنے والے آپس میں ملتے ہیں۔ اور ان پر استغراق کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ وہ محسوس ہی نہیں کر سکتا کہ یہ محبت کرنے والے دل کس طرح تڑپتے ہیں۔ ہجر و فراق میں ان پر کیا گذرتی ہے۔ اور جب ملتے ہیں، تو کیسا عالم ان پر خود فراموشی اور سرگشتگی کا طاری ہو جاتا ہے۔ کچھ کیفیتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو اتنی لطیف اور سبک ہوتی ہیں۔ کہ ان کی نزاکت الفاظ و عبارت کا بوجھ اٹھا ہی نہیں سکتی، بالکل یہی

حال اس وقت بانو اور ضرغام کا تھا۔

ضرغام وہ مرد دلیر تھا کہ بڑی بڑی فوجوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ قتل و غارت کے میدان میں وہ اپنی شجاعت اور بہادری کا پرچم لہراتا تھا۔ تلوار سے گردن کاٹنے اور نیزہ سے سر و سینہ کو چھلنی کرنے کے مشغلہ سے اس طرح دلچسپی لیتا تھا۔ جیسے کوئی شکار سے لیتا ہے۔ کیسا ہی خوفناک موقع ہو، کیسے ہی لرزہ خیز حالات ہوں۔ ضرغام کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی تھی۔ خوف کیا چیز ہے، اور دہشت کسے کہتے ہیں؟ ضرغام نے یہ معلوم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ ڈرنا اور جھجکنا ضرغام کی شجاعت اور دلیری کے لئے باعث ننگ تھا، کسی سے مرعوب اور متاثر ہونا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

لیکن آج ــــــ ؟

آج ایک کمزور و نحیف الجثّہ عورت ــــ بانو ــــ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ نہ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا، نہ شمشیر نہ اس کے پاس مصلح فوج تھی نہ جنگی اسلحہ، نہ یہ کوئی پہلوان تھی، نہ سپاہی۔

"لیکن ضرغام کانپ رہا تھا"

اس کی زبان یاری نہیں دیتی تھی کہ کچھ کہے ــ!

اس میں یہ سکت نہیں تھی کہ اس سے آنکھیں چار کر سکے۔

بانو خاموش کھڑی تھی ــ!

خود اس کے دل میں بھی ایک ہل چل مچی ہوئی تھی۔ اس نے ضرغام سے ملنے اور باتیں کرنے کے کیسے کیسے پروگرام بنائے تھے! لیکن اب وہ سامنے ہے۔ اور زبان

نہیں کھلتی اب وہ محسوس کر رہی تھی۔ کہ کہنے سننے کا اس نے جو پروگرام بنایا تھا وہ غلط تھا، وہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔

کچھ دیر تک یہی کیفیت طاری رہی۔ آخر ضرغام نے ہمت سے کام لیا۔

"کتنے دنوں کے بعد آج ہم ملے ہیں۔"

بانو:۔ "ہاں ——— ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ایک مدّت بیت گئی ہے۔"

ضرغام:۔ "اس عرصہ میں آپ کی کوئی خیریت نہ معلوم ہو سکی۔"

بانو:۔ "آپ! نہیں ضرغام" مجھے آپ نہ کہو، اس طرح نہ مخاطب کرو، جیسے میں بڑی ہوں اور تم چھوٹے!"

ضرغام:۔ "کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔"

بانو:۔ "بالکل نہیں۔"

ضرغام:۔ "یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔ کہاں دوشیزہ فرغانہ دخترِ مرزبان کہاں ایک غریب مفلوک الحال اور آشفتہ بخت انسان ضرغام ——— !

"آپ میری آقا ہیں، مالک ہیں۔ میں آپ کا غلام ہوں، چاکر ہوں، خادم ہوں۔"

بانو:۔ "اگر آقائی اور غلامی ضروری ہے، تو پھر تم میرے سرتاج ہو، اور میں تمہاری باندی ہوں ——— اس لئے نہیں کہ تم خلیفۂ وقت کے قریب بارگاہ، اور معتمد و امین ہو، یا اس کی نگہبان فوج کے سردارِ اعلےٰ ہو، اس لئے بھی نہیں کہ تم بہادر اور شجاع ہو۔ بلکہ صرف اس لئے کہ تم میرے قلب کے مکین ہو، دل میں صرف تم ہی بسے ہو، روح کی گہرائیوں میں صرف تمہارا ہی نقش ہے۔ قلب و دماغ پر صرف ایک وجود ہے۔ جس کی حکمرانی اور فرماں روائی ہے، وہ ضرغام ہے، ——— تم کیا ہو؟ میری نظر میں تمہاری شخصیت کیا

ہے؟ الفاظ نہیں ملتے کہ بیان کر سکوں، نہایت ناقص الفاظ ہیں، کسی حد تک اگر اپنے مفہوم کو ادا کر سکتی ہوں تو صرف اس طرح کہ آقا تم ہو، اور باندی میں!

ضرغام:۔ "نہیں یہ نہ کہیئے، اگر میں آقا ہوں تو آپ شرافت اور انسانیت کی دیوی ہیں ۔ جس کے آگے سجدہ کرنا جائز ہے۔ ایک غریب اور ناقابلِ التفات شخص پر یہ کرم ——— کس منہ، اور کس زبان سے شکریہ ادا کروں؟"

بانو:۔ "ہم دونوں ایک عرصہ تک ساتھ رہ چکے ہیں، اور ایک ہی گھر میں، ایک ہی جگہ، ایک ہی ماحول میں"

ضرغام:۔ "ہاں مجھے وہ دن یاد ہیں، جب میں یہاں تھا، وہ صحبتیں یاد ہیں جو ہم دونوں کے مابین برپا ہُوا کرتی تھیں۔ وہ باتیں یاد ہیں۔ جو ہم کیا کرتے تھے"

بانو:۔ (مسکراتے ہوئے) ان باتوں کی نہ ابتدا تھی نہ انتہا۔

ضرغام:۔ "نہ کوئی موضوع تھا، نہ عنوان"

بانو:۔ "وہ بھی عجیب دَور تھا زندگی کا"

ضرغام:۔ "عجیب بھی، اور شاندار و یادگار بھی، وہ زمانہ گیا، اب پلٹ کر نہیں آسکتا ——— آہ، وہ ماضی"

بانو:۔ "یہ کیوں کہتے ہو پلٹ کر نہیں آسکتا۔ ہم تم مل کر جب بیٹھیں گے ایک نیا زمانہ پیدا ہوگا"

ضرغام:۔ "ہاں سچ کہتی ہیں آپ!"

بانو:۔ (تیوری چڑھا کر) پھر آپ۔

ضرغام:۔ (ہنستے ہوئے) اچھا تم سہی،

بانو:۔ "ہاں اب آئے تم راہ پر ——— میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے میری اور

تمہاری یہ دوئی، صرف فریب نگاہ ہے، ورنہ حقیقتاً ہم دونوں ایک ہیں۔ ہماری رُوح بھی ایک ہے، دل بھی ایک، دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی، ہم میں تفرقہ نہیں پیدا کر سکتی، ہمارے راستہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، اور اگر کوئی ایسی جرأت کرے، تو نحیف و ناتواں کے باوجود اس سے ٹکر لینے کی سکت پاتی ہوں اپنے اندر۔"

ضرغام:۔ "یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا، کہہ نہیں سکتا تھا۔"

بانو:۔ "کیوں ——؟"

ضرغام:۔ "وہ خود اعتمادی کہاں سے لاتا جو تمہارے اندر موجود ہے۔"

بانو:۔ "تم اور خود اعتمادی سے محروم؟"

ضرغام:۔ (تاثر کے عالم میں) حالات ہوتے ہیں بانو۔

بانو:۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کن حالات کی طرف اشارہ کر رہے ہو؟"

ضرغام:۔ "تم نے کتنے اعتماد کے ساتھ کہا، دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی ——؟"

بانو:۔ ہاں —— اور یہ الفاظ میرے دل کی گہرائی سے نکلے ہیں۔

ضرغام:۔ بیشک —— لیکن کیا یہی الفاظ اسی قوت اور شدت کیساتھ میں بھی کہہ سکتا ہوں؟

بانو:۔ "کیوں نہیں کہہ سکتے —— خود نہ کہنا چاہو تو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔"

ضرغام:۔ "خود نہ کہنا چاہوں، یہ تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ میری رُوح چیخ چیخ کر جو دعوے کر رہی ہے۔ وہ یہی ہے۔ میں نے تم سے محبت کی ہے، تمہارے عشق میں سرشار ہوں، میری گردن کاٹی جا سکتی ہے۔ لیکن مجھے محبت کے راستہ سے منحرف نہیں کیا جا سکتا۔ میرا دل نیزہ اور خنجر سے چھیدا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں سے تمہاری محبت نہیں کھرچی جا سکتی۔ میری زندگی صرف اس لئے ہے کہ تمہیں پاؤں، اور اگر نہ پا سکوں تو پھر موت سے بہتر ہمدم رفیق

نہیں ـــــ لیکن اس کے باوجود جس اطمینان و اعتماد کے ساتھ تم نے وُہ الفاظ کہے، میں انہیں دہرا بھی نہیں سکتا۔"

بانو:۔" وہی تو پوچھتی ہوں کیوں؟ ـــــ کس لئے؟"

ضرغام:۔" فرقِ مراتب کے باعث ـــــ میں جانتا ہوں، تم کتنے اونچے درجے پر فائز ہو، اور میں کتنے پست مقام پر کھڑا ہوں، تم سب سے بڑے اور دولت مند خاندان کا چراغ، میں ایک ـــــ"

بانو:۔" یہ باتیں نہ کرو۔"

ضرغام:۔" اچھا خاموش ہوا جاتا ہوں۔"

بانو:۔" آخر تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ محبّت میں فرقِ مراتب کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر ہے بھی تو میں اسے ٹھکراتی ہوں۔ اور سچ پوچھو تو ہو بھی کس طرح سکتا ہے۔ یا وہ کون ہے جو تمہاری شرافت پر حرف رکھ سکے، کیا شرافت سے بڑھ کر بھی کوئی درجہ انسانیت کا دنیا میں ہوتا ہے؟"

ضرغام:۔" تم ٹھیک کہتی ہو"

بانو:۔" وعدہ کرو، اب ایسی باتیں نہیں کرو گے"

ضرغام:۔" تعمیلِ حکم میری عادت ہے، ہمیشہ سے تمہارے حکم مجھ پر چلتے رہے ہیں، اور ہمیشہ چلتے رہیں گے ـــــ وعدہ کرتا ہوں ـــــ میں نے تو اپنی روح تمہیں سونپ دی ہے۔"

بانو:۔" لیکن میری روح پر قبضہ کر کے ـــــ بڑا اچھا حساب کتاب جانتے ہو۔"

ضرغام:۔" محبت کی دنیا میں حساب کتاب نہیں ہوتا، بالکل نہیں ہو سکتا، تم میری ہو، میں تمہارا ہوں ـــــ شاید اسی دن سے جب یہ دنیا پیدا ہوئی تھی۔ شاید اس وقت تک

جب دنیا نہ رہے گی۔"

اتنے میں خیزران آئی، اس کے چہرے پر انقباض اور تکدر کے آثار تھے، اس نے کہا۔

"وہ ساماں مرزبان کے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔"

بانو نے پوچھا۔

"کیا موبد بھی اس کے ساتھ ہے؟"

خیزران نے جواب دیا۔

نہیں موبد تو نہیں، وہ اکیلا ہی ہے۔!

بانو:۔ "تو میں کیا کروں جانے دو۔"

خیزران:۔ "نہیں آقا نے منع کیا ہے، انہوں نے سختی سے ہدایت کر دی ہے۔ کہ اندر کسی کو نہ آنے دیا جائے۔"

ضرغام بیچ میں بول پڑا۔!

"لیکن ساماں ——— کسی —— میں تو شامل نہیں ہے۔"

خیزران:۔ "آپ بجا فرماتے ہیں۔ لیکن انہوں نے خاص طور پر جس شخص کے لئے ممانعت کی ہے۔ وہ ساماں ہی ہے ——!"

ضرغام:۔ "شاید کچھ خفا ہیں اس سے؟"

بانو:۔ "ہاں بہت زیادہ، اور ان کی حرکتیں بھی ایسی ہی ہیں۔ کل سے وہ کہہ رہے ہیں، موبد کو بلا لاؤ جا کر، لیکن کون سنتا ہے۔ اور ہاں تم نے وردان کو بھیجا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟"

ضرغام:۔ "وہ ناکام نہیں لوٹے گا، یہ میں یقین دلاتا ہوں۔ بس آتا ہی ہو گا۔ موبد صاحب کو لے کر۔"

بانو:۔ "ذرا اباجان کے پاس جاکر دریافت حال کر آؤں ——————
—— ابھی آئی!"

باب ۔ ۲۲

رازونیاز

ضرغام مہمان خانہ میں اپنا سامان ٹھیک کرنے لگا ۔ اور بانو، مرزبان کے پاس چلی گئی ۔ دروازے پر اس نے دیکھا کہ سامان کھڑا، دربان سے جھگڑ رہا ہے ۔ وہ اندر جانے نہیں دیتا ۔ اور یہ بضد ہے کہ جائے گا، اور ضرور جائے گا، بانو آگے بڑھی ۔ اور سامان سے کہا ۔

کیا بات ہے، جھگڑ کیوں رہے ہو ۔

سامان :۔ "دربان کا بچہ مجھے اباجان کے پاس نہیں جانے دیتا ۔ یہ کون ہوتا ہے مجھے روکنے والا، میں ضرور جاؤں گا ۔"

بانو :۔ "دربان کی کیا مجال ہے کہ خود سے روکے؟ کیا وہ تمہارا مقام نہیں پہچانتا ۔"

سامان :۔ "اس بدتمیز سے پوچھو ۔"

بانو :۔ "پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، ضرور اباجان نے منع کیا ہوگا ۔"

دربان :۔ "جی ہاں، میرے آقا نے سختی سے ہدایت کی ہے ۔ کہ سامان کو اندر نہ آنے دیا جائے ۔"

بانو:۔ "(ساسان کی طرف دیکھ کر) اب بھی تم اسے ملزم قرار دو گے؟"

ساسان:۔ "بہر حال میں تو جاؤں گا۔"

بانو:۔ "پھر چلے جانا، باپ کی خدمت میں حاضری سے زیادہ اچھا کام اس کی اطاعت ہے۔ وہ بیمار ہیں۔ بستر کی علالت پر دراز ہیں۔ بیماری میں تو دل قدرتاً چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ تمہیں صبر کرنا چاہیئے۔ نہ کہ ان کے سر پر کھڑے چیختے رہو۔"

ساسان:۔ "تو کیا میں چلا جاؤں۔"

بانو:۔ "ہاں —— پھر آجانا، خدا ابا جان کو سلامت رکھے، تم بیٹے ہو، وہ باپ ہیں، تفرقہ تو نہیں پڑ سکتا، تم دونوں ہیں اس وقت خفا ہیں۔ پھر خاموش ہو جائیں گے۔"

ساسان:۔ "لوگ میرے خلاف سازش کر رہے ہیں، چاہتے ہیں وہ مجھ سے ہمیشہ خفا رہیں۔"

بانو:۔ "یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ کسی کو تم سے دشمنی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

ساسان:۔ "تم نہیں جانتیں ——"

بانو:۔ "اچھا یہ ذکر چھوڑو —— بتاؤ موبد کو لائے؟"

ساسان:۔ "نہیں ——"

بانو:۔ "اور پھر چاہتے ہو کہ اس نافرمانی کے باوجود ابا جان تم سے خوش رہیں؟ —— کیا تم نہیں جانتے تمہارے خالی خولی، بغیر موبد کے چلے آنے سے کتنے برہم ہوں گے؟"

ساسان:۔ "میں گیا تھا، مگر ملاقات نہیں ہوئی اس سے۔"

بانو:۔ "باتیں نہ بناؤ ڈھونڈنے والا خدا کو بھی ڈھونڈھ لیتا ہے۔ تم موبد کا سراغ نہیں لگا سکے۔ جو یہیں اس شہر میں ہے۔"

ساسان:۔ "میں اسے لانا بھی نہیں چاہتا۔"

بانو:۔ "یہ کس لئے ؟"

سامان:۔ "اس کا یہاں آنا میرے ——— میرے مستقبل —— اور میری زندگی کے لئے سفر ہے ۔"

بانو:۔ اچھا اب وہ بھی بُرا ہو گیا، تمہارا اس لئے تو بڑا ربط ضبط تھا ——— !

سامان:۔ وہ میری غلطی تھی ۔

بانو:۔ تمہاری غلطیوں کی سزا، ابّا جان کیوں بھگتیں ؟

اتنے میں کمرہ کے اندر سے مرزبان کی آواز آئی۔

" سامان یہاں ہرگز نہیں آسکتا ——— بیٹی بانو تو آجا ۔"

بانو نے سامان سے مخاطب ہو کر کہا۔

" اس وقت تم چلے جاؤ، ابّا جان کے مزید غصّہ کا سبب نہ بنو، اس کا اثر ان کی صحت پر پڑے گا۔"

سامان:۔ لیکن میری تو زندگی پر پڑ رہا ہے ۔

بانو:۔ اگر یہ بات ہے تو بھی، ابّا جان کی صحت کا مقابلہ میں میری، تمہاری ہم سب کی زندگی ہیچ ہے ۔ وہ ہیں تو ہم بھی ہیں ۔ وہ نہ رہے تو ہم کہاں رہیں گے ۔

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر، وہ باپ کے کمرہ میں پہنچی، یہاں مرزبان کے سامنے اُس کا منشی بیٹھا ہوا تھا ۔ اور اس کے سامنے بہت سے کاغذات کا ڈھیر تھا۔ قلم دوات بھی موجود تھا، مرزبان، بستر پر تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر تکدر اور برہمی کے آثار تھے ۔ جب اس کی نظر بانو پر پڑی ۔ تو وہ غصّہ کو بھول کر مسکرانے لگا ۔ باپ کو مسکراتا دیکھ کر بانو بھی پھول کی طرح کھل گئی ، اس کے پاس پہنچی ۔ اس کے ہاتھ چومے ،

اور سوال کیا۔

"آباجان اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟ آپ فکر مند نہ ہوا کریں!"

مرزبان:۔ اچھا ہوں بیٹی، مگر یہ کمبخت سامان، چین نہیں لینے دیتا۔!

یہ کہہ کر، بانو کو اپنے سینہ سے لپٹا لیا، اور بڑی دیر تک اس کا سر اپنے کمزور ہاتھوں سے سہلاتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد بانو نے اپنی گردن پر آنسوؤں کے گرم گرم قطرے گرتے محسوس کئے، وہ کانپ گئی اور بے تابی کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھ گئی، اس نے کہا۔

"آباجان آپ رو رہے ہیں؟"

مرزبان نے آنسو پونچھ لئے۔

"نہیں بیٹی، جسے خدا نے تجھ جیسی اولاد دی ہو، اُسے رونے سے کیا سروکار؟——

بیٹی میں اچھا ہوں۔ اب تو کچھ توانائی بھی محسوس کرنے لگا ہوں، بہت جلد نئے سرے سے، بندوبست کر جاؤں گا۔ کہ میرے مرنے کے بعد تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی!"

یہ کہہ کر اُس نے منیم (منشی) سے کہا۔

"اس وقت جاؤ پھر بلاؤں گا کسی وقت، ذرا میں اپنی بچی بانو سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں ——ہاں جاتے وقت دروازہ بھیڑ دینا کہ کوئی اندر نہ آجائے، اور ہماری باتوں میں مخل ہو، اور اگر سامان کھڑا ہو، تو اُسے کان سے پکڑ کر باہر نکال دو ابھی سیا

بانو نے کاغذات کے اس انبار کو دیکھ کر باپ سے پوچھنا چاہا۔ کہ یہ دستاویزیں کس قسم کی ہیں؟ مگر پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو رہی۔

مرزبان نے بانو سے کہا۔

"ذرا دیر بیٹھا اور تھک گیا، اب چل چلا کا وقت آگیا ہے، مجھے تمہارے——"

حاجب :۔ لیکن وہ اکیلے نہیں ہیں۔

مرزبان :۔ اس کے ساتھ کوئی آیا ہے، کون ہے وہ ؟

دربان :۔ افشین !

افشین کا نام سنتے ہی مرزبان کا چہرہ روشن ہوگیا، واقعی ؟ ـــــ کیا ؟ موبد کے ساتھ افشین بھی آیا ہے ؟

حاجب :۔ جی ـــــ اور وہ دونوں باریابی کے منتظر ہیں !

بانو نے افشین کا نام سنا، تو اس کی روح جل گئی۔ انقباض اور تکدر کے آثار چہرے پر نمایاں ہو گئے، اس کا بس ہوتا، تو یہاں سے بھاگ جاتی، اور اس سے آمنا سامنا نہ کرتی، لیکن باپ سے مجبور تھی۔

مرزبان نے حاجب سے کہا۔

"جاؤ ان دونوں کو لے کر میرے پاس آؤ !"

پھر بانو سے کہا۔

" بیٹی تجھے اختیار ہے، جی چاہے بیٹھ، جی چاہے اپنے مہمان صرغامس کی مدارات کرو، جب تک یہ لوگ چلے نہ جائیں، غیر سے باتیں تو ہو نہیں سکتیں "

بانو نے کہا۔

" تو پھر مجھے اجازت دیں، میں جاتی ہوں "

یہ کہہ کر وہ چلی آئی۔

جیسے ہی وہ باہر نکلی، موبد اور افشین اندر پہنچے، مرزبان کے سامنے بت رکھا تھا، موبد اور افشین نے پہلے اس کے آگے سرِ عقیدت خم کیا، پھر آکر مرزبان کے پاس بیٹھ

میری بچّی ــــ

بانو نے جلدی سے بستر ٹھیک کیا۔ کمر کے نیچے سے گاؤ تکیہ ہٹایا اور اسے آرام سے بستر پر لٹا دیا۔

مرزبان نے کہا۔

"دیکھا تو نے؟ سامان پھر اکیلا آیا، موبد کو نہیں لایا، اصل میں وہ اسے لانا بھی چاہتا ہے۔ لیکن میں بھی اس کا باپ ہوں، وہ ڈال ڈال میں پات پات، کنجی بہر حال میرے ہاتھ میں ہے!"

بانو!،

"ابا جان آپ پریشان نہ ہوں۔ ضرغام نے وردان کو موبد کے پاس بھیجا ہے۔ اور وہ اُسے لے کر آتا ہی ہوگا۔"

بانو نے اس وقت ضرغام کا ذکر عمداً چھیڑ دیا کہ شاید اس طرح اس کے کچھ اثرات ضرغام کے بارے میں صحیح ہو سکیں۔

مرزبان:۔ ہاں وہ بڑا اچھا لڑکا ہے، میں اس سے مل کر بہت خوش ہوں، کاش سامان کی بجائے وہ تیرا بھائی ہوتا۔

باپ کے اِن کلمات سے بانو کی روح خوش ہوگئی۔ اس نے چاہا کہ ضرغام کا ذکر کچھ اور چھیڑے، اتنے میں دربان آیا اور اس نے کہا۔

"موبد دروازے پر موجود ہے ــــ"

موبد کا نام سُنکر جان میں جان آئی۔

مرزبان:۔ جاؤ اسے فوراً لے کر آؤ۔ میرے پاس میں اس سے ملنے کے لئے بیتاب ہوں۔

گئے، مرزبان نے جوش اور تپاک کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا، افشین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا،

"کب سے انتظار کر رہا ہوں، مگر تم تو عید کا چاند بن گئے ہو؟"

افشین نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت ضروری کاموں میں اُلجھا ہوا تھا، اس لئے دیر ہوئی، آج ہی فرغانہ پہنچا ہوں، اور دیکھئے فوراً حاضر خدمت ہو گیا ــــ کہئے مزاج کیسا ہے، میں نے سنا ہے کچھ بیمار ہیں آپ؟"

مرزبان:۔ حال جو کچھ ہے دیکھ رہے ہو، ــــ زندگی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا۔

افشین:۔ نہیں نہیں، آپ اچھے ہو جائیں گے، مایوس کیوں ہوتے ہیں؟

مرزبان:۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں، میری حالت کیا ہے؟ بہر حال ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے، تمہیں ایک خاص ضرورت سے میں نے بلایا ہے۔!

افشین:۔ میں آپ کا خادم ہوں، ارشاد فرمائیے، بسر و چشم تعمیل کروں گا۔ اور یہ میری سب سے خوش بختی ہوگی!

مرزبان:۔ تم ایسے وقت آگئے کہ نہایت تشدد کیساتھ تمہاری موجودگی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

افشین:۔ تو بس میں حاضر ہوں،

افشین کی طرف سے توجہ ہٹا کر مرزبان کے ادب و احترام کا آئین پورے طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے شکوہ آمیز لہجہ میں کہا۔

"کتنی مرتبہ آپ کو یاد کر چکا ہوں، پیغام بھیج چکا ہوں۔ آدمی دوڑا چکا ہوں۔ لیکن

آپ کو نہ آنا تھا۔ نہ آئے اور حال یہ تھا کہ میں جان سے گزر رہا تھا"

موبد:۔ آپ نے بلایا تھا مجھے؟

مرزبان:۔ جی ہاں، مگر نہ آپ کا سُراغ آتشکدہ میں چلا، نہ گھر پر، آدمی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تھک ہار کر واپس آگیا۔

موبد:۔ کسے بھیجا تھا آپ نے مجھے بلانے کے لئے؟

مرزبان:۔ سامان کو،

موبد:۔ نہیں میرے پاس کوئی نہیں آیا ——— بالکل غلط!

مرزبان:۔ تو سامان جھوٹ ہی بولتا رہا۔

موبد:۔ بالکل جھوٹ ——— تین دن سے میں آتشکدہ سے باہر ایک منٹ کے لئے بھی نہیں نکلا ہوں، عید کی وجہ سے لوگ پکڑتے آرہے ہیں۔ انہیں برکت دینے، عبادت کرانے، اور دوسری مذہبی رسموں کے سلسلہ میں مجھے قدم نکالنے کا بھی موقعہ نہ ملا۔ لوگ ہیں کہ کونے پکڑ رہے ہیں۔ کوئی مقدس آگ کی چنگاریاں لے رہا ہے۔ کوئی ایفائے نذر کے سلسلہ میں، میرا حاجت مند ہے۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جا سکتا تھا کہیں؟

مرزبان:۔ ہاں بات تو یہی ہے، سامان نے غلط بیانی سے کام لیا پھر ———

موبد:۔ اور کیا ——— دیکھئے گا اسی وقت آپ کا آدمی پہنچا۔ جیسے ہی اس نے کہا آپ بلاتے ہیں۔ میں سارے کام چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور فوراً حاضر خدمت ہوگیا!

مرزبان:۔ ممنون ہوں آپ کی اس کرم گستری اور بندہ نوازی کا!

موبد:۔ یہ آپ کیا کہتے ہیں، آپ ان خدمات، اور کارناموں کے لحاظ سے ہم سب کے مخدوم ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے ہم میں سے کسی کو آپ یاد کریں اور وہ سر کے بل نہ حاضر ہو۔

مرزبان :۔ (دانت پیستے ہوئے) یہ کمبخت سامان واقعی ناخلف ہے۔ واقعی آپکے پاس نہیں گیا۔ امد جھوٹ بولا، وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ اس کا جھوٹ پوشیدہ رہے گا۔ لیکن کھُل گیا —— خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ وقت مکافات آگیا ہے! —— اور یہ میرا دوست اور بھائی، افشین گواہ بنے گا،

پھر مرزبان نے تالی بجائی، حاجب فوراً حاضر ہوُا، مرزبان نے اس سے کہا۔

دروازہ باہر سے بند کرلو، کوئی بھی آنا چاہے، تو اسے ہرگز اندر مت آنے دو ——

البتہ اگر بانو آنا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، وہ آسکتی ہے ——!

حاجب نے سر جھکا کر یہ باتیں سنیں، اور تعمیل ارشاد کے لئے چلا گیا!

باب - ۲۳

عہد و پیمان

باپ کے کمرہ سے نکل کر، بانو سیدھی ضرغام کے پاس مہمان خانہ میں پہنچی۔ وہ دروازے پر کھڑا اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ ضرغام کو اپنا منتظر دیکھ کر اس کے وہ تمام تفکرات ختم ہو گئے۔ جو افشین کو اور مرزبان کی طرف سے اس کا پتہ نیاک خیر مقدم دیکھ کر پیدا ہوئے تھے سامان اور مرزبان کی باہمی رنجش اور تلخی نے بھی اسے پریشان کر رکھا تھا لیکن ضرغام کے مسکراتے ہوئے چہرے نے اُسے ایک دوسری اور نئی دنیا میں پہنچا دیا۔ وہ اسے دیکھ کر سب کچھ بھول گئی۔

جب وہ قریب آگئی، تو ضرغام نے بڑی محبت سے اسے مرحبا کہا اور دریافت کیا۔

" والد کا مزاج کیسا ہے ؟"

بانو:۔ صبح کے مقابلہ میں اس وقت طبیعت زیادہ بہتر ہے ——— آج تمہارا ذکر بھی بڑے چاؤ اور محبت سے کرتے رہے۔

ضرغام:۔ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔

کیا کہہ رہے تھے ؟

بانو:۔ اس تمنّا کا اظہار کر رہے تھے کہ کاش سامان کی بجائے تم ان کے لڑکے ہوتے!

ضرغام:۔ اچھا ——!

بانو:۔ ہاں —— کہنے لگے، اگر سامان کی بجائے ضرغام تمہارا بھائی ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا، اب میں انہیں کیا بتاتی کہ ضرغام جس منزل پر ہے وہ اس رشتہ سے اونچی ہے'!

ضرغام:۔ (بے انتہا متاثر ہو کر) بانو تمہاری یہ باتیں میرے دل کو نہ جانے کہاں پہنچا دیتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پر لگ گئے ہیں۔ اور میں انتہائی اونچا اڑ رہا ہوں، یہ دُنیا اور یہاں کے رہنے والے پست ہو گئے ہیں۔!

بانو:۔ وہ تو یہیں ہیں۔

ضرغام:۔ واقعہ یہ ہے کہ میں کچھ نہ تھا، تم نے مجھے سب کچھ بنا دیا۔

بانو:۔ یہ نہ کہو، تم کچھ نہ ہوتے تو بانو کے دل کا مرکز نہ بنتے ——! (ٹھنڈی سانس لے کر) کیا تمہیں افشین اور موبد کے آنے کا علم ہے!

ضرغام:۔ کیا یہ دونوں آئے ہیں —— افشین بھی؟

بانو:۔ ہاں وہ کمبخت بھی نہ جانے کیوں اس نام سے مجھے نفرت ہے۔

ضرغام:۔ لیکن یہ کیسے آ گیا؟ یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

بانو:۔ وردان آیا؟

ضرغام:۔ نہیں اب تک نہیں آیا، وہ ہوتا تو شاید کچھ معلومات حاصل ہوتے!

بانو:۔ آنا ہو گا، آجائے گا۔

ضرغام:۔ افشین سے تم اتنی متنفر اور بے زار کیوں ہو؟

بانو:۔ وجہ تو ابھی نہیں بتا سکتی یہ واقعہ ہے کہ سخت نفرت کرتی ہوں، کم از کم جب تک

ابّا جان زندہ ہیں ۔ اس سے خائف ہونے کی وجہ نہیں ، خدا نہ کرے وہ نہ رہے ، تب دیکھا جائے گا ،

ضرغام :۔ (ایک جذبہ کے ساتھ) اس کے بعد بھی وہ اُس وقت تک تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ، جب تک (تلوار میان سے نکال کر) میں زندہ ہوں ۔

بانو :۔ میری زندگی تم ہی تو ہو ، میں بھی تو تمہارے ساتھ ہوں ۔

ضرغام :۔ لیکن یہ دونوں ہیں کہاں ، !

بانو :۔ وہ ہیں ابّا جان کے کمرہ میں ،

ضرغام :۔ کچھ راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں ؟

بانو :۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے ، کیونکہ ابّا جان نے خلوت کا حکم صادر کر دیا ہے ، اور حاجب کو سخت تاکید کر دی ہے کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے ، صرف میرے بارے میں اتنی اجازت ہے کہ اگر چاہوں ، تو بیٹھ سکتی ہوں ،

ضرغام :۔ پھر تم کیوں چلی آئیں ،

بانو :۔ کیا کرتی بیٹھ کر ، مجھے وہاں کی باتوں سے تمہاری باتوں کے مقابلہ میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ؟

ضرغام :۔ شکریہ

بانو :۔ سچ کہو کیا تم بھی مجھے اتنا ہی یاد کرتے تھے ۔ جتنا میں تمہیں یاد کیا کرتی تھی ؟

ضرغام :۔ اگر انکسار کروں تو میرا جواب ہو گا ، ہاں —— اگر سچ سچ کہو ، تو یہ کہنا پڑے گا ۔ اس سے زیادہ !

یہ سُنکر بانو کی باچھیں کھل گئیں ۔ کہنے لگی !

"عجیب طرح کی باتیں کرتے ہو!"

ضرغام:۔ دل کی کہانی سناتا ہوں ــــ کہیں یہ عجیب ہے، کہیں دلچسپ، کہیں مسرّت بخش ہے، کہیں الم انگیز!

بانو:۔ ارمزد نے چاہا تو اب مسرّت کا نہ ختم ہونے والا دور شروع ہوگا۔ غم کے بادل چھٹ جائیں گے۔

ضرغام:۔ ایک بات پوچھوں بُرا تو نہ مانو گی ــــــ؟

بانو:۔ (مسکرا کر) ضرور بُرا مانوں گی، ہرگز نہ کہو ــــــ

کہتے کیوں نہیں؟ لیکن میں سمجھ گئی، کیا کہنا چاہتے ہو، کہو تو بتا دوں ــــ؟

ضرغام:۔ ضرور بتاؤ،

بانو:۔ "میرے منہ سے ارمزد کا نام سُنکر تم چونک پڑے۔ اس لئے کہ تم ارمزد کو نہیں مانتے، خدا کو مانتے ہو! ــــ کیوں یہی نا؟ ــــ"

ضرغام:۔ خوب سمجھیں، واقعی یہی بات ہے۔

بانو:۔ اس کی فکر نہ کرو، میں نے طے کر لیا ہے کہ اسلام قبول کر لوں گی،

اس لئے کہ نہ دنیا میں تمہارا فراق مجھ سے برداشت ہو سکتا ہے۔ نہ عقبیٰ میں اگر یہ دین نہیں قبول کرتی۔ تو صرف دنیا میں تم میرے رہو گے، عقبیٰ میں حوریں تمہیں مجھ سے چھین لیں گی ــــ!

ضرغام ہنسنے لگا۔

ضرغام:۔ اچھا آپ کو اس کی فکر بھی ہے!

بانو:۔ کیوں نہ ہو؟

ضرغام:۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم اسلام کو جانتی ہو ؟

بانو:۔ جب نہیں جانتی ہوں، تو اسلام کو کیسے نہ جانوں گی، مجھے تو واقعی اسلام بہت زیادہ سچا اور اچھا مذہب نظر آتا ہے۔ اسلام کے اصولوں کا مجوسیوں کے اصولوں سے مقابلہ کرتی ہوں، تو خود سر عقیدت اسلام کے سامنے جھک جاتا ہے!

ضرغام:۔ (خوش ہو کر) کیا تم مسلمان ہو چکی ہو؟

بانو:۔ دل سے ــــــ زبان سے ابھی نہیں اس میں ابھی کچھ دیر لگے گی!

ضرغام:۔ تم نے میرے دل کا بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔

بانو:۔ اگر میں اسلام کی پرستار نہ بنتی تو کیا تم مجھ سے محبت نہ نبھاتے؟

ضرغام:۔ ضرور نبھاتا، زندگی کے آخری سانس تک نبھاتا، اسلام مذہب کے معاملہ میں جبر نہیں روا رکھتا۔!

بانو:۔ اچھا جناب کوئی اور سوال؟

ضرغام:۔ ہاں ایک بات اور ــــــ

بانو:۔ تو وہ بھی کہہ ڈالو جلدی سے!

ضرغام:۔ تم جانتی ہو، میری بوڑھی اور بیمار ماں سرزمین عراق کی عاشق ہے۔ وہ اس سرزمین کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہتی پھر کیا ہو گا؟ ــــــ کیا اس بڑھاپے اور بیماری میں اسے زندہ درگور کرنا پڑے گا مجھے؟

بانو:۔ کیسی باتیں کہنے لگے تم ــــــ میری دنیا تم ہو ــــــ جہاں تم ہو وہاں میں، خواہ وہ عراق ہو یا ایران،

کوہ الوند ہو یا صحرائے افریقہ ــــــ ذرا ذرا سی باتوں پر پریشان اور افسردہ

نہ ہوا کرو۔

ضرغام:۔ میں نہیں کہہ سکتا تمہاری ان باتوں نے مجھے کتنا مسرور کیا ہے۔یا ——— اگر یہ کہوں کہ آج تم نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا ——— تم نے میری آرزو پوری کر دی۔

بانو:۔ (متبسم ہو کر) میری تعریف میرے منہ پر زیادہ نہ کرو، ورنہ میں خفا ہو جاؤنگی۔!

ضرغام:۔ میں اسے گوارا کروں گا، مجھے تمہارا غصّہ بھی اتنا ہی پیارا ہے۔ جتنا تمہارا تبسم!

باب ۔ ۲۴

بسترِ مرگ

بڑی دیر تک دونوں اسی طرح باتیں کرتے رہے، دونوں نے اپنا اپنا دل ایک دوسرے کے سامنے کھول کر رکھ دیا، یکایک ضرغام کو کوئی بات یاد آ گئی، اس نے کہا۔

"جس وفد کے ساتھ میں آیا ہوں۔ اس سے اب تک نہیں ملا۔ اسے ضروری ہدایات دے کر ابھی آیا!"

بانو نے جانے کی اجازت دے دی، لیکن تاکید کر دی کہ جلد آنا، یہ وعدہ کر کے وہ چلا گیا، اور بانو پھر اپنے خیالات میں کھو گئی۔!

مرزبان کی حالت دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ بچ نہیں سکتا۔ ضرغام اگر نہ آتا، تو یہ تشویش اس کا نہ جانے کیا حال کر دیتی۔ کیونکہ اس کے اعصاب کمزور تھے، اور وہ بہت زیادہ حساس تھی۔ ضرغام کی موجودگی نے اسے دوسری طرف متوجہ کر دیا، اس کی توجہ بٹ گئی، لیکن اب تھوڑی دیر بعد آنے کا وعدہ کر کے جو وہ باہر گیا تو بانو کے دل پر پھر اوہام وظنون نے قبضہ کر لیا۔ اس کی نگاہ تصور کے سامنے مرزبان کی بیمار اور نحیف صورت آ گئی۔ اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی!

"اگر خدا نخواستہ ابا جان چل بسے، تو کیا ہوگا؟"

پھر اس دنیا میں کون میری دست گیری اور پشت پناہی کرے گا؟

سامان ——— ! نہیں اس سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی وہ کہنے کو بھائی ہے، حقیقتاً دشمن، نہ اس سے خلوص کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ نہ دست گیری اور پشت پناہی کی، بہن کی حیثیت سے میں اس کا بہت زیادہ خیال رکھتی ہوں، ہمدردی کرتی ہوں اس کے کام آتی ہوں اس کے۔ لیکن وہ بھائی کی حیثیت سے نہ آج تک میرے کام آیا ہے، نہ آئندہ کبھی آسکتا ہے۔ میں تو پھر بہن ہوں، وہ باپ کے کام کب آتا ہے۔ جس کا وارث بنے گا، اور جس کا وارث بننے کے لئے وہ بے چین ہے!

"یہ سوچتے سوچتے، اس کی نظر فرش کی تصویروں پر پڑی!"

بہت سی تصویریں، بڑی خوبی سے کشیدہ کی گئی تھیں۔ یہ تصویریں جانوروں کی تھیں،

"شیر ببر کی تصویر دیکھ کر وہ مسکرانے لگی ———!"

"وہ ہر بات میں فال لینے کی عادی تھی۔ اس نے سوچا"

"جس طرح شیر کے سامنے کوئی دشمن نہیں ٹھہر سکتا، اسی طرح میرے شیر کے سامنے بھی کوئی مخالف نہیں ٹھہر سکے گا۔ ضرغام شیر ہی کو تو کہتے ہیں، میرا ضرغام مجھے ہر آفت اور مصیبت سے بچائے گا ——!"

"لیکن وہ اب تک آیا کیوں نہیں ———؟"

"اور پھر خود بخود وہ مسکرانے لگی۔"

"میں بھی کتنی احمق ہوں، ابھی غریب کو گئے ہوئے دیر کتنی ہوئی ہے، کہیں کوئی آدمی پلک جھپکتے میں آسکتا ہے؟ تھوڑی دیر میں آجائے گا —!"

پھر وہ سوچنے لگی۔

ابا جان موبد سے تخلیہ میں کس طرح گفتگو کر رہے ہیں؟ ضرور کوئی خاص بات ہے!

"موبدوں پر سے اس کا اعتقاد ہٹ چکا تھا۔ اسلام قبول کرنے پر اتنی آسانی سے جو وہ آمادہ ہو گئی تھی۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔ کہ زردشتی (پارسی) مذہب کے سربراہوں (موبدوں) کا کیریکٹر نہایت گھناؤنا اور مکروہ نظر آیا تھا۔ عام طور پر لوگ دین اپنی ماں کے پیٹ کے ساتھ لاتے ہیں۔ ماں باپ کو جس مذہب پر چلتے دیکھتے ہیں۔ غیر شعوری طور پر خود بھی اس کے پرستار بن جاتے ہیں۔ یہی معاملہ بانو کے ساتھ بھی ہوا، اس نے جس گھر میں آنکھ کھولی، دین زردشتی (پارسی) کا ماننے والا تھا۔ وہ بھی اس مذہب کی دل وجان سے پرستار بن گئی، لیکن جب اس نے اس مذہب کی عبادت گاہوں کا رنگ دیکھا، اور دیکھا کس طرح، یہاں گناہ و ثواب کی تجارت ہوتی ہے۔ کس طرح روپیہ لے کر لوگوں کے داغ، معصیت دھوئے جاتے ہیں۔ اور کس طرح روپیہ نہ دے سکنے پر لوگ غرق گناہ کر دیے جاتے ہیں۔ اور پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ ان موبدوں اور آتشکدوں کے پجاری، اور موبد اور سربراہ کتنے حریص اور لالچی ہوتے ہیں۔ کس طرح روپیہ پر جان دیتے ہیں۔ کس طرح لوگوں کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور پھر کیونکر راہ خدا میں دیا ہوا۔ یہ روپیہ اپنے عیش اور عیاشی پر اندھا دھند خرچ کر ڈالتے ہیں۔ تو اس کا دل کھٹا ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ موبدوں اور پجاریوں سے بھی نفرت ہو گئی۔ وہ بڑی سعید اور اطاعت مند لڑکی تھی۔ باپ کے نازک احساس کے پیش نظر اس طرح کی باتیں کبھی زبان پر نہیں لاتی۔ لیکن اس کے دل سے مذہب کے ان ٹھیکیداروں کی عظمت اٹھ چکی تھی۔ اور انہیں وہ عام آدمیوں سے بھی زیادہ گناہ گار اور داغدار سمجھتی تھی۔!

"پھر یک بیک اسے افشین یاد آگیا ——!"

" افشین کا نام بھی وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے تصور سے گھبراتی تھی۔ وہ غور کرنے لگی۔"

" افشین کا انتظار اس بے تابی کے ساتھ ابا جان کیوں کر رہے تھے ——؟"

" پھر اس بے تابی کا راز کیا ہو سکتا ہے؟ —— وہ مسلمانوں کی سلطنت کا رکن نہیں ہے۔ خلیفۃ المسلمین کے لشکر گراں کا سپہ سالار اعلیٰ ہے۔ ابا جان اس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں تو کیا یہ شخص ان کے کام آسکتا ہے ——؟"

" میں تو اس کی صورت پر موبد سے زیادہ مکر و فریب، اور شیطنت و خباثت کے آثار دیکھتی ہوں، خدا کرے کہ میرا خیال غلط ہو۔ لیکن مجھے تو اس میں کوئی بھلائی نظر نہیں آتی۔ کہیں یہ ابا جان کو کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے۔"

وہ بھولے بھالے اور سیدھے سادے آدمی ہیں۔

پہلے سے معلوم ہوتا، تو کسی طریقہ سے انہیں روکتی، اور افشین کو ان سے نہ ملنے دیتی۔

لیکن اب کیا کر سکتی ہوں؟ اس وقت تو وہ ان کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔

اتنے میں اسے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی، نظر اٹھا کر دیکھا تو خیزران ہانپتی آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور تشویش کے آثار تھے۔ اس حالت میں اسے آتا دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

" کیا بات ہے خیزران؟ —— خیر تو ہے؟"

وہ اپنی کیفیت پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی

" جی ہاں سب خیر ہی ہے —— چلئے جلدی چلئے آپ کو میرے آقا مرزبان نے

یاد کیا ہے "

یہ سُنتے ہی، بانو تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی، مرزبان کے کمرہ میں پہنچی، اتنی دیر میں وہاں کا نقشہ بدل چکا تھا۔ مرزبان کا بستر علالت، بستر مرگ میں تبدیل ہو چکا تھا، اس پر نزع کا عالم طاری تھا۔

مرزبان نے اسے دیکھتے ہی، جوش محبت سے بے قابو ہو کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ گر پڑے۔ وہ انہیں سنبھال نہ سکا۔ کچھ کہنا چاہا۔ لیکن آواز نہ نکلی، ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ چمک غائب ہو چکی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا۔ اب اس دنیا سے وہ رخصت ہوا ہی چاہتا ہے۔

بانو کے صبر و ضبط کا بند اب ٹوٹ گیا، وہ پکاری۔

" اباجان ——— "

اور پھر کچھ نہ کہہ سکی، اس کا گلا رندھ گیا، آواز بھرا گئی۔

مرزبان نے پھر کچھ کہنا چاہا، لیکن نہ کہہ سکا، آخر اس نے بڑی مشکل سے افشین کی طرف اشارہ کیا "

بانو نے افشین کی طرف دیکھا تو وہ ایک لفافہ ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ لفافہ دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی، بات چیت، یا پوچھ گچھ کا یہ موقعہ کب تھا ——— ؟

اس نے پھر باپ کی طرف دیکھا اس کی حالت لحظہ بہ لحظہ ردّی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ناک کا بانسہ بیٹھ چکا تھا۔ آنکھیں پتھرا چکی تھیں، سرد پسینہ آ رہا تھا۔ اور موبد، زردشت کے بت کے سامنے کھڑا، اس سے مرزبان کی صحت و توانائی کے لئے دُعا اور التجا کر رہا تھا۔ اس کے انداز سے صاف تصنّع اور دنیا داری آشکار تھی۔

بانو باپ کے پاس پہنچی، اس کا ٹھنڈا، اور لاچار ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ـــــ

اباجان ـــــ!

کی حسرت آمیز آواز کے سوا اس کے منہ سے کچھ نہ نکل سکا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، موبدنے اسے تسلی دی!

"بیٹی دعا کرو، خدا جو کچھ کرے گا اچھا کرے گا!"

بانو اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"خدا کو جو کچھ کرنا تھا کر چکا، اباجان اس دُنیا سے رخصت ہو گئے!"

یہ کہہ کر وہ باہر جانے کے لئے مڑی، لیکن دو قدم بھی آگے نہ جا سکی تیوا کر گری، اور بے ہوش ہو گئی۔!

باب - ۲۵

کیا یہ ایک راز تھا؟

جیسے ہی مرزبان کا انتقال ہوا، فوراً اس کی لاش کو غسل دیا گیا اور اسے سفید کپڑوں میں لپیٹ دیا گیا، اور ایک بڑے ایوان میں ایک چوکی پر اسے رکھ دیا گیا۔ آتشکدہ سے کئی پجاری اور موبد آ گئے جو اس لاش کے پاس بیٹھ کر زردشتی مذہب کی دعائیں پڑھنے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے لگے!

تھوڑی دیر کے بعد ساسان بھی آ گیا، وہ آتے ہی چیخ چیخ کر رونے لگا۔ پھر اس نے باپ کے فضائل و مناقب پر تقریر شروع کر دی، لیکن اتنے بھونڈے طرز پر کہ لوگوں کو اس کی ادا پسند نہ آئی۔

بانو بھی ہوش میں آ چکی تھی۔ اور اب اس کی جذباتیت پر، عقل و فراست غالب آ گئی تھی۔ وہ حوصلہ مندی کے ساتھ اس حادثۂ عظیم کو، برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گھر کے اور باہر کے جتنے لوگ اس وقت یہاں موجود تھے، سب ہی اسے وقار اور احترام کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اتنے میں موبد آیا، اس نے بڑی ملاطفت اور شفقت کے ساتھ کہا۔

"بیٹی ذرا دوسرے کمرے میں چلو کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں!"

بانو نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے سر جھکائے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی آئی۔ سامان بھی اس کے ساتھ ساتھ آیا،

موبد نے کہا میرے بھائی مرزبان کی، دائمی مفارقت پر تم جتنا بھی سوگ مناؤ، وہ کم ہے، وہ بڑا اچھا آدمی تھا، خدا ترس تھا، خدا کے بندوں پر رحم کرتا تھا۔ ان سے سلوک کرتا تھا۔ ان کی دست گیری کرتا تھا، وہ پاک باز تھا۔ پاک نہاد تھا۔ پاک جان تھا، اس کے نام پر ہم تین دن تک مسلسل ——— یعنی جب تک اس کی لاش یہاں رکھی رہے گی ——— مقدس آگ جلائیں گے۔ اور آبنوس کی لکڑی جلا کر اسے سلگائیں گے۔ اور اس کا ثواب اس کی پاک روح کو پہنچے گا ——

سامان بیچ میں بول پڑا۔

"ہاں یہ سب بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ آپ کو کرنا چاہیئے"

موبد نے اس سے مخاطب ہوئے بغیر سلسلہ کلام جاری رکھا۔

اور جیسا کہ تمہیں معلوم ہے۔ تمہارے والد کی روح تین دن تک اس گھر میں رہے گی۔ اس لئے ان کی لاش بھی یہیں رکھی رہے گی۔ تین دن کے بعد وہ یہاں سے عالم بالا کو کوچ کرے گی۔ لہٰذا یقین رکھو وہ تمہیں دیکھ رہی ہے۔ لہٰذا غم کم کرو، تاکہ اسے تکلیف نہ ہو —!

سامان پھر بول پڑا!

یہ غم ایسا نہیں ہے۔ جو تلقین صبر سے کم ہو،

موبد نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بدستور بانو کو مخاطب رکھا۔

"تمہارے والد نے وصیت کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ رقم نیک اور اچھے کاموں میں صرف کی جائے۔ اس کے اعمال بھی اچھے تھے۔ اور اب اس کی یہ سخاوت تو اسے، اہلِ نعیم میں داخل کر دے گی۔ تین راتیں اس گھر میں گزارنے کے بعد اس کی روح، اماکن مبارک پہنچ جائیگی۔ وہاں وہ اپنے ضمیر سے، حور کی صورت میں ملاقات کرے گی۔ اور یہ حور اسے زندگی کے اعمال اور کارناموں کی داستان سنائے گی۔ جو اس نے زندگی میں انجام دئے تھے۔ اور جو یقیناً شاندار اور ناقابلِ فراموش تھے۔ پھر سال بھر تک ہم برابر اپنے آتشکدہ میں اس کے لئے دعا اور استغفار کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ لہٰذا تمہیں اس کے آخری اور مستقبل کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اطمینان رکھو، وہ بہت آرام سے ہے۔ اور سدا اسی طرح رہے گا۔۔۔۔!"

ساماں نے پھر مداخلت کی۔

"وہ اتنے اچھے آدمی تھے کہ ان بالنوں کے بغیر بھی، ان کا شمار اہلِ نعیم میں ہوگا۔"

موبد نے بالنو سے کہا،

اب میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ مرزبان نے اپنے دفن کے بارے میں کیا وصیّت کی ہے؟

بالنو سرجھکا کے اس کی باتیں سن رہی تھی، سوالیہ نظروں سے موبد کو دیکھا۔

وُہ بولا۔

"وصیّت یہ ہے کہ انہیں بُرجِ سکوت میں دفن کیا جائے!"

بالنو:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہاں تو غریب غربا اور عوام کی لاشیں دفن ہوتی ہیں۔ ابّا جان کو حجرہ خاص میں دفن ہونا چاہیئے۔

موبد:۔ ہاں بیٹی سچ کہتی ہو، بظاہر وہی ہونا چاہیئے تھا جو تم کہہ رہی ہو، مشکل یہ ہے کہ مرزبان نے

وصیّت یہی کی ہے، اور وصیّت کی تعمیل بہر حال ہمیں کرنی ہے، ایک، دُوسرے یہ کہ اس نے یہ وصیّت کیوں کی ہے، یہ راز بھی مجھے بتا دیا ہے۔ لیکن فی الحال میں اُس کا انکشاف نہیں کر سکتا۔

بانو خاموش ہو گئی۔ لیکن ساسان چیخا!

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، کہ مرزبان بُرجِ سکوت میں دفن کیا جائے۔ آپ جانتے ہیں۔ وہ کم مایہ اور بے حقیقت لوگوں کا مدفن ہے۔ وہاں سنگریزوں[ص۱] پر لاش رکھ دی جاتی ہے۔ باز اور گدھ آ کر بوٹیاں نوچ لے جاتے ہیں۔ اور ہڈیاں چھوڑ جاتے ہیں۔ اس کے بعد بچی کھچی ہڈیاں ایک بہت بڑے کنوئیں میں پھینک دی جاتی ہیں۔ جہاں دوسرے مجرموں قاتلوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی ہڈیوں سے خلط ملط ہو جاتی ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی آبا جان کی کوئی توہین ہو سکتی ہے؟ ہم ان کی ہڈیاں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ بُرجِ سکوت میں نہیں، حجرہ خاص میں دفن ہوں گے!"

موبد نے جھلّا کر کہا،

"کیا مرنے کے بعد بھی مرزبان کی روح کو چین نہ لینے دو گے؟ اس کی مخالفت اور نافرمانی کرتے رہو گے؟

ساسان: "اس میں مخالفت اور نافرمانی کا کیا سوال ہے؟"

موبد: "اور کیا ہے؟ —— باپ ایک وصیّت کرتا ہے۔ اور تم اس کی تعمیل سے انکار کرتے ہو، یہی سعادت مندی ہے؟"

بانو: "انہیں کہنے دیں۔ آپ ویسا ہی کیجئے، جو آبا جان کی وصیّت ہے ——!"

ص۱ پارسیوں کے ہاں مردہ کی لاش پتھروں پر رکھ دیتے ہیں۔ دفن نہیں کرتے گدھ آ کر کھا لیتے ہیں۔

موبد:۔ "ہاں بیٹی میں وہی کروں گا ـــــــــ مرزبان نے جو وصیت نامہ تیار کیا ہے۔ وہ بھی افشین کے پاس موجود ہے۔ جو چند روز کے بعد تمہیں سنا دیا جائے گا۔"

ساسان:۔ چند روز کے بعد کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟

موبد:۔ "جب تک تمہارے باپ کی لاش ٹھکانے نہ لگا دی جائے۔ جب تک اس کی روح اماکن مقدسہ میں نہ پہنچ جائے۔ جب تک فوری مذہبی رسمیں سرانجام نہ پا جائیں اس وقت تک وصیت نامہ کیسے سنایا جا سکتا ہے۔"

ساسان:۔ "میرے خیال میں تو اس میں کوئی قباحت نہیں!"

بانو:۔ "کیوں بے تکی باتیں کرتے ہو، وہی ہو گا۔ جو حضرت موبد فرما رہے ہیں۔ (موبد سے مخاطب ہو کر) آپ اپنی صواب دید پر جو مناسب سمجھیں کریں۔"

یہ مجلس ختم ہو گئی۔ موبد اپنے کام میں لگ گیا!

ماتم کے دنوں میں ساسان کا طرزِ عمل یکسر بدل گیا!

پہلے وہ ایسی حرکتیں اور باتیں کرتا رہتا تھا۔ جو بانو کے تکدر اور انقباض کا سبب ہوتی تھیں۔ بلکہ درپردہ، اور کبھی کبھی علانیہ اس کی مخالفت بھی کرتا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بھائی بہن کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے، بانو اس سے بدگمان رہتی تھی۔ اور وہ بانو سے الگ الگ رہتا تھا۔ لیکن ماتم داری کے دنوں میں، ساسان وہ ساسان ہی نہیں رہا تھا۔ اس وقت ایک مصاحب اور ندیم کی طرح اس کے پاس موجود رہے۔ اس کا جی بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے قصے کہانیاں سنا رہا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ضرغام کی تعریف میں رطب اللسان ہے، پہلے کبھی اس نے ضرغام کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں کیا تھا۔ اب کیفیت تھی کہ ضرغام کی ثنا و صفت میں اس کی زبان خشک ہو رہی تھی۔

بانو طبعاً بھولی بھالی لڑکی تھی۔ سامان کے اس طرزِ عمل نے اس کی ساری بدگمانی رفع کر دی، وہ اسے ایثار رفیق اور ہمدرد محسوس کرنے لگی۔ کبھی کبھی تو اپنے آپ کو دل ہی دل میں ملامت کرتی کہ اتنے اچھے اور محبّت کرنے والے بھائی سے کیں بدگمان رہتی تھی۔ وہ اس بات سے بہت خوش تھی کہ سامان، ضرغام کو نہ صرف پسند کرتا ہے، بلکہ اس کی شجاعت اور شرافت کے باعث اس سے محبّت بھی کرتا ہے، اور ضرغام سے جو محبّت کرے، بانو اس سے محبّت کرنے پر مجبور تھی۔

LIBRARY
No.... ....
Anjuman-i-Muslim Girls School

باب-۲۶

وصیّت نامہ

ایامِ ماتم جب تک گذر نہ گئے۔ افشین اور موبد اکثر اس گھر کا چکر کاٹتے رہے، تاکہ جو جو ذمہ داریاں مرتے وقت مرزبان نے انہیں سونپی تھیں۔ انہیں انجام دیتے رہیں۔ سامان کو بڑا اشتیاق تھا کہ وصیّت نامہ میں مرزبان نے کیا لکھا ہے۔ لیکن دریافت کرنے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔

جب ایامِ ماتم ختم ہو گئے۔ تو ایک دن موبد آیا، اور اس نے بانو اور سامان کو بلایا، یہ دونوں فوراً آموجود ہوئے۔ موبد نے جیب سے ایک خریطہ نکالا۔ اور اس میں سے وصیّت نامہ نکال کر کہا۔

"وقت آگیا ہے کہ اب یہ وصیّت نامہ تمہیں سُنادوں!"

دونوں نے تائید کی۔

موبد نے کہا،

"یہ وصیّت نامہ مرزبان نے میرے سامنے لکھا ہے۔ میں اور افشین اس کے گواہ ہیں۔ مرزبان نے اپنی وصیّت نافذ کرنے کے جملہ اختیارات میرے اور اپنے دوست افشین کو سونپے ہیں!"

بانو چپ چاپ بیٹھی تھی۔ افشین کا نام سنکر، اس پر غم و غصہ کی کیفیت طاری ہوئی۔ لیکن صبر سے کام لینے کے سوا اور چارہ کیا تھا سامان پر بھی اس وقت خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ موبد نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔

LIBRARY ... Muslim Girls School

"میں مرزبان طہماز، اپنی زندگی کے آخری دن یہ وصیت نامہ، بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اپنی رضا و رغبت سے یہ ثبات ہوش و حواس سپرد قلم کر رہا ہوں، شاہ افشین حیدر ابن کاؤس، والی اشروسنہ اور سپہ سالار اعلیٰ، افواج معتصم اور حضرت موبد جو آتشکدہ فرغانہ کے سب سے بڑے سربراہ ہیں۔ اس وقت موجود ہیں۔ اور انہیں کی موجودگی میں یہ سطریں زیر تحریر لائی جا رہی ہیں ——!"

"میں اپنے دوست افشین حیدر کے ذمہ اس وصیت نامہ کی تعمیل کرتا ہوں، میرے مال، جائیداد، املاک، جاگیر، لونڈی، غلام، اسباب منقولہ و غیر منقولہ کے وہ نگران ہوں گے اور جو کچھ کریں گے اس وصیت نامہ کے مطابق کریں گے۔ میرے وارث اس دنیا میں صرف دو ہیں، ایک لڑکا، سامان، دوسری، لڑکی، بانو، میں بانو کو یہ قصر، اور اس کی تمام چیزیں نیز اپنی جائیداد، املاک، جاگیر، مال، دولت، لونڈی، غلام، اسباب، جانور، عطا کرتا ہوں۔ اور سامان کو حق وراثت سے محروم کرتا ہوں۔ سامان کو زندگی بھر صرف اس کے گذارہ کے لئے معقول رقم ملتی رہے گی۔ باقی تمام چیزیں بانو کی ملکیت ہوں گی۔ لیکن بانو کے لئے بھی یہ شرط ہوگی کہ وہ افشین کی ہدایات پر عمل کرے۔ میں نے سامان کو کیوں محروم وراثت کیا ہے۔ یہ لکھتے ہوئے مجھے دکھ ہوتا ہے۔

لہٰذا اسے قلم زد کرتا ہوں۔ البتہ میں نے افشین اور موبد کو اصل سبب بتا دیا ہے۔ وہ جب مناسب سمجھیں گے اس راز سے پردہ اٹھا دیں گے۔ میں یہ وصیت بھی کرتا ہوں۔ کہ مجھے برج سکوت میں دفن کیا جائے۔"

مرزبان

موبد یہ وصیت نامہ پڑھ رہا تھا، اور ساسان و بانو خاموش بیٹھے تھے۔ جب وصیت نامہ پڑھا جا چکا، تو ساسان نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں، مجھے وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ میں بھی اس کا نام زندہ رکھوں گا۔ اس کا کام جاری رکھوں گا، املاک و جائیداد میں برابر شریک رہوں گا۔ میرے اس حق سے مجھے محروم نہیں کیا جا سکتا۔"

موبد نے بڑے ٹھنڈے لب و لہجہ میں جواب دیا۔

"بیٹے ایسی باتیں نہ کرو، وصیت کی تعمیل بہرحال ہو گی۔ مزید تفصیلات معلوم کرنے ہوں یا بحث و گفتگو کرنا ہو، تو افشین سے ملو۔ وہ ہی ساری باتوں کے ذمہ دار ہیں۔ میرا کام تو وصیت نامہ سنا دینا تھا۔ وہ میں نے سنا دیا!"

یہ کہہ کر، موبد نے بانو کو مخاطب کیا،

"بیٹی اب میں جاتا ہوں، جب ضرورت سمجھو مجھے طلب کر سکتی ہو۔"

ساسان موبد کو ایوان کی سیڑھیوں تک پہنچانے گیا،

موبد کو رخصت کرنے کے بعد، ساسان خانہ باغ میں چلا گیا، وہ دانت پیس رہا تھا۔ اور

زیرِ لب کہہ رہا تھا۔

"میں ایسی بات سے ڈر رہا تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ یہ کمبخت موبد منحوس نہ ٹپک پڑتا۔ تو یہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ابا جان نے بار بار اسے بلوایا۔ اور میں نے ہمیشہ ٹالا۔ لیکن ہونے والی بات ہو کر رہی میں جو اسے بلانے میں ٹال مٹول کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ میں سمجھ رہا تھا۔ ابا جان کا ارادہ کیا ہے؟ وہ کیا کرنے والے ہیں!"

پھر وہ کچھ دیر چپ رہا۔ اور غضب کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ دفعتاً آہستہ آہستہ اس کے منہ سے الفاظ نکلے،

"میں جانتا ہوں، ابا جان مجھ سے کیوں ناراض تھے! میرا خیال تھا اس راز سے وہ ناواقف ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو، مجھے میراث پدری سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا، ذرا دیر کے بعد اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"موبد نے سچ کہا، اب معاملہ افشین کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ملعون مٹھی میں آجائے۔ وہ بھی ایک بدنفس اور شیطان سیرت انسان ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوگی کہ اس وصیت نامہ کی آڑ میں، ابا جان کی ساری دولت اور املاک و جائداد پر قابض اور متصرف ہو جائے۔ اور ہم بہن بھائی کو یکسر محروم کر دیئے!"

پھر خاموش ہو گیا ——— اور کچھ عرصہ تک ٹہلتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد، ٹہلتے ٹہلتے رکا، اور گویا ہوا۔

"آہ ——— اگر بانو میرا کہنا مان لے ——— اور میری آلہ کار بن جائے تو اس افشین کے بچے کو میں تگنی کا ناچ نچا سکتا ہوں۔ لیکن وہ اتنی بیوقوف ہے کہ کھرے پن، صداقت، اور راستی کے پیچھے پڑ گئی ہے، دھوکہ کھائے گی۔ مگر دے گی نہیں!"

حالانکہ اگر اس دنیا میں ہم دھوکہ کھانے پر مجبور ہیں۔ تو دھوکہ دینے پر بھی ہمیں تیار رہنا چاہیئے!"

"کیا بانو کو سمجھاؤں جاکر؟ ——— وہ میرا کہنا مان لے گی؟ وہ میرے چکمہ میں آجائے گی؟"

"اگر آگئی تو ٹھیک ہے، نہ آئی تو خود اپنا نقصان کرے گی!"

"اوہ ——— میں یہاں ٹہل رہا ہوں، اور وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی، مجھے اس کے پاس جانا چاہیئے۔"

باغ سے نکل کر وہ سیدھا بانو کے پاس آیا۔ اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔

بانو کو سب سے زیادہ جس بات کی کوفت تھی، وہ افشین کو، وصیت نامہ کا منتظم بنایا جانا تھا۔ وہ افشین سے کسی طرح کی راہ و رسم رکھنا چاہتی تھی۔ دوسرا غم اسے یہ تھا، کہ سامان جائیداد و املاک سے محروم کر دیا گیا تھا۔ وہ اگرچہ اس سے نالاں رہتی تھی۔ لیکن یہ گوارا نہ تھا کہ وہ محروم کر دیا جائے!

اب سامان آیا، تو اسے دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا!

"جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی، جو کچھ میرا ہے وہ تمہارا ہی ہے۔ تم ہی اس کے مالک ہو، کیونکہ دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی اور بھائی نہیں۔"

سامان یہ باتیں سر جھکائے سنتا رہا اس کے کانوں کی لویں سُرخ سرخ ہو گئیں۔ کیونکہ گو یہ الفاظ ہمدردی کے تھے۔ لیکن ان میں بالا دستی پائی جاتی تھی۔ اور وہ اپنے آپ کو مسکین اور غریب اور محتاج محسوس کر رہا تھا۔ بانو جب اپنی بات کہہ چکی، تو سامان نے کہا ———!

"مجھے اس کا غم نہیں ہے کہ میں وراثت سے محروم کیوں ہوا؟ صدمہ اس کا ہے کہ کہیں

خطا پر ہیں اس سلوک کا مستحق قرار دیا گیا؟"

بالو نے جواب دیا!

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی، اس سلسلہ میں اگر کچھ علم ہے۔ تو افشین اور موبد کو، بہر حال کبھی نہ کبھی اصل علت معلوم ہی ہو جائے گی۔ لیکن تم مطمئن رہو، افشین بہر حال یہاں ٹکنے والا نہیں، بہر حال وہ سرکاری ملازم ہے۔ اور نہایت اونچے عہدے پر مامور ہے۔ جلد از جلد بغداد واپس جائے گا، ہم یہیں رہیں گے، اپنا گھر چھوڑ کر کہیں کیوں جانے لگے، مال و دولت ہمارے ہی قبضہ میں ہے، جس طرح چاہیں گے خرچ کریں گے، کون ہے جو ہمیں روک ٹوک سکے!"

بالو کی ان باتوں سے بظاہر سامان بہت متاثر ہوا، اور اس کی خوب تعریف و توصیف کی، لیکن دل میں جو کچھ تھا اسے چھپا لیا۔

سامان پر یہ بات بہت گراں تھی کہ مرزبان نے مرتے مرتے افشین اور موبد کو اپنی خفگی کا راز بتا دیا۔ جس طرح اس نے خفگی کا سبب وصیت نامہ میں نہیں لکھا۔ اسی طرح اگر وہ موبد اور افشین کو اس معاملہ میں راز دار نہ بناتا تو کیا بگڑ جاتا، لیکن واہ ری قسمت، ایک طرف عاق کرنے کی وجہ اور سبب بھی دشمنوں کو بتا گئے ——— ایک طرف ان کے غم مرگ سے آنکھیں اشکبار ہیں۔ دوسری طرف ان کی اس رکیک حرکت پر دل خون ہو رہا ہے۔ آخر میں کیا کروں؟ کس طرح موبد اور افشین کے حافظہ سے اپنے متعلق وہ تمام باتیں محو کر دوں، جو آبا جان نے دمِ آخر ان دونوں شیطانوں سے کی تھیں؟ ———؟

بڑی دیر تک سامان، اس طرح بالو کے پاس چپ چاپ بیٹھا رہا۔ بظاہر وہ تھوڑی کھجا رہا تھا۔ دوسری طرف، بحرِ خیالات میں غوطہ زن تھا، اور مکر و فریب کی نت نئی اور اچھوتی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں عجیب عجیب وساوس اور افکار میں گرفتار

تھا۔ اس کا بس چلتا تو اس وقت اٹھتا، سب سے پہلے افشین اور موبد کو موت کے گھاٹ اتارتا۔ پھر بانو کا خاتمہ بھی کر دیتا۔ تاکہ سب طرح کی فکروں اور خرشوں سے آزاد ہو جاتا۔ یکسوئی اور اطمینان سے بے غل غش زندگی بسر کرتا، اور مرزبان کا لکھا ہوا وصیت نامہ ردّی کا کاغذ بن جاتا۔

لیکن یہ ناممکن تھا، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو سوچی تو جا سکتی ہیں۔ لیکن انہیں عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ یہ بات بھی ویسی ہی تھی۔

پھر اب کیا کیا جائے؟

بظاہر معقول اور قابلِ عمل صورت صرف یہ تھی کہ بانو کو راضی رکھا جائے، نہ صرف یہ کہ اسے بدگمانی کا موقعہ دیا جائے۔ بلکہ اس کی خواہرانہ محبت کو جگایا جائے، اور اسے زیادہ سے زیادہ اپنا دوست اور ہمدرد بنایا جائے۔

اور اس تجویز پر اس نے فوراً عمل درآمد شروع کر دیا۔ اس نے بانو کو جو خود اپنی فکر میں غرق تھی، مخاطب کیا۔

"ضرغام اب تک نہیں آیا؟"

بانو خود یہی بات سوچ رہی تھی کہ وہ تھوڑی دیر کو کہہ کر گیا۔ لیکن اتنے دن گذر گئے۔ اور وہ لاپتہ ہے۔ ساماں کے اس ہمدردانہ استفسار نے اس کے دل میں بھائی کی محبت اور بڑھا دی، وہ بولی،

"ہاں حیرت ہے —— کہہ کر گئے تھے کہ ابھی آتا ہوں، مگر اتنے دن ہو گئے، نہیں آئے، کہیں خدانخواستہ کوئی افتاد نہ پڑی ہو،"

ساماں: "نہیں ایسا نہ کہو، ایسی باتوں کا تصوّر کر کے میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ وہ بڑا اچھا

نیک اور بہادر آدمی ہے، اس کا کوئی دشمن نہیں ہو سکتا، اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا ــــ!

بالو:۔" اچھے اور نیک آدمیوں کو تو لوگ ستاتے ہیں"

سامان:۔" تمہارا خیال ہے ضرغام کسی دشمن کے چنگل میں گرفتار ہے؟"

بالو:۔" کچھ نہیں کہا جا سکتا، خدا ہی بہتر جانتا ہے "

سامان:۔" اچھا میں جاتا ہوں، اس کی جستجو میں ڈھونڈھ کر لاؤں گا"

بالو:۔" لیکن تم انہیں کہاں ڈھونڈھو گے؟"

سامان:۔" شہر کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں ــــ"

بالو:۔" اگر وہ شہر میں ہوتے تو اتنے بڑے حادثہ سے جو ہم پر گزرا ہے۔ بے خبر نہ رہتے، اور سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگتے ہوئے آتے "

سامان:۔" تو تمہارا خیال ہے، وہ یہاں نہیں ہے؟"

بالو:۔" میرا خیال تو یہی ہے، کہ وہ فرغانہ کے باہر ہیں کہیں!"

سامان:۔" ہاں سچ کہتی ہو، یہی بات ہے! ــــ وہ یہاں ہوتا، تو ہمارا غم بٹاتا، ہماری مصیبت میں کام آتا، صرف اس کی موجودگی سے ہمارے غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا!"

بالو:۔" اور کیا"

سامان:۔" مجھے تو اس کی صورت دیکھ لینے سے تسکین ہو جاتی ہے کتنا ہمدرد، کتنا غمگسار اور کتنا اچھا دوست ہے وہ!"

بالو:۔" ہاں واقعی"

سامان:۔ اس کا نام ضرغام سوچ سمجھ کر رکھا گیا ہے۔ واقعی وہ اسم بامسمیٰ ہے۔ صورت دیکھو تو شیر، سیرت دیکھو تو شیر ببر، بہادری میں یکتا، دلیری میں فرد ــــ!"

بانو:۔ "واقعی بہادری میں ان کا کوئی جواب نہیں!"

ساماں:۔ "بہادری؟ صرف بہادری؟ نہیں جی بہادر تو بہت ہوتے ہیں، ان میں ایک وہ بھی سہی، اس کی شرافت، عالی حوصلگی، وفاداری، دوست نوازی، جانبازی ان صفات کا بھی کوئی جواب نہیں ہے۔"

بانو:۔ "ہاں، ان میں یہ سب باتیں ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ!"

ان باتوں سے بانو کا دل ٹھہر گیا، ایسا معلوم ہوا، جیسے کسی پیاسے کو ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس مل جائے۔ گو وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ ساماں یہ باتیں دل سے نہیں کر رہا ہے۔ صرف اسے خوش کرنے کے لئے کر رہا ہے، پھر بھی ان باتوں سے اسے مسرت ہوئی، ساماں کے لئے اس کے دل میں زیادہ گنجائش پیدا ہو گئی، اس لئے کہ یہ باتیں خواہ دل سے کی گئی ہوں، یا بے دلی سے لیکن تھیں بہرحال مبنی بر واقعہ اضرغام حقیقتاً انہی اوصاف، کمالات کا حامل تھا، پھر دل کہتا، نہیں، ساماں کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ واقعی ضرغام کو دل سے چاہتا ہے" اور پھر وہ اپنی اس بدگمانی پر شرمندہ ہو جاتی، اور ساماں کے لئے دل میں اور زیادہ گنجائش پیدا ہو جاتی!

باب ۔۲۷

فرض کی پکار

سامان اور بالو میں، باتیں ابھی ہو رہی تھیں کہ قہرمانہ (داروغہ قصر) آ کر سامنے کھڑی ہو گئی۔ بالو نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

وہ بولی۔

"ضرغام آیا ہے، اور آپ کا منتظر ہے۔"

ضرغام کا نام سنتے ہی بالو کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، ساری فکر و پریشانی رفع ہو گئی۔ اسے یاد آ گیا، مرزبان کی رائے اس کے بارے میں کتنی اچھی تھی، پھر اسے افسوس ہوا کہ کاش اس کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے وہ یہاں آ جاتا، اس کی موجودگی میں شاید وصیت نامہ کا نفاذ اس طرح نہ ہوتا جس طرح تجویز کیا گیا ہے۔ لیکن اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

کچھ سوچتے سوچتے اس نے گردن اٹھائی اور قہرمانہ سے کہا۔

"جاؤ انہیں اندر آنے دو! بلکہ اطلاع دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی، ساتھ لے چلی آتیں!"

قہرمانہ الٹے پاؤں واپس گئی۔ اور فوراً ہی واپس آگئی؟

ضرغام کو دیکھ کر حسبِ عادت بانو نے مسکرانے کی کوشش کی، لیکن اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے، غم اور صدمہ کے موقع پر آدمی جب اپنے کسی ہمدرد کو دیکھ لیتا ہے۔ تو خود بخود آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔

ضرغام خود ہی اس دلدوز حادثہ سے بہت متاثر تھا، اس کی آنکھوں میں بھی آنسو لبالب بھرے ہوئے تھے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"صبر کرو بانو ——— واقعی یہ حادثہ بڑا دلدوز ہے۔ لیکن صبر کے سوا، چارہ کیا ہے؟

صبر کرتے ہی بنے گی غالب،

انسان کی زندگی میں خوشی بھی آتی ہے، اور غم بھی، مجھے ندامت ہو رہی ہے کہ میں یہاں سے کیوں گیا، کاش اس وقت میں یہاں موجود ہوتا اور کچھ خدمت کر سکتا۔ انہیں میں اتنا ہی چاہتا تھا، جتنا کوئی بیٹا باپ کو چاہ سکتا ہے۔

بانو:۔ (رونا ضبط کرتے ہوئے، کانپتے ہونٹوں کے ساتھ) ان کی بھی یہی کیفیت تھی، جب تمہارا نام آجاتا تھا۔ وہ پھول کی طرح کھل جاتے تھے بیماری کی تکلیف بھول جاتے تھے

ضرغام:۔ یہ زندگی بھر کا غم ہے۔ ان کی محبّت، ان کی شفقت ہمیشہ یاد آئے گی۔

سامان:۔ ضرغام کو مخاطب کر کے، لیکن تم اس وقت خوب آگئے، بانو کا غم دیکھا نہیں جاتا تھا۔ لیکن تمہارا وجود اس کے لئے، بڑی اچھی تقویت ثابت ہوگا،

ضرغام اب تک سفر کے لباس میں ملبوس تھا۔ اور بدستور کھڑا ہوا تھا۔ بانو نے کہا۔

"تم کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ کیوں نہیں جاتے؟"

وہ بیٹھ گیا، پھر بانو نے ایک ٹھنڈا سانس لیا، اور کہا،

"تمہارے نہ ہونے نے، ہمارا غم دونا کر دیا تھا!"

ضرغام:۔ (آہ سرد بھر کر) میں سمجھتا ہوں، مجھے اس کا احساس ہے،

بانو:۔ تم تو تھوڑی دیر کے لئے کہہ کر گئے تھے، پھر کہاں رہ گئے اتنے دن ـــــ؟

ضرغام:۔ یہ نہ پوچھو ـــــــ مجھے فرغانہ سے باہر چلا جانا پڑا، خیال نہ تھا، جس کام سے آیا ہوں، اس سے جلد از جلد نپٹ لوں، لیکن ابھی اس کام سے فارغ نہیں ہوا تھا، کہ یکایک ـــــ

بانو:۔ یکایک کیا بات پیش آئی؟ جلد کہو، مجھے ہول ہو رہا ہے۔

ضرغام:۔ کوئی پریشان کن بات نہیں ـــــ امیر المومنین کی طرف سے، فرمان صادر ہوا ہے، کہ میں جلد از جلد بغداد پہنچوں، اس لئے کام ناتمام چھوڑ کر واپس آنا پڑا، یہاں آیا تو اس جگر فگار حادثے کا علم ہوا،

بانو:۔ (حسرت کے ساتھ) تو تم اس لئے آئے ہو کہ واپس چلے جاؤ؟

ضرغام:۔ امیر المومنین کا حکم تو یہی ہے، لیکن تم کہو تو نہ جاؤں۔

بانو:۔ واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کیا اُن کا عتاب مول لو گے؟

ضرغام:۔ تمہاری خاطر یہ بھی کر سکتا ہوں،

بانو:۔ میں تمہاری دشمن نہیں کہ ایسا غلط مشورہ دوں، امیر المومنین نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔ تو آج اور ابھی چلے جاؤ۔

ضرغام:۔ یہ تو قطعاً ناممکن ہے۔ اگر گیا تو کل جاؤں گا، آج کا دن فرغانہ میں گزاروں گا، جہاں میری روح ہے، زندگی ہے، ہوش و حواس ہیں، دل و دماغ ہے۔ ان سب کو یکایک چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟ ـــــ ناممکن، قطعاً ناممکن،

وصیت نامہ کا گواہ موبد کو بنا دیا، بس یہ بات ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں۔"

ضرغام نے غور کیا، تو یہ بات اسے بھی معقول نظر آئی۔ اس نے کہا،

"ہاں، اگر کوئی ایسا شخص مثلاً موبد تمہارا ولی بنایا جاتا، جو فرغانہ ہی میں رہتا ہوتا، تو اس تک میری پہنچ آسانی سے ممکن ہوتی۔ لیکن افشین تو بہر حال عراق ہی میں رہے گا، ہر وقت اس سے جس مسئلہ پر چاہوں مل سکتا ہوں۔"

بانو نے جواب دیا۔

"ہاں یہی تو میرا مطلب بھی ہے۔"

ضرغام:۔"تو اب میں اطمینان سے سفر پر روانہ ہو سکتا ہوں۔"

سامان:۔"اطمینان کیسا؟"

ضرغام:۔"وصیت نامہ کی تکمیل و تعمیل کے سلسلہ میں بہر حال افشین ابھی کچھ عرصہ تک یہاں رہنے پر مجبور ہے۔"

بانو:۔"یقیناً وہ کچھ عرصہ تک یہاں قیام کرنے کو کہہ بھی رہا تھا۔"

ضرغام:۔"تو میں تمہاری طرف سے مطمئن ہو کر جاؤں گا، کسی طرح کی فکر نہ رہے گی، گو میں تم سے دُور ہوں گا۔"

بانو:۔"لیکن میں یہاں صرف اسی وقت تک ہوں۔ جب تک حالات درست نہیں ہو جاتے، اور سارا حساب کتاب ٹھیک نہیں ہو جاتا۔"

ضرغام:۔"اس کے بعد ——— ؟"

بانو:۔"یہ کام ختم ہوتے ہی میں سیدھی عراق کا رختِ سفر باندھوں گی۔ اور بغداد چلی آؤں گی۔ آباجان کی وفات کے بعد اب میرا جی یہاں ذرا بھی نہیں لگتا، گو فرغانہ کے لوگ مجھ سے

بڑی محبت کرتے ہیں، اس کے باوجود تمہارے چلے جانے کے بعد میں یہاں اپنے آپ کو ایک اجنبی ہی محسوس کروں گی ۔"

یہ الوکھی باتیں سنکر سامان بہت سٹ پٹایا، اس کا جی چاہا کہ بانو کو ٹوکے مگر مصلحت اسی میں تھی کہ اسے خوش رکھے، لہٰذا اپنے جذبات و تاثرات کو دباتے ہوئے، اس نے کہا۔

"ہاں اور غور تو کرو، بانو تمہاری والدہ سے کتنی مانوس ہے۔ کہ غم والم کے موقعہ پر ان سے بڑھ کر ہمدرد اور مہربان کون ملے گا؟ میں ٹھہرا مرد ذات ہر وقت تو اس کے پاس نہیں بیٹھا رہ سکتا، مرجانہ خالہ ہر وقت اس کا خیال رکھیں گی۔ اور دل دہی کرتی رہیں گی ۔

بانو:۔" (سامان سے مخاطب ہوکر) اس تصریح و توضیح کی کیا ضرورت تھی؟"

سامان:۔" میرا مطلب ——————"

بانو:۔" مطلب، وطلب کا کوئی سوال نہیں، میں ایچ پیچ کی قائل نہیں، ضرغام کو معلوم ہے میں کیوں یہاں نہیں رہنا چاہتی؟ اور کیوں وہاں جانا چاہتی ہوں۔ تم بھی یہ بات جانتے ہو، اور مجھے خود بھی اس کے اسباب کا علم ہے۔ پھر ایک معذرت آمیز تشریح کی کیا ضرورت تھی؟ —— محبت نہ کوئی عیب کی چیز ہے، نہ ننگ عار کی، موت نے اگر چند دن آبا جان کو اور مہلت دی ہوتی، تو ان کی زندگی ہی میں، اور انہی کے مبارک ہاتھوں ہر بات طے ہو چکی ہوتی!"

سامان:۔" ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن ——————"

بانو:۔" پھر وہی لیکن، پھر وہی مگر، ضرغام نے تو یقیناً میرا مطلب و مقصد سمجھ لیا ہو گا، شاید تم نہیں سمجھے، کیا تم نہیں جانتے ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ——؟"

سامان:۔ "خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔"

بانو:۔ "کیا تم اس محبت کو قابلِ اعتراض سمجھتے ہو؟"

سامان:۔ "(جذبات، مخالفت کو روکتے ہوئے) ہرگز نہیں۔"

بانو:۔ "کسی درجہ میں بھی، یہ تمہارے نزدیک نامناسب ہے؟"

سامان:۔ "قطعاً نہیں ——— ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ کیا میں ضرغام کو جانتا اور پہچانتا نہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر تم اس سے محبت نہ کرتی ہوتیں۔ تو میں تمہیں اُکساتا کہ ضرغام سے محبت کرو، اسے اپنا رفیقِ زندگی بناؤ، ضرغام جیسا اونچا انسان کیا ہر کسی کو مل سکتا ہے؟"

سامان کی اس حق حضوری پر بانو دل ہی دل میں بہت محفوظ ہوئی پھر اس نے ضرغام سے کہا۔

"تمہارا یہ سفر میرے لئے تکلیف دہ ہے۔ لیکن ضروری ہے۔ اسے ٹالا نہیں جا سکتا، تم خدا کے حفظ و امان میں سدھارو، انشاء اللہ جلد ہی میں بھی بغداد پہنچ جاؤنگی۔"

سامان نے قطع کلام کیا،

"بانو کو لے کر میں آؤں گا، اسے راستہ میں کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔"

بانو:۔ "(ضرغام سے) تم بالکل مطمئن ہو کر جاؤ، اور یقین رکھو، دنیا کی کوئی طاقت ہم دونوں کے مابین حائل نہیں ہو سکتی۔"

بانو نے کہنے کو تو یہ بات کہدی، لیکن دل ہی دل میں وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کام کو جتنا آسان وہ سمجھ رہی ہے۔ اتنا آسان نہیں ہے، ضرغام کا بننے کے لئے، اور ضرغام کو اپنا بنانے کے لئے منت خواری کی منزلیں طے کرنا پڑیں گی۔ دشواریاں، رکاوٹیں اور مشکلیں پیش آئیں گی۔ ان سے ٹکرانا پڑے گا۔ لڑنا پڑے گا۔ لیکن اسے اپنے عزم پر

اعتماد تھا، وہ جانتی تھی، جو کچھ کہہ رہی ہے۔ ہر قیمت پر اسے کر گزرے گی۔ پھر اس نے ضرغام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جب میں بغداد کا قصد کروں گی، تو پہلے سے تمہیں اطلاع دے دوں گی!"

ضرغام اس وقت عجیب ذہنی کشمکش میں گرفتار تھا۔

"پہلے پہل تو اسے اندیشہ تھا کہ کہیں بانو اسے سفر سے روک نہ دے، اور مصلحت اس کے نزدیک یہ تھی کہ خلیفہ کی دعوت پر لبیک کہے، اور بغداد چلا جائے، لیکن جب دیکھا کہ وہ خود سفر پر اسے آمادہ کر رہی ہے۔ تو سفر پر اسے آمادہ کر رہی ہے۔ تو سفر کے خیال سے اس کا جی اچاٹ ہونے لگا۔ اور دل یہ چاہنے لگا کہ انجام خواہ کچھ ہو، وہ یہاں ابھی کچھ دن قیام کرے، اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟"

"کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے، !"

نہ جاتے بنتی ہے، نہ رُکتے،

بانو نے ضرغام کا تردّد بھانپ لیا، وہ سمجھ گئی کہ یہ حضرت جانا نہیں چاہتے۔ اور اپنے مستقبل سے بے پرواہ ہو کر یہیں ڈیرے ڈال دینا چاہتے ہیں، اس نے کہا۔

"اس سے بڑھ کر میرے لئے مسرّت بخش بات کیا ہو سکتی ہے، کہ تم ابھی نہ جاؤ، تمہاری موجودگی میرے لئے، موجب راحت ہے، تمہیں دیکھ کر میں اپنا غم بھول جاتی ہوں ——!"

ضرغام: "اسی لئے تو جانے میں مجھے تامل ہو رہا ہے۔"

بانو: "لیکن وقت کا تقاضہ یہ ہے، کہ تم جاؤ، بہادر سپاہی کو جب طلب کیا جاتا ہے، تو وہ ہر حالت میں لبیک کہتا ہے، وہ انکار نہیں کرتا، تامل نہیں کرتا، زیادہ سوچتا بھی نہیں، اور پھر یہ بھی تو سوچو بلا کون رہا ہے؟ امیر المومنین خلیفہ معتصم —— تمہارے اور

تمہاری قوم کے سردار!

سامان:۔ "ضرغام تم مطمئن رہو، میں سایہ کی طرح بانو کے ساتھ رہوں گا، وہ کسی زحمت اور مصیبت سے دوچار نہیں ہوسکے گی۔ اور پھر خیریت کے ساتھ اسے لے کر بغداد پہنچ جاؤنگا!"

ضرغام:۔ "میں ہر طرح سے مطمئن ہوں، خدا کے فضل سے مشکلات سے گھبراتا نہیں، ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرتا ہوں۔"

سامان:۔ "بے شک، بے شک، ہم سب کو اس کا یقین ہے۔"

ضرغام:۔ "لیکن یہ سفر جس وجہ سے گراں گزر رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس غم والم کے موقع پر میں بانو کو تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں، میں موجود ہوتا، تو میری رفاقت اس غم کے بوجھ کو کچھ تو ہلکا کر دیتی!"

بانو:۔ کتنی دفعہ کہوں، تم میری پروا نہ کرو، فرض کی پکار سنو، اور اپنے سردار کی آواز پر لبیک کہو، میں انشاء اللہ یہاں بہت اچھی طرح رہوں گی، ذرا بھی فکر نہ کرو۔"

ضرغام:۔ "وعدہ کرو، میرے پیچھے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے،!"

بانو:۔ "(مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے) وعدہ کرتی ہوں۔"

ضرغام:۔ "تو پھر میں انشاء اللہ کل صبح روانہ ہو جاؤں گا،!"

باب ۔ ۲۸

رُوح اور جسم

بالنو اور ضرغام آمنے سامنے بیٹھے تھے، دونوں میں حال اور مستقبل کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں، سامان بھی موجود تھا، اور اس گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اب مجلس سے اسے اُٹھ جانا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے خیالات ایک طوفان کی صورت میں اس کے دل و دماغ سے ٹکرا رہے تھے، ان پر یکسوئی سے غور و فکر، یہاں ممکن نہ تھا، یہ سوچ کر وہ اُٹھا۔ بالنو نے پوچھا،

"کیوں کہاں جا رہے ہو؟"

سامان:۔ "ایک ضروری کام یاد آگیا، ابھی آجاؤں گا، تھوڑی دیر میں!"

بالنو:۔ "تمہاری تھوڑی دیر گھنٹوں سے کم نہیں ہوتی!"

سامان:۔ "نہیں میں بہت جلد آؤں گا۔"

بالنو:۔ "قصر کے حالات اب لحہ بہ لحہ بدلتے جا رہے ہیں۔ تمہاری موجودگی یہاں ہر وقت بہت ضروری ہے، لہٰذا آنے میں جلدی کرنا!"

سامان نے ہلا کر جلدی آنے کا وعدہ کیا، اور تیزی سے نکلا چلا گیا!

اب کمرے میں صرف دو آدمی تھے ـــــــ ضرغام اور بانو!

ضرغام پر اس وقت ایک خود فراموشی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ دُنیا و مافیہا کو بھولا ہُوا تھا۔ وہ ایک دُوسری دُنیا میں پہنچ چکا تھا، نہ سفر یاد تھا، نہ جنگ، نہ جاہ و منصب، نہ ترقی اور عروج، اس کی تمنّا تھی، کاش زمانہ کی گردش رُک جائے، یہ ساعت، یہ گھڑی یہ آن، اس وقت تک قائم رہے، جب تک زندگی ہے، یہ زمانہ جتنا جتنا طویل ہوگا۔ اتنی ہی رُوح کو بالیدگی ملے گی۔ اس دنیا میں نہ بھوک کا گزر ہے، نہ پیاس کا، نہ خواہشات نفسانی کا، یہ مادی دنیا نہیں، روحانی دنیا ہے، یہاں روحوں میں معانقہ ہوتا ہے، وہ ملتی ہیں اور آپس میں جذب ہو جاتی ہیں۔ یہاں جسم کی کوئی قیمت نہیں، کوئی طلب نہیں،

اور سچ پوچھئے، تو محبت دو روحوں کے تجاذب ہی کا نام ہے۔ اس میں ضعف و فساد اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب اس دنیا میں جسم و بدن کی آلائشیں داخل ہوتی ہیں۔ بنو عذرہ کا قبیلہ بڑا عشق باز تھا، یہاں ایسے ایسے محبان باصفا، اور عاشقانِ باوفا پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ ان کی محبت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی تھی، کہ وہ پاک ہوتی تھی، خواہشات کی آلائشوں سے یکسر پاک، محبت میں اگر "عذری" رنگ چھن رہا ہو تو اس سے بڑھکر قابلِ قدر کوئی چیز نہیں۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی محبت پر دوام کی مہر لگ جائے، وہ کبھی فنا نہ ہو، وُہ رہتی دنیا تک قائم رہے، اسے چاہیئے کہ محبت کو جسم و بدن سے پاک رکھے، جو ایسا نہیں کر سکتا وہ محبت کو بدنام کرتا ہے۔ وہ محبت کا اہل نہیں، ایسے لوگ جسم کی عارضی اور وقتی لذت کیلئے، روح کی دائمی اور مستقل لذت کو قربان کر دیتے ہیں، یہ طاہر چیز کو نجس کر دیتے ہیں۔ یہ جانتے ہی نہیں، محبت کتنی نازک اور کیسی پاک چیز ہے۔

اکثر لوگ پاک محبت کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ ان کے سامنے جب پاک محبت کا نام لیا جاتا ہے۔ تو وہ اسے ایک دلچسپ شعر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، ہاں بیشک، یہ خیال ایک لطیف شعر ہے۔ جو زمین پر اُگتا ہے، اور جس کا بیج آسمان سے ٹپکتا ہے۔

ضرغام اور بانو اس وقت اسی کیفیت میں مست تھے، ان کی روح ایک دُوسرے سے پیوست ہو رہی تھی، جسم ایک دُوسرے سے دُور تھے۔

ضرغام: "بانو ــــــ تم میرے پاس ہوتی ہو، تو پھر مجھے ہوش نہیں رہتا۔ میں ساری دنیا کو بھول جاتا ہوں!"

بہت عرصہ کے بعد، بانو کے لب تبسم سے آشنا ہوئے، کہنے لگی،

"اگر فراموش کاری کا یہی عالم رہا، تو کسی دن مجھے نہ بھول جانا۔!"

ضرغام: "توبہ کرو بانو ــــــ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟"

بانو: "کیوں نہیں ہو سکتا، دُنیا میں کیا نہیں ہوتا؟"

ضرغام: "ہاں ہو سکتا ہے، لیکن اسی وقت جب میرا دل دھڑکنا بند کر دے گا۔ جب میری آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی، اس سے پہلے نہیں!"

بانو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو!"

ضرغام نے بانو کی آنکھوں میں موتیوں کی چمک دیکھ لی۔

"تمہارا عہد کتنا بودا ہے؟"

بانو: "کیوں؟ کون سی عہد شکنی کی میں نے؟"

ضرغام: "کیا تم نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ اب تمہاری آنکھیں قطرہ اشک سے

آشنا نہیں ہوں گی ؟"

بانو:۔"ہاں میں نے یہ عہد کیا تھا، لیکن اس طرح نہیں ——— میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے پیچھے میری آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکیں گے، لیکن اس وقت تو تم موجود ہو!"

ضرغام نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پیار بھرے لہجہ میں کہا،

"کتنی ذہین ہو تم ———؟"

بانو:۔"اپنے بارے میں بھی تو کچھ کہو۔"

ضرغام:۔ اپنے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں! مجھے اپنے منہ میاں مٹھو بننا نہیں آتا، تم ہی کہو!

بانو:۔"کیا تم سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہوگا؟"

ضرغام:۔"کیا کیا میں نے؟"

بانو:۔"مجھے رُلا دیا، آنسو بھر آئے میری آنکھوں میں، دل اب تک قابو میں نہیں ہے!"

ضرغام:۔ کیوں؟ ——— کیا کہا میں نے؟ کیا کیا میں نے؟

بانو:۔"ابھی اپنے بارے میں کیا کیا کہہ رہے تھے؟ دل کی دھڑکن رک جائے ———"

ضرغام:۔"(مسکراتے ہوئے) اوہ ——— یہ باتیں، تمہیں ناگوار گزریں؟ ———"

بانو:۔"ہاں ———"

ضرغام:۔"اچھا اب کبھی ایسی باتیں نہیں کروں گا۔"

یہ دونوں ایک دوسرے سے سچّی محبت کرنے والے، اطمینان سے نہ ختم ہونے والی گفتگو میں مصروف تھے۔ کہ خیزران آ گئی، مرزبان کے انتقال کے بعد سے خیزران اور زیادہ بانو کا خیال رکھنے لگی تھی، اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ضرغام سے ہم کلام ہے۔ یہ معلوم ہوتا تو نہ آتی، بڑی دیر سے اس نے بانو کو نہیں دیکھا تھا، جی نہ مانا، تلاش کرتی ہوئی ادھر آ گئی،

یہاں آکر ان دونوں کو مصروف تکلم دیکھا، تو جھجک کر واپس مڑی، بانو نے آواز دی۔

"یہاں آؤ، کہاں واپس جارہی ہو!"

جب آگئی، تو بانو نے پوچھا،

"آئی کیوں تھیں؟ اور واپس کیوں جارہی تھیں؟"

خیزران: "بڑی دیر سے اپنی بچی کو نہیں دیکھا تھا، جی نہ مانا چلی آئی!"

بانو: "بہت اچھا کیا، لیکن پھر واپس کیوں ہو رہی تھیں؟"

خیزران: "میں نے اپنی بچی کو دیکھ کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا، اب جاتی ہوں، تم دونوں باتیں کر رہے ہو، باتیں کرو، میں کیوں مخل ہوں!"

بانو: "تمہاری موجودگی سے کوئی خلل نہیں پڑتا، بیٹھو، ہاں یہ تو بتاؤ مسامانی صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ بڑی دیر ہوگئی یہ کہہ کر گئے تھے کہ ابھی آتا ہوں، مگر اب تک ندارد ہیں۔"

خیزران: "میں نہیں جانتی ——— اتنا معلوم ہے۔ بڑی جلدی کے عالم میں وہ قصر سے باہر گئے ہیں کہیں ——— میں نے پوچھا بھی نہیں، پوچھتی تو وہ جواب کیوں دیتے ———؟"

بانو: "ہاں ان کی یہی عادت ہے، اب کیا اصلاح ہو گی؟"

خیزران: "مشکل ہے ——— عادت بڑی دیر میں پڑتی ہے، اور بڑی دیر میں جاتی ہے!"

ضرغام: واہ خیزران نے بڑی حکیمانہ بات کہہ دی! ——— یہ تو بڑی دانش مند نکلیں!

بانو: "تم کیا سمجھتے ہو، ہماری خیزران خالہ کو!"

ضرغام: "پہلے تو کچھ نہیں سمجھتا تھا، اب واقعی بہت کچھ سمجھنے لگا!"

خیزران: "بیٹے تم تو اب تک سفر کے لباس میں بیٹھے ہو!"

بانو: "یہ بغداد واپس جارہے ہیں۔"

خیزران: "اتنی جلدی، نہ آتے دیر، نہ جاتے دیر! چند دن تو رہو۔"

ضرغام: "چند دن تو نہیں، ہاں ایک دن رہ سکتا ہوں —— آج نہیں کل جاؤں گا۔"

بانو: "شکریہ ادا کرو خیزران خالہ ان کا، دیکھو تمہارے کہنے سے ایک دن کے لئے سہی، مگر انہوں نے اپنا سفر ملتوی کر دیا۔"

خیزران نے بڑے ادب سے جھک کر کہا۔

"شکریہ!"

ضرغام اور بانو دونوں مسکرانے لگے!

باب-۲۹

رنگا سیّار

بانو ضرغام سے رخصت ہو کر اپنے کمرہ میں آئی، دل ہی دل میں اپنی حماقت پر افسوس کر رہی تھی کہ کیوں ضرغام کو بغداد جانے کی ترغیب دی؟ اگر دو چار روز وہ یہاں رہ جاتا تو امیر المومنین کا کیا بگڑ جاتا؟ ان کا کچھ نہ بگڑتا اور میرا دل بے تاب ٹھہر جاتا، لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟

بڑی دیر تک وہ سامان کا انتظار کرتی رہی، لیکن وہ اپنی عادت کیسے چھوڑ سکتا تھا؟ جھوٹ بولنا اس کی عادت تھی، کہہ کر وہ گیا تھا کہ ابھی آتا ہوں۔ لیکن کتنے گھنٹے گزر چکے تھے، مگر اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

سامان سے توجہ ہٹی تو موبد اور افشین یاد آئے،

موبد وصیت نامہ کا گواہ تھا، اور افشین کے ذمہ اس کی تعمیل تھی۔

کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ان دونوں کا ذکر بھی وصیت نامہ میں نہ ہوتا؟

ابّا جان اگر سامان کو محروم کرنا چاہتے تھے، اور مجھ کو سب کچھ بخش دینا چاہئیے تھے، تو میں کیا سارا انتظام نہیں کر سکتی تھی؟ کوئی بچہ تو ہوں نہیں، عقل رکھتی ہوں، سمجھ رکھتی ہوں،

کام سے واقف ہوں، آخر مجھ کو سبھی کچھ کرنا پڑے گا۔ موبد کو بیوقوف عقیدت مندوں کا روپیہ بٹورنے سے کہاں فرصت، جو اِدھر کا رُخ کرے؟ رہے افشین صاحب وہ خیر سے اشروسنہ کے فرمانروا ہیں، اور امیر المومنین کی افواج غالیہ کے سپہ سالار اعلےٰ وہ بغداد اور اشروسنہ میں رہ کر مہمات مملکت اور امورِ سلطنت انجام دیں گے۔ یا مرزبان کی املاک و جائداد کی نگرانی اور رکھوالی کریں گے؟ جب صورت یہ ہے کہ اوّل و آخر سب کچھ مجھی کو کرنا ہے۔ تو پھر خواہ مخواہ افشین کو بیچ میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟

کتنی نفرت ہے، مجھے اس شخص کی صورت تک سے!

کوئی پوچھے کیوں؟

تو میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔ لیکن نفرت ہے کہ طوفان کی طرح اُبلی پڑتی ہے۔ بعض وقت میرا جی مجھے ملامت کرتا ہے کہ کیوں میں ایسے شخص سے نفرت کرتی ہوں، جو میرے باپ کا دوست اور معتمد ہے، کچھ تو اس میں خوبی ہو گی، جو آبا جان نے اسے اپنا دوست بنایا، اس پہ اعتماد کیا، اور اسے میرا ولی مقرر کر دیا،

مجھے اس سے نفرت نہیں تعاون کرنا چاہیئے!

لیکن جب اس کی صورت دیکھ لیتی ہوں۔ تو یہ خیال بلبلہ کی طرح ختم ہو جاتا ہے۔ اور نفرت عود کر آتی ہے!

بانو اسی قسم کے خیالات میں دیر تک غرق رہی، پھر اسے نیند آ گئی اور سو گئی!

صبح تڑکے اس کی آنکھ کھُلی، غسل کیا، کپڑے بدلے، کنگھی چوٹی سے فراغت کی، پھر خراماں خراماں ٹہلتی ہوئی، پائیں باغ میں چلی گئی، وہ اُس وقت سیاہ ماتمی کپڑے پہنے ہوئے تھی، بدن پہ سیاہ رنگ کی ایک ریشمی چادر ڈال رکھی تھی، سر پہ کالے رنگ کی ایک نقاب

تھی، ان سیاہیوں سے اس کا گورا اور خوبصورت چہرہ اس طرح چمک رہا تھا، جیسے کالی بدلیوں کی اوٹ سے چاند جھانکتا ہے ——— بشرطیکہ چاند اتنا ہی روشن اور تابناک ہو، جتنا اس چہرہ ——!

وہ باغ کی سیر کر رہی تھی۔ کبھی یہ پھول توڑ لیا، کبھی اس کلی کو دیکھنے لگی۔ ٹہلتے ٹہلتے جب تھک گئی۔ تو ایک روش کے پاس پہنچی۔ یہاں سنگِ مرمر کی ایک تپائی رکھی ہوئی تھی۔ اس پہ بیٹھ گئی، ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتی اور کبھی سونگھنے لگتی۔

اتنے میں قہرمانہ (داروغہ محل) اس کے پاس تیز قدم بڑھاتی ہوئی پہنچی، کہنے لگی۔

"آپ یہاں تشریف رکھتی ہیں۔ میں نہ جانے کہاں کہاں ڈھونڈ آئی، آپ کو؟"

بانو:- "کیوں خیریت تو ہے؟ مجھے تلاش کرنے کی کیا ضرورت آ پڑی تھی۔؟"

قہرمانہ:- "وہ آئے ہیں، وہ ——— میرا مطلب ہے، میرے آقا افشین!"

بانو:- "(تیوری چڑھا کر) تمہارے آقا افشین آئے ہیں۔ تو جاؤ بیٹھو ان کے پاس یہاں کیوں آئی ہو؟"

قہرمانہ:- "وہ آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

بانو:- "یاد کرنے دو ——— میں ابھی سیرِ چمن میں مصروف ہوں۔"

قہرمانہ:- "لیکن میری سرکار، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں!"

بانو:- "وہ مجھے ملنا چاہتے ہیں؟ کہاں ہیں وہ؟"

قہرمانہ:- "وہ ایوانِ بالا میں تشریف رکھتے ہیں۔ وہیں آپ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہیں۔"

بانو:- "تم چلو میں آتی ہوں!"

تھرمانہ اُلٹے پاؤں واپس گئی، پھر اطمینان سے بانو اُٹھی، اور وقار و تمکنت کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی۔ ایوانِ بالا کے زینہ پر چڑھنے لگی۔ وہ چل رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے ایک ملکہ رعب اور شان کے ساتھ، آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔

وہ اس کمرہ میں پہنچی، جہاں افشین اس کا منتظر تھا، اسے دیکھتے ہی وہ سرو قد کھڑا ہو گیا۔ بڑے تپاک اور گرم جوشی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، سرد مہری کے ساتھ بانو نے بھی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

افشین کی عمر ساٹھ سال سے کم نہ ہو گی، وہ مرزبان کا تقریباً ہم عمر تھا۔ دونوں میں بڑی پرانی دوستی تھی، مرزبان کی طرح افشین کے تمام بال سفید ہو چکے تھے، فرق یہ تھا کہ مرزبان نے کبھی خضاب کی طرف توجہ نہیں کی، اور افشین پابندی کے ساتھ خضاب لگاتا تھا۔

اس وقت وہ لباس فاخرہ پہنے ہوئے ایک کرسی پر متمکن تھا۔ اس نے بانو کو دیکھا، مسکرایا اور گویا ہوا۔

"میں دوشیزۂ فرغانہ کو خوش آمدید کہتا ہوں!"

اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی، باتوں سے شیطنت نمایاں تھی۔ صورت سے ایک عجیب قسم کی نفسانیت برس رہی تھی، بانو نے دل ہی دل میں کہا۔

"یہ شخص کتنا قابلِ نفرت ہے؟ یہ انسان نہیں شیطان ہے، آبا جان سادہ لوح تھے۔ جو اس مکار کو انہوں نے اپنا دوست سمجھا۔"

افشین مسلسل اور مستقل طور پہ اپنی نظریں، بانو کے چہرے پہ جمائے ہوئے تھا۔ بانو نے شرما کر سر جھکا لیا، افشین نے بدستور متبسم کناں کہا۔

"جو مصیبت تمہیں قضا و قدرت کے ہاتھوں پہنچی ہے۔ وہ بہت بڑی ہے، تمہارے باپ اور میرے عزیز ترین دوست مرزبان کی موت، ایک ایسا خسارہ ہے۔ جس کی تلافی نہیں ہو سکتی، نہ یہ غم تم بھول سکتی ہو، نہ میں!"

بانو:۔ ہاں، خدا انہیں جنت نصیب کرے ——— میں تو ایسا سمجھتی ہوں، جیسے اب زندگی بے لطف ہو گئی ہے۔

افشین:۔ "یہ نہ کہو، تم نے ابھی، دنیا کا دیکھا کیا ہے؟"

بانو:۔ "اب دیکھنا بھی نہیں چاہتی"

افشین:۔ "تمہیں زندہ رہنا ہے، زندگی کا لطف حاصل کرنا ہے، دُنیا میں وہ کون ہے، جس کے ماں باپ نہ مرے ہوں"

بانو:۔ "ہاں، لیکن میرا باپ، دوسرے باپوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ صرف باپ ہی نہیں تھا، ماں بھی تھا، بھائی بھی، دوست بھی، ساتھی اور رفیق بھی!"

افشین:۔ "مانتا ہوں، لیکن موت سے کس کو رستگاری ہے؟"

بانو:۔ "ٹھیک ہے، جب تک زندگی ہے، یہ غم جھیلنا ہی پڑے گا"

افشین:۔ "تم پریشان اور فکرمند کیوں ہوتی ہو؟ میں تمہاری رکھوالی کو موجود ہوں، جب تک میں زندہ ہوں، تمہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہو سکتی"

بانو:۔ "یہ مجھے یقین ہے، آپ اگر ایسے نہ ہوتے، تو ابّا جان آپ کو میرا ولی کیوں مقرر کرتے؟"

افشین:۔ "ہاں ——— اور وہ مجھے ہرگز تمہارا ولی نہ مقرر کرتے، اگر یہ نہ جانتے ہوتے کہ میری نگاہ میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"

بانو:۔ "میں بھی آپ کو ان سے کم نہیں سمجھتی"

افشین:۔(ذرا پریشان ہو کر) اوہ، تم میرا مطلب نہیں سمجھیں!"

بانو:۔" اگر میں غلط سمجھی ہوں تو آپ سمجھا دیجئے۔"

افشین:۔" میرا مطلب یہ ہے کہ، کیا مرزبان نے کبھی تم سے میرا ذکر نہیں کیا؟"

بانو:۔" خاص طور پر تو نہیں کیا، ویسے اکثر آپ کا ذکر آیا، اور اپنے ایک مخلص دوست اور معتمد رفیق کی حیثیت سے وہ آپ کی تعریف کرتے رہے!"

افشین:۔" بس صرف اتنا ہی؟ اور کچھ نہیں ——— ؟"

بانو:۔" مجھے تو یہی یاد ہے، کوئی اور بات ہو تو بتائیے۔"

افشین:۔" لیکن اگر انہوں نے نہیں بتایا تو تمہیں خود سمجھ لینا چاہیئے۔"

بانو:۔" کہہ تو چکی، میں آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں!"

افشین:۔" جو مر گیا، اس کا ذکر نہ کرو، جو زندہ ہے اس کی قدر کرو!"

یہ عجیب و غریب قسم کی گفتگو سنکر بانو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ لیکن حتی الامکان بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس سے ظاہر یہی کرتی رہی کہ وہ اصل عندیہ نہیں سمجھی، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کے پہلے ہی جملہ سے سمجھ چکی تھی کہ ان حضرت کے دل میں کس قسم کی آرزو مچل رہی ہے۔

"میرا خیال ہے، آپ بھی میرا اتنا ہی خیال کرتے ہیں۔ جتنا اپنی اولاد کا، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ اور میری دعا ہے کہ بہت دنوں زندہ رہیں۔ آپ کے زیر سایہ، ہم لوگ زندگی کی منزلیں آسانی سے طے کر سکیں گے!"

"بانو کی یہ باتیں سنکر افشین سانپ کی طرح بل کھا کر رہ گیا۔ لیکن وہ ہار ماننے والا آدمی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ اب اپنا عندیہ، ذرا وضاحت سے بیان کر دینا چاہیئے۔"

اس نے کہا،

"تم تجاہل عارفانہ سے تو کام نہیں لے رہی ہو؟"

بانو:۔ "جی بالکل نہیں"

افشین:۔ "تم اتنی باتوں کے بعد بھی اب تک یہ نہ سمجھ سکیں کہ میری آرزو تمہارے بارے میں کیا ہے؟"

بانو:۔ "آرزو ــــــــــــ؟"

افشین:۔ "ہاں ــــــــ تم دانشمند ہو، صاحب عقل و فہم ہو، سمجھ لو میں کیا کہنا چاہتا ہوں! میری آرزو کیا ہو سکتی ہے؟"

بانو:۔ "میں مشکور ہوں کہ آپ مجھے دانش مند اور عقل مند سمجھتے ہیں۔ لیکن غور کیجئے، اگر واقعی میں ایسی ہی ہوتی۔ تو آباجان کو کیا ضرورت تھی کہ وہ آپ کو میرا ولی بناتے؟"

افشین:۔ "اس کا کیا مطلب؟"

بانو:۔ "یہ کہ میں اتنی عقل مند اور دانش مند نہیں ہوں، جتنا از راہ عنایت آپ نے سمجھ رکھا ہے۔"

افشین:۔ "اس سے کیا ہوتا ہے؟ کیا وصیت اس لئے کی گئی کہ تم بیوقوف تھیں؟ کیا مجھے ولی اس لئے بنایا گیا کہ تم ناسمجھ تھیں ــــــ؟"

بانو:۔ "اگر اس کے سوا کوئی وجہ ہو سکتی ہے تو وہ مجھے نہیں معلوم!"

افشین:۔ "اچھا خیر ــــــــــ بہرحال مجھے مرزبان کی وصیت کو نبھانا ہے!"

بانو:۔ "لیکن میں تو ایک دوسری بات عرض کرنا چاہتی تھی۔"

افشین:۔ (آمادگی سے) کہو کہو، ضرور کہو، کیا بات ہے؟

بانو:۔ "آپ اشروسنہ کے فرمانروا ہیں!"

افشین:۔ (فخر سے) ہاں، وہاں کے لوگ میرے نام سے کانپتے ہیں۔"

بانو:۔ "آپ امیرالمومنین کی افواج عالیہ کے سپہ سالار اعلیٰ ہیں۔"

افشین :- "(پندار و نخوت کے ساتھ) بیشک، ساری دنیا میں میری بہادری اور شجاعت کی دھوم مچی ہوئی ہے۔"

بانو :- "آپ امورِ سلطنت کے مہتمم اور معاملاتِ مملکت کے منتظم ہیں۔"

افشین :- "اس میں کیا شک ہے۔ (مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے) یہ واقعہ ہے، امیر المومنین بھی میری رائے اور فیصلے کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔"

بانو :- "میں جانتی ہوں، آپ کی ذمہ داریاں کتنی زیادہ اور کتنی وسیع ہیں۔"

افشین :- "(ہنستے ہوئے) ہاں سب طرف کا بوجھ میرے ہی کاندھوں پر آپڑا ہے۔"

بانو :- "پھر کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ آپ اس وصیّت نامہ کا بوجھ اپنے کاندھوں سے اُتار دیں؟ اپنی گراں بار ذمہ داریوں میں ایک ذمہ داری کا اضافہ نہ کریں۔ جب کہ اس میں عملی مشکلات بھی درپیش ہیں۔ آپ اپنے منصب کے لحاظ سے بغداد میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اور وصیّت پر فرغانہ میں عمل ہونا ہے۔ وہی بات ہوئی کشتی در فرنگ، ملّاح در چین!"

افشین غور سے بانو کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہیں، اس طرح کی مشکلات کو میں ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ بہت آسانی سے یہ ممکن ہے کہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر، فرغانہ کو بنالوں، اور یہ بھی بآسانی ممکن ہے کہ تم وہاں چلی آؤ، جو میرا مستقر ہے۔ میں وصیّت نامہ کا بوجھ کسی طرح اپنے کاندھے سے نہیں اُتار سکتا۔ کیونکہ یہ تمہارے والد، اور میرے دوست کی وصیّت ہے۔ خواہ کیسی ہی مصروفیتیں درپیش ہوں، اس میں دستبردار نہیں ہو سکتا!"

اب افشین کا مقصد، بانو پر اور زیادہ واضح ہو گیا، وہ بولی،

"لیکن اس زحمت فرمائی، اور طولِ عمل کی ضرورت کیا ہے۔ میرے بزرگ؟"

افشین :۔ "بزرگ ——— ؟ نہیں مجھے اس طرح مخاطب نہ کرو!"

بانو :۔ "پھر کیا کہوں؟ ——— کیا چچا کا لفظ بہتر ہوگا؟"

افشین :۔ "(چڑ کر) نہیں!"

پھر اس نے اپنی کرسی کھینچ کر، بانو کی کرسی سے اور زیادہ قریب کر لی، اور کہا۔

"بزرگ کے لفظ سے مجھے اتنی تکلیف نہیں پہنچی، جتنی چچا کے لفظ سے پہنچی ہے۔ تم مجھے اسی بے تکلفی سے کیوں نہیں مخاطب کرتیں، جس طرح میں کرتا ہوں؟"

یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک زرکار و رنگارنگ جڑاؤ ہار نکالا، جس کی قیمت کئی ہزار روپے ہوگی۔ اس کے موتی جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ یہ ہار اس نے اپنی ہتھیلی پر رکھا، اور بانو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک ہدیہ ہے، اسے قبول کرو، ایک محبت کرنے والے دل کا ہدیہ، جو اپنی محبت کا جواب محبت ہی سے چاہتا ہے!"

بانو کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے، وفورِ برہمی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے اپنی کرسی گھسیٹ کر پیچھے کر لی، اور تلخ لہجہ میں کہا۔

"یہ آپ کو مبارک، میرے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے، مجھے اس سے معاف ہی رکھیے۔"

افشین :۔ لے لو، قبول کرو، میرا دل نہ توڑو ———!

بانو :۔ میں اپنے باپ کے سوگ میں ہوں، اور آپ کو یہ رنگینیاں سوجھ رہی ہیں، کچھ تو شرم کیجئے۔

افشین :۔ (سنبھل کر) یہ انداز گفتگو اس شخص کے ساتھ ہے، جو تمہارا ولی ہے، جسے تمہارے باپ نے اپنی وصیت کا ذمہ دار بنایا ہے! تم میرا کوئی احترام نہ کرو، لیکن اپنے والد کی وصیت کا احترام تو کرو ———!

بانو:۔ (سکون اور وقار کے ساتھ) لیکن آپ کو بھی واجب ہے کہ اِس وصیّت کا احترام کریں۔ جس کے نفاذ کی ذمہ داری آپ نے قبول فرمائی ہے ۔

افشین:۔ (سکون کے ساتھ) کیا تمہارا خیال ہے، میں اس کا احترام نہیں کرتا ——؟

بانو:۔ بالکل نہیں —— اگر کرتے ہوتے تو، حد سے اتنے آگے نہ بڑھتے،

افشین:۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ۔ جو کچھ تم سے چاہتا ہوں، وہ وصیت کے عین مطابق ہے۔

بانو:۔ (متحیر ہو کر) کیا کہا آپ نے؟ —— کیا وصیّت نامہ وہی نہیں ہے جو موبد نے ہمیں سنایا ہے ——؟

افشین:۔ (ہنستے ہوئے) ہر وصیت اس تحریر میں موجود نہیں ہے، کچھ وصیتیں ایسی بھی ہیں۔ جو مرحوم مرزبان نے زبانی کی تھیں ۔ اور میں ان کی تعمیل بھی اس طرح کروں گا، جس طرح تحریری وصیت کی۔

بانو:۔ غلط، —— ابا جان اگر زندہ ہوتے، تو ہرگز آپ کو اس طرح کی باتیں کرنے کی اجازت نہ دیتے،

افشین:۔ بانو عقل سے کام لو،

بانو:۔ میری دُعا ہے، خدا آپ کو بھی باایں سن و سال، عقل فہم کی نعمت عطا کرے۔

افشین:۔ آخر تم کیا چاہتی ہو؟ کیوں خفا ہو؟ اس برہمی کا سبب کیا ہے؟

بانو:۔ اپنے آپ سے، اپنے دل سے، اپنی آرزو سے پوچھئے۔

افشین:۔ پھر وہی کڑوی اور کسیلی باتیں —— میں نے تمہاری عقل و ذہانت فراست اور دانشمندی کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی، وہ واقعی غلط تھی، حماقت تھی میری ——

بالوبہ:۔ شکر ہے، میری ایک بات تو آپ کی سمجھ میں آئی۔

افشین:۔ کیا تم سے اشروسنہ کا فرمانروا اور عساکر خلافت کا سپہ سالار اعلےٰ مخاطب نہیں ہے؟ کیا اس کے لطف و محبت کا جواب، نفرت اور حقارت سے دینا چاہیئے ——؟ سوچو، غور کرو! —— جواب دو، لیکن سوچ کر!

LIBRARY
No.....................
Aminia Muslim Girls School,

باب - ۳۰

بوڑھے بھی محبّت کر سکتے ہیں!

بانو نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ اس کی طرف حیرت، تعجب، برہمی، اور غضب ملی جُلی نظروں سے دیکھتی رہی، افشین نے کچھ دیر تک، خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"کیوں بانو کیا سوچا تم نے؟"

وہ اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ بولی،

"سوچ لیا!"

افشین: "تو بتاؤ، میں سُننا چاہتا ہوں تمہارا نتیجہ فکر!"

بانو: "بہتر یہ ہے، کہ جس حد تک آپ پہنچ چکے ہیں، وہیں تک رہیئے، جو کچھ میں کہہ چکی ہوں اس پر غور کیجیئے، زیادہ صاف باتیں کرنے پر مجھے مجبور نہ کیجئے!"

افشین: "نہ جانے تم کیا کہہ رہی ہو؟ ——— میری باتیں کان دھر کر سُنو، میں تم سے محبّت کرتا ہوں، ——— اب بھی نہیں سمجھیں میں تم سے عشق کرتا ہوں، اور زیادہ صاف صاف الفاظ درکار ہوں تو کہتا ہوں، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا اب بھی تم میرا مطلب نہیں سمجھیں، کیا اب بھی میری مراد تم پر مخفی ہے؟ کیا اس سے بھی زیادہ کُھلے

الفاظ میں عرض مدعا کروں ؟"

افشین یہ باتیں کر رہا تھا، اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، اس کے لب و لہجہ کا اُتار چڑھاؤ بتا رہا تھا، اپنے جذبات کو وہ بہت روک روک کر بیان کر رہا ہے۔

بانو خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اس کی باتیں سنتی رہی، پھر وہ اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی، اور اس کے قریب سے اس طرح ہٹ گئی، جیسے ہرنی شیر کو دیکھ کر، بھڑک کر، چوکڑی بھرنے لگتی ہے، اس کی آنکھوں سے جوشِ غضب میں اس وقت شرارے نکل رہے تھے، وہ بولی،

میں آپ سے کہہ چکی، حد سے تجاوز نہ کیجئے، لیکن آپ نہیں مانتے، اب مجھے بھی صاف صاف کہنا پڑے گا،

افشین:۔ وہی تو میں سننا چاہتا ہوں، میرے دل و جان کی مالک!

بانو:۔ میں یہ طرزِ مخاطب نہیں برداشت کر سکتی، نہ آپ کے شایانِ شان ہے کہ اسی لڑکی سے جو آپ کی لڑکیوں سے عمر میں چھوٹی ہے، یوں بے محابا، اظہارِ عشق کریں، اسے بڑھبس کہتے ہیں۔ آدمی بنیئے، عقل کے ناخن لیجئے، دنیا کو اپنے اوپر ہنسنے، مذاق اڑاتے، اور تھوکنے کا موقعہ نہ دیجئے۔

افشین نے ایک آہ سرد بھری اور بڑے نرم لہجے میں پیکرِ انکسار بن کر کہا۔!

آہ، ——— بانو میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں؟ ——— کیا تم سمجھتی ہو کہ محبت صرف جوانوں ہی کا حق ہے، بوڑھوں کے لئے محبت کرنا حرام ہے؟ ——— میرا خیال تو یہ ہے، عشق و محبت کا مطلب بڑھاپے ہی میں ہوتا ہے۔ جوانوں سے زیادہ سچی محبت صرف وہی کر سکتا ہے۔ جو عمر رسیدہ ہو، زمانہ کے سرد و گرم دیکھ چکا ہو، جن لوگوں کا خیال ہے کہ عمر رسیدہ

لوگوں کو محبت نہ کرنی چاہیئے۔ وہ احمق ہیں ـــــــ محبت کا سن اور عمر سے کوئی تعلق نہیں، یاد رکھو، جوانی کی محبت خام ہوتی ہے۔ اور بڑھاپے کی پختہ ـــــــ!

بانو:۔ تو پھر میرے بوڑھے ہونا کا انتظار کیجئے، ابھی تو میں جوان ہوں، اگر آپ سے محبت کروں گی، تو وہ خام ہوگی ـــــــ ناقابلِ اعتبار!

افشین سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا!

"اس سینے میں محبت کے جو ولولے بھرے ہیں، وہ جوانوں کے سینہ میں نہیں پیدا ہو سکتے، میں کبھی جوان رہ چکا ہوں، اور اب بوڑھا ہوں۔ اور جس کی تم پرستش کرتی ہو، اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے جوانی میں، محبت کی وہ گرمی، وہ حرارت، وہ جذبہ، وہ کشش، اپنے اندر نہیں دیکھی، جو اب دیکھ رہا ہوں بانو!"

بانو:۔ اسے ہوس کہتے ہیں، سٹھیا جانا کہتے ہیں۔

افشین:۔ "بانو غور کرو، میں کون ہوں؟"

بانو:۔ "ایک ہوس کار انسان"

افشین:۔ "نہیں، اشروسنہ کا فرمانروا میں خلیفہ معتصم کی افواج عالیہ کا سپہ سالار اعلیٰ ہوں، میں بہادر ہوں، شجاع ہوں، پہلوان ہوں، دلیر ہوں، لیکن تمہارے قدموں پر سر رکھنے کو تیار ہوں، میں تمہارے قدموں پر سر رکھتا ہوں، مجھ پر رحم کرو، میری محبت نہ ٹھکراؤ میری محبت کا جواب محبت سے دو!"

بانو:۔ "خاموش ـــــــ"

افشین:۔ اگر تم میری بات مان لو گی، تو مزے میں رہو گی، تم ملکہ بن جاؤ گی، تمہارے منہ سے نکلے ہوئے بول فرمان کی حیثیت رکھیں گے، تم جو چاہو گی وہ ہوگا، تم کہو گی، لوگ سر جھکا کر

اُسے سنیں گے، جو تمہاری خواہش ہوگی، وہ پوری ہوگی، گردنیں تمہارے سامنے جھکیں گی۔ تمہارا فرمان عراق پر، فارس پر، خراسان پر، اشروسنہ پر، اور فرغانہ پر، نافذ ہوگا، ذرا سوچو تو، صرف ایک لفظ "ہاں" کہہ دینے سے تم کیا بن جاؤ گی۔

بانو اُٹھ کھڑی ہوئی اس نے بڑے لہجہ میں کہا۔

اے شخص جس کا نام حیدر ہے اُٹھ، اور نکل جا یہاں سے، اے شخص جو ابن کاؤس کے نام سے پکارا جاتا ہے، جا ــــ چلا جا ــــ اے شخص، جو اشروسنہ کا فرمانروا ہے، اگر اپنی خیریت چاہتا ہے، تو اب اس گھر میں قدم نہ رکھنا، !

افشین :۔ بانو، بانو ــــــــ

بانو :۔ "میں کچھ نہیں سننا چاہتی !"

افشین :۔ "صرف ایک بات !"

بانو :۔ "آدھی بات بھی نہیں، ــــــــ ہاں میں اتنا کرم کر سکتی ہوں، کہ تجھے اس بے ہودگی پر معاف کر دوں، جا میں نے تجھے معاف کیا میں ایک سلوک بھی تیرے ساتھ کر سکتی ہوں، تیری ہوس ناک باتوں کا ذکر زبان پر نہ لاؤں گی، تیری ان سیاہ کارانہ، باتوں کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دوں، اس کا وعدہ کرتی ہوں، مطمئن رہ، ایسا ہی ہوگا، لیکن اگر خدا نے عقل کا ذرا سا شمع بھی تجھے دیا ہے۔ تو اب ایسی باتیں زبان پر نہ لانا"

یہ الفاظ تیر کی طرح افشین کے دل پر لگے، وہ اُٹھ کھڑا ہوا، دانت پیستے ہوئے، اس نے کہا۔

تیری ان باتوں نے مجھے قتل کر دیا ــــ !

بانو :۔ لیکن تُو تو زندہ ہے، باتیں کر رہا ہے، کہیں مُردے بھی بولتے ہیں ؟

افشین :۔ "شاید تیرا یہ خیال ہے کہ میں تیرے مقابلہ میں بے بس ہوں، تیرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا؟"

بانو :۔ "تو سب کچھ کر سکتا ہے۔"

افشین :۔ "ہاں، میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ لیکن میرا دل آمادہ نہیں ہوتا کہ تجھے تکلیف پہنچے گی، ——— دیکھ اپنی دشمن نہ بن۔"

بانو :۔ "مرزبان کی لڑکی دھمکی میں نہیں آسکتی۔"

افشین :۔ "میں پھر کہتا ہوں، سمجھ سے کام لے، وہ بات کر جس سے تجھے نفع ہو، وہ کام نہ کر جو تیری زندگی برباد کر دے!"

بانو :۔ "میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتی۔"

افشین :۔ "جن چیزوں کی تو مالک ہے، وہ میرے قبضے میں ہیں۔ جن چیزوں کا میں مالک ہوں وہ تیری بن سکتی ہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا مانا، تو میں، اور جو کچھ میرا ہے، سب تیرا ہو جائے گا۔"

بانو کا جی چاہا، پہلے سے زیادہ سخت اور درشت لہجہ میں جواب دے، لیکن پھر جذبات پر عقل غالب آئی، اس نے سوچا!

یہ پیر مرد، اقتدار و اختیار کا مالک ہے۔ فوج و سپاہ کا مالک ہے۔ دولت اور ثروت کا مالک ہے، اس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔ میں بے سہارا ہوں، بے بس ہوں، تنہا ہوں، واقعی یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتی، کاش میں نے ضرغام کو نہ جانے دیا ہوتا، کاش وہ یہاں ہوتا، اب تو میں بے یار و مددگار رہ گئی ہوں، اس شہر میں، اس محل میں، اس گھر میں، کون ہے، جو میرا ساتھ دے کر اس کی دشمنی مول لے گا؟ تقاضائے دانش یہی ہے کہ، اس وقت اسے ٹالوں، پھر بیٹھ کر سوچوں، اس کے پنجے سے خلاصی کیونکر ممکن ہے!

یہ سوچ کر اس نے دھیمے لہجہ میں افشین سے کہا،

"آپ نے جو کچھ کہا، میں نے سُن لیا، میں نے جو کچھ کہا، آپ نے سُن لیا، اب بہتر یہ ہے کہ فی الحال یہ گفتگو بند کر دی جائے، آپ میری باتوں پر غور کیجئے، میں آپ کی باتوں پر غور کرتی ہوں۔"

افنشین خوش ہو گیا۔

"ہاں یہ تجویز بہت معقول ہے۔ میں اسے منظور کرتا ہوں!"

بالو:۔ "جیسا کہ میں آپ سے کہہ چکی ہوں، اس وقت جو باتیں ہوئی ہیں، ان کو افشا نہیں کروں گی، کسی سے اس کا ذکر نہیں کرنے کی، بلکہ کوشش کروں گی کہ خود بھی بھول جاؤں، آپ نے کیا کہا تھا، اور میں نے کیا جواب دیا تھا، میں ہرگز نہیں چاہتی، کہ وہ شخص، جو میرے مرحوم باپ کا دوست، رفیق، معتمد، اور یارِ غار تھا، بدنام ہو، رسوا ہو، لوگ اسے حقیر و ذلیل خیال کریں۔

——— کیا میری ان باتوں سے آپ کو اتفاق ہے؟"

افنشین:۔ "اور اگر میں کہوں کہ نہیں ہے اتفاق تو؟"

بالو:۔ تو یہ سمجھ لیجئے، اینٹ کا جواب پتھر سے دینا مجھے بھی آتا ہے، مجھے ایک کمزور اور ناچیز لڑکی نہ سمجھ لیجئے گا۔!

افنشین نے سمجھ لیا، واقعی یہ لڑکی جبر و جور، اور ترغیب و تحریص سے دام میں آنے والی نہیں ہے، اسے قابو میں لانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنا پڑیں گے، تب یہ کہیں اسیر دام ہو گی۔ اس نے کہا ———!

"میں یہ کب کہتا ہوں، کہ تم ایک کمزور اور ناچیز لڑکی ہو؟ میں تو صرف یہ کہتا ہوں، کہ دوسرے لوگوں کی طرح، تمہارا بھی یہ خیال ہے کہ بڑھاپے اور محبت کا کوئی جوڑ نہیں، میں کہتا ہوں یہ غلط ہے، بڑھاپا ہی محبت صحیح ترین زمانہ ہے۔ میرے پہلو میں جو دل تڑپ رہا ہے، وہ صحیح معنی میں محبت کا اہل ہے۔ جو محبت اس کے اندر ہے، وہ کہیں اور نہیں ہے۔ میری محبت

مقابلہ جوان نہیں کر سکتے، کسی طرح نہیں کر سکتے!"

بانو:۔ "پھر آپ نے وہی بے سُرا نغمہ الاپنا شروع کیا؟"

افشین:۔ "نہ ماننا لیکن سُن تو لو"

بانو:۔ "سُن چکی، اس سے زیادہ سُننے کی تاب نہیں ہے"

افشین:۔ "وہی جہالت اور خود سری کی باتیں"

بانو:۔ "میں تو جیسی ہوں، ہوں"

افشین:۔ "بانو یقین کرو، جوانوں کی محبت میں خفت ہوتی ہے، جہالت ہوتی ہے، وہ اپنی محبت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے، وہ اپنے محبوب کی صحیح قدر نہیں کر سکتے، یہ کام صرف بوڑھے ہی کر سکتے ہیں —!"

بانو:۔ "ہوگا، میں نے ابھی تک اس مسئلہ پر غور نہیں کیا ہے"

افشین:۔ "لیکن میری خاطر سے غور کرو، میں اس وقت تک، صبر و ضبط سے کام لوں گا، جب تک تم اچھی طرح غور نہ کر لو"

بانو:۔ شکریہ! —— یہی تو میں بھی عرض کر رہی تھی!

افشین:۔ "اگر تم یہی کہہ رہی تھیں۔ تو میں تمہارا کہا مانتا ہوں"

بانو:۔ "میں ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں"

افشین:۔ "میرا جی بھی چاہتا ہے کہ تمہارا شکریہ ادا کروں، لیکن نہیں، ابھی نہیں"

بانو:۔ "اچھا اب ان باتوں کو ختم کرو!"

افشین:۔ پھر کیا کروں؟

بانو:۔ "ایک امانت دار، ولی اور وصی کی حیثیت سے بھی کچھ دیر گفتگو کر لیجیے، کیا آپ نے

محل کے معاملات کا انتظام کر لیا؟ کیا آپ نے جاگیر، املاک، اور جائداد کی دیکھ بھال کا بندوبست کر لیا؟"

افشین:۔ "ہاں، میں نے سب کچھ کر لیا، کسانوں کے لئے، عامل مقرر کر دیئے ہیں، قصرِ مرزبان کے لئے، مہتمم کا تقرر کر دیا ہے، دوسری چیزوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک الگ منتظم نوکر رکھ لیا ہے، !"

بانو:۔ "ٹھیک ہے، اگر کوئی بات قابلِ ذکر ہوئی تو پھر کہدوں گی۔"

افشین:۔ "لیکن ابھی میری ایک بات باقی ہے!"

بانو:۔ "(بے دلی سے) فرمایئے۔"

افشین نے وہی ہار پھر جیب سے نکالا اور کہا۔
"کیا اسے قبول کر لو گی؟"

بانو:۔ "نہیں ——— میں ایسی کوئی چیز نہیں قبول کر سکتی جسے دیکھ کر آج کی باتیں یاد آ جائیں، میں جو کچھ بھول جانا چاہتی ہوں، آپ وہی یاد دلانا چاہتے ہیں! میں ایسی چیز اپنے قبضہ میں نہیں رکھنا چاہتی، جو آج کی باتیں میرے دل و دماغ پر تازہ کر دے، میرا بس چلے تو میں اس کمرہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں، اس فرش کو مٹی میں ملا دوں، کوئی ایسی چیز باقی نہ رکھوں، جس نے ہماری آج کی باتیں سُنی ہوں، جو آج کی بدمزگی پر شاہد ہو، ——— ہاں، اس کے علاوہ یعنی کسی اور موقع پر، اگر آپ، کوئی تحفہ مجھے دیں گے، تو میں شوق سے قبول کر لوں، لیکن میرے مرحوم والد کے دوست کی حیثیت سے، کسی اور حیثیت سے نہیں۔!"

افشین:۔ "سمجھ میں نہیں آتا تمہارے سینہ میں دل ہے یا پتھر؟"

بانو:۔ "اچھا ایک بات بتایئے!"

افشین :۔ "(خوش ہو کر) ضرور پوچھو"

بانو :۔ "آبا جان نے سامان کو وراثت سے محروم کیوں کر دیا؟"

افشین :۔ "(منہ بنا کر) یہ ایک راز ہے، اس کا افشا ابھی میں نہیں کر سکتا، ہاں اس کے علاوہ جو کچھ پوچھو، وہ بتا سکتا ہوں!"

بانو :۔ "نہیں مجھے کچھ اور نہیں دریافت کرنا ہے!"

اس گفتگو کے بعد مجلس ختم ہو گئی!

باب - ۳۱

روئے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوں نابہ بار

افشین اس بات چیت کے بعد چلا گیا، اور بانو اپنے کمرہ میں تنہا رہ گئی، اب اسے اطمینان سے صورت حالات پر غور کرنے کا موقعہ ملا، دفعتہً اس کی نظر سامنے کی دیوار پر پڑی، یہاں جو پردہ لٹک رہا تھا، اس پر مرزبان کی ایک قد آدم تصویر بڑی ہنرمندی سے کشیدہ کی ہوئی تھی، اس تصویر کو دیکھ کر بانو کے دل میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اپنے حالات کا اس نے جائزہ لیا تو چند ہی روز میں کیسا عظیم انقلاب آ گیا تھا!

باپ رخصت ہوا،

ضرغام آیا اور چلا گیا،

میں یکہ و تنہا بے یار و مددگار رہ گئی،

افشین کی بن آئی، اور وہ ہوس ناکیوں کے مظاہرے پر تل گیا ——!

وہ بانو کا آرزومند ہے، لیکن شاید وہ نہیں جانتا بانو کے دامن تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی، اس کا دامن ضرغام کے سوا کسی کے ہاتھ ہی نہیں آسکتا، وہ افشین سے اتنی ہی دور ہے، جتنی دور زمین سے ثریا!

یہ دل ضرغام کا ہو چکا، اس نشیمن میں اب کوئی نہیں بیٹھ سکتا،

میں نے ماس سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیا کہ، تو جو خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ پورا نہیں ہو سکتا —— میں ضرغام کی امانت ہوں،

لیکن نہیں، —— میں نے اچھا کیا کہ ضرغام کا نام نہیں لیا، اگر میں ایسا کرتی، تو میرا وہ مسافر محبوب خطرات میں گرفتار ہو جاتا، یہ کمبخت افشین اس کی جان کا گاہک ہو جاتا، اور نہ جانے اس کے ساتھ کس طرح پیش آتا!

لیکن ضرغام کو اس وقت میرے پاس تو ہونا چاہیئے تھا،

اے ضرغام تو کہاں ہے؟

ضرغام کا نام جیسے ہی زبان پر آیا، وہ ضبط نہ کر سکی، سسکیاں لے لیکر رونے لگی —— ہمارا ابھی تو آخر زور چلتا ہے، گریباں پر!

اس وقت تنہائی تھی، کوئی پاس نہیں تھا، طبیعت تھی کہ امڈی چلی آ رہی تھی، آنسوؤں کا طوفان تھا کہ سیل رواں کی طرح بہتا چلا آ رہا تھا، جذبات غم والم تھے کہ ان کی تراوش ہو رہی تھی، اس نے آنسوؤں کی بہار چھوڑ دی، اب تک ضبط کرتی چلی آ رہی تھی، اب ضبط کا بند ٹوٹ گیا اس نے اپنے آپ کو نوحۂ بقا کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خون نابہ بار

اگر وہ غیر معمولی طور پر صابر اور ضابطہ نہ ہوتی تو شاید اس وقت چیخ چیخ کر دو رہی ہوتی، اس عالم میں، اسے کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی دیکھتی کیا ہے کہ خیزران چلی آ رہی ہے، اس نے، بانو کی کیفیت بھانپ لی، اور دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف لپکی، اور اسے اپنی آغوش میں ڈھانپ لیا، جیسے کوئی بچہ رو رہا ہو، اور اس کی محبت

کرنے والی ماں لپک کر اسے گود میں لے لے۔

بانو نے خیزران کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس نے مسکرانے کی کوشش بھی کی، لیکن آنکھوں کے پیالے میں آنسو لبالب بھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنی اس کمزوری پر کچھ شرما سی گئی۔ لیکن خیزران ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار عورت تھی۔ اس نے کہا ——،

"میری بچی تم رو کیوں رہی تھیں ——؟"

رومال سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بانو بولی!

"تمہیں میرے رونے پر تعجب ہو رہا ہے؟ کیا اس دنیا میں مجھ سے زیادہ بھی کسی کو حق ہے۔ نوحہ و ماتم اور اشک و آہ کا؟ ابھی میرے باپ مرے کتنے دن ہوئے ہیں؟ میری مصیبتوں کی کوئی انتہا ہے؟"

بانو اور افشین میں جو ماجرا گزرا تھا۔ اور جو باتیں ہوئی تھیں۔ اس سے اور ان کی تفصیل سے تو خیزران ناواقف تھی۔ لیکن اس نے افشین کو محل سے واپس جاتے دیکھا تھا۔ جب وہ جا رہا تھا۔ تو اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اور اس حالت میں اسے دیکھتے ہی خیزران سمجھ گئی۔ دال میں کچھ کالا ہے۔ یہاں آ کر، بانو کو روتے دیکھا تو کڑیاں مل گئیں۔ اور اس نے جان لیا، بات کیا تھی؟ وہ کہنے لگی ——"

"بیٹی سچ کہتی ہو، مرزبان جیسے باپ کا غم، زندگی بھر کے لئے کافی ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ ایسا بدباطن شخص۔ تمہارا ولی اور نگہبان بنایا ہو، جیسا افشین ہے —— خدا غارت کرے منحوس کو!"

یہ کہہ کر اس نے بانو کو لپٹا لیا، اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا،

" لیکن تم پریشان کیوں ہو؟ وہ کیا کر سکتا ہے؟"

بانو:۔ "افشین کی باتوں کا ذکر نہ کرتے ہوئے، تم خیال کرتی ہو میں خوف زدہ ہوں؟ نہیں! یہ بات تو نہیں، میں کسی سے نہیں ڈرتی، لیکن ——"

خیزران:۔ "لیکن کیا؟ میں سمجھ رہی ہوں، بات کیا ہے؟ لیکن تم ذرا بھی پروانہ کرو، میں تو خیر زندگی کے آخری سانس تک تمہارے ساتھ ہوں ہی، لیکن یقین رکھو، محل کا ایک ایک آدمی، تمہیں خوش دیکھنے اور حوادث سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔"

بانو، خیزران کی آغوش سے باہر نکل آئی، خیزران کو اس نے اپنے قریب ہی بٹھا لیا۔

خیزران نے محسوس کیا، وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہے، چنانچہ وہ ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھ گئی، کہ دیکھا جائے، یہ کیا کہتی ہے؟ بڑی دیر تک سکوت کی کیفیت طاری رہی، خیزران ہمہ تن گوش بنی بیٹھی تھی، اور بانو ایسا معلوم ہوتا تھا، کچھ کہے گی، مگر پھر رک جاتی تھی، آخر جب کافی دیر گزر گئی۔ تو خیزران نے کہا۔

"بیٹی تم کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہو؟"

بانو:۔ "ہاں خالہ، بڑی اہم، اور فیصلہ کن بات!"

خیزران:۔ "تو کہو، مجھ سے زیادہ اس بات کا امین اور مستحق ہو سکتا ہے؟"

بانو:۔ "اب اس شہر میں میری جگہ نہیں ہے۔ یہ مقام اب مجھے چھوڑ دینا چاہیئے!"

ایسا معلوم ہوا، جیسے کسی نے کھولتا ہوا پانی، خیزران کے سر پر انڈیل دیا، وہ چیخ پڑی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹی؟"

بانو:۔ "درست کہہ رہی ہوں، —— میرے لئے مناسب اور موزوں یہی ہے، کہ

اس محل کو چھوڑ دوں ، اس سے کنارہ کش ہو جاؤں ، اور کسی دوسری جگہ کا رختِ سفر باندھوں "

خیزران :۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہے ؟"

بانو :۔" ناممکن ہونے کی کیا وجہ ہے ؟"

خیزران :۔" یہ محل ، یہ جائداد ، یہ املاک ، یہ خادم ، یہ گھوڑے ، یہ روپیہ یہ دولت و ثروت ' یہ سب چیزیں کس کی ہیں ؟ ——— کیا تمہارے سوا بھی ان کا کوئی مالک ہے ؟ ان سب کو کیوں چھوڑ دو گی ؟ کس کے لئے چھوڑ دو گی ؟"

بانو :۔" ان لوگوں کے لئے جنہیں اس مال و دولت کی ہوس ہے "

خیزران :۔" وہ کون لوگ ہیں ، جو میری یتیم ، ستم کش ، اور غمزدہ بچی کے مال و دولت پر ، ہوس کی نظریں ڈال رہے ہیں ؟"

بانو :۔" کیا موبد اور افشین کے علاوہ بھی کوئی نام تمہارے ذہن میں آسکتا ہے ؟"

خیزران کا چہرہ یہ باتیں سُنکر زرد پڑ گیا ،

خیزران :۔ " تم اس محل کی ، مرزبان کی چھوڑی ہوئی تمام چیزوں کی مالک ہو ، جو تم کہو گی وہ ہو گا ، جو تم نہ چاہو گی ، وہ ہرگز نہ ہو سکے گا ، کس کی مجال ہے ، جو تمہارے سامنے سرتابی کر سکے ؟"

بانو :۔" (متانت اور سنجیدگی کے ساتھ) نہیں میں ان درو دیوار ، درختوں اور پتھروں کو لیکر کیا کروں گی ؟ یہ سب چیزیں میرے لئے بیکار ہیں ، میں انہیں اور ان کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑتی ہوں ، آبا جان مر گئے ، اب مجھے بھی دنیا سے رخصت ہو جانا چاہیئے "

خیزران نے خیال کیا ، یہ بات تو ۔ وہ اس لئے کر رہی ہے کہ افشین نے حصولِ مقصد

کے لئے اسے کچھ دھمکیاں دی ہیں۔ اور ضرغام سے یہ دُور ہے، اس نے مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

"تم اس قصر کی ملکہ ہو، کیا تمہارا خیال ہے، اس دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو تمہیں یہاں سے نکال سکتا ہے؟"

بانو:۔ "نہیں، کوئی مجھے نکالنا چاہتا بھی نہیں بلکہ وہ تو چاہتا ہے، میں یہاں رہوں، لیکن میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کسی قیمت پر نہیں رہوں گی۔"

خیزران:۔ "میری جان، میری سرکار، تم کس طرح جا سکتی ہو؟ ——— اور آخر مقصد کہاں ہے جانے کا؟"

بانو:۔ "بہر حال میں جاؤں گی، ضرور جاؤں گی، تم یہاں رہ سکتی ہو۔"

خیزران:۔ "ڈرتے ہوئے، بیٹی، تم نے میرے سینہ پر گھونسہ مار دیا، تم نے میری زندگی بھر کی محبت اور چاکری کا صلہ یہ دیا؟ میں یہاں رہ کر کیا کروں؟ جہاں تم وہاں میں، خواہ یہاں رہو، خواہ دنیا کے آخری کونہ پر چلی جاؤ! ——— لیکن یہ تو بتا دو، ارادہ کہاں کا ہے؟ کہاں جانا چاہتی ہو؟"

بانو:۔ "میں عراق جاؤں گی!"

"(خیزران پریشان ہو کر) بیٹی تم نے وہ بات کی ہے جس کا کہنا جتنا زیادہ آسان ہے۔ کرنا اتنا ہی زیادہ مشکل ہے۔ کیا تم جانتی ہو، فرغانہ اور عراق کے مابین کتنا زبردست فاصلہ ہے ———؟"

بانو:۔ "میں نہیں جانتی مگر پھر؟"

خیزران:۔ "تم ماشاء اللہ سمجھدار لڑکی ہو، بے سوچے سمجھے تمہیں کوئی بات نہ کہنی چاہیئے،

ہمارے عراق کے درمیان بہت سے شہر ہیں۔ راستہ پرخطر ہے، جب تک بڑے بڑے قافلے ساتھ نہ ہوں، یا مسلم جماعتوں کی رفاقت میسّر نہ ہو، کوئی رستم واسفندیار بھی اتنا بڑا سفر نہیں کر سکتا، راستے، چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں سے پٹے ہوئے ہیں!"

بانو:۔ "کچھ بھی ہو، میں تو فیصلہ کر چکی، مجھے بہر حال عراق جانا ہے۔"

خیزران:۔ "خدا کے لئے اپنی جان پر رحم کرو، پُرخطر راستہ نہ اختیار کرو۔ نہ جانے کتنے صحرا اور ریگستان قطع کرنے پڑیں گے، جہاں لٹیرے اور جاہل ترکمان، گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ خراسان اور فارس کی طرف جانے والے قافلوں پر چھاپے مارتے ہیں۔ کشت و خون ہوتا ہے، قافلے والوں کو مار ڈالتے ہیں۔ اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتے ہیں —— ذرا سوچو، یہ سفر تم کس طرح کر سکو گی؟"

بانو:۔ "جس طرح سارے لوگ کرتے ہیں، آخر دنیا نے سفر تو ترک نہیں کر دیا ہے۔ ان ترکمانوں کے خوف سے؟"

خیزران:۔ "(بانو کی دلیل سے لاجواب ہو کر) تم عراق اس لئے جا رہی ہو کہ افشین کی دستبرد سے محفوظ رہ سکو، لیکن یہ بھول گئیں کہ عراق ہی تو افشین کا مرکز ہے۔ وہاں رہ کر اس سے کیونکر امان پاؤ گی؟"

بانو:۔ "لیکن وہیں امیر المومنین معتصم بھی تو ہیں۔ کیا امیر المومنین کی موجودگی میں بھی وہ دست تعدّی دراز کر سکتا ہے کسی پر؟ پھر وہاں ضرغام بھی ہے۔ کیا وہ میری نگہبانی کے لئے تن من کی بازی نہیں لگا دے گا؟ گو میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے بارے میں ضرغام کو، اس کمینہ اور بدباطن شخص، یعنی افشین سے نہیں اُلجھنے دوں گی، لیکن عراق ہی وہ جگہ ہے، جہاں حق بات سُنی جا سکتی ہے۔ جہاں حق کی پشت پناہی ہو سکتی ہے۔ جہاں مظلوم کی داد رسی کی

جا سکتی ہے۔ مجھے میرے ارادہ سے روکنے کی کوشش نہ کرو، میں جاؤں گی اور ضرور جاؤنگی۔"

اس گفتگو کے بعد، خیزران کا جواب سُنے بغیر وہ اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ خیزران بھی اس کے پیچھے پیچھے لپکی، لیکن اس تک پہنچ نہ سکی، بانو اندر کمرہ میں چلی گئی، اور وہ باہر کھڑی رہ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد، بانو نے اسے آواز دی، وہ فوراً اندر داخل ہوئی۔ بانو نے پوچھا۔

"سامان نے بارے میں جانتی ہو کہاں ہے؟"

خیزران: "وہ جب سے گئے ہیں، اب تک نہیں آئے ہیں!"

بانو: "خدا رحم کرے ——— آؤ، بیٹھو، کھڑی کیوں ہو؟"

خیزران بیٹھ گئی،

بانو: "میں نے سفر کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن میرے اس ارادہ کا علم کسی کو نہیں ہونا چاہیئے۔ تم محل کے منتظم کو بتا دو کہ ہمارا سامان سفر تیار کر دے، اگویا ہم حسب معمول، یعنی کہیں کسی قریبی مقام تک مختصر سی مدت کے لئے جا رہے ہیں!"

خیزران: "انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا ——— تو کیا سفر کا ارادہ بہت جلد ہے؟"

بانو: جلد از جلد ——— مجھے امید ہے تم میری مدد کرو گی۔

خیزران: دل و جان سے، تمہارے سوا دنیا میں میرا اور ہے کون؟

بانو نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا اور گویا ہوئی۔

بس اب میں مطمئن ہوں، تمہیں جب کوئی کام سونپ دیتی ہوں پھر ذرا بھی فکر نہیں رہتی یہ سمجھتی ہوں وہ ہو گیا۔

باب-۳۲

انقلابات ہیں زمانے کے

خیز زماں کے رخصت ہونے کے بعد، بانو پھر عالم خیال میں پہنچ گئی، افشین کی بدنفسی نے، اس کے دل و دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں، جس شخص کو وہ اپنے باپ کا دوست، اور اپنا چچا سمجھتی تھی۔ اسے جب قریب سے دیکھا، تو اتنا گھناؤنا، اور گندہ پایا، تو طبیعت میں امتلا پیدا ہو گیا۔

سارا دن اسی طرح، پریشانی، اور فکر میں گذرا،

وہ سخت فکر مند تھی کہ آخر سامان کہاں غائب ہو گیا؟ وہ سفر کا تہیہ کر چکی تھی، جلد از جلد اس شہر کو چھوڑ دینا چاہتی تھی، اور سفر میں سامان کا ساتھ ناگزیر تھا، یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ سامان کو ساتھ لئے بغیر وہ سفر شروع کر دے۔

رات بھی انتظار اور کشمکش میں گذر گئی، آخر صبح ہوتے ہوتے سامان صاحب تشریف لائے۔ بانو نے انہیں دیکھتے ہی آڑے ہاتھوں لیا ــ!

"کہاں غائب تھے تم؟"

سامان نے سر جھکا کر جواب دیا!

"کیا بتاؤں؟ میرے غم کا ساتھی تو کوئی ہے نہیں۔"

بانو:۔ کل سے اب تک تمہارا انتظار کر رہی ہوں، طرح طرح کے وہم و امینگمہ ہو رہے ہیں۔ آخر میری پریشانی کا تو خیال کیا کرو۔"

سامان:۔ "جب ایک دن کی میری غیر حاضری سے تم اتنی پریشان اور دل گرفتہ ہو گئیں۔ تو پھر کیا کرو گی، جب میں ایک غیر معلوم مدّت کے لئے یہاں سے غائب رہوں گا۔"

بانو:۔ (پریشان ہو کر) یہ کیا کہہ رہے ہو؟

سامان:۔ "ہاں بانو ——— میں جا رہا ہوں سفر پر!"

بانو:۔ "لیکن کیوں؟ کہاں؟ کب؟"

سامان:۔ "یہ نہیں بتاؤں گا۔"

بانو:۔ "جیسی باتیں آج کر رہے ہو، ایسا تو تم نے کبھی نہیں کہا تھا۔"

سامان:۔ "ٹھیک کہتی ہو، میں بھی کیا کروں؟ ——— ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے لاچار ہے!"

بانو:۔ "آخر ہوا کیا کچھ تو کہو!"

سامان:۔ "کیا کروں کہہ کر؟ میرے درد کا مداوا کسی کے پاس نہیں ہے!"

بانو:۔ "کیا میرے پاس بھی نہیں؟"

سامان:۔ (آہ سرد بھر کر) نہیں، کسی کے پاس بھی نہیں، سب کو دیکھ لیا، سب کو پرکھ لیا، جب باپ نے، کہیں کا نہ رکھا، تو بہن سے کیا شکوہ؟ میری قسمت ہی خراب ہے!

بانو:۔ "ضرور تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

سامان:۔ "یہی سمجھ لو، نکال دو اس پاگل کو گھر سے، جانے دو، اس دیوانے کو، جدھر اس

کا منہ اٹھے۔"

بانو:۔ (بہت زیادہ پریشان ہو کر) خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ میں دیوانی ہوئی جا رہی ہوں۔"

سامان:۔ "دیوانے ہوں تمہارے دشمن، کاہے کا غم ہے؟ غم کا پہاڑ تو میرے سر پر ٹوٹا ہے۔"

بانو:۔ "وہ کون سا غم ہے۔ جو تمہارے سر پہ پہاڑ بن کر گرا ہے؟"

سامان:۔ "کیا یہ کوئی معمولی غم ہے کہ کل تک میں اس گھر کا مالک تھا، آج میری حیثیت ایک غلام کی بھی نہیں، کل تک یہاں کے نوکر چاکر میرے اشاروں پر چلتے تھے۔ اب کوئی بات بھی نہیں پوچھتا، بات کرو تو سیدھے منہ جواب نہیں دیتا، کل تک میں سب کچھ تھا اب کچھ نہیں ہوں! آہ!

انقلابات ہیں زمانے کے!

بانو:۔ "لیکن نئی بات کیا ہوئی؟ —— یہ شکایتیں بہت پرانی ہیں۔"

سامان:۔ "تمہارے نزدیک —— میرے نزدیک ہر صبح جب طلوع ہوتی ہے۔ تو نئی آفتوں اور مصیبتوں کا پیام لاتی ہے۔ میں اب افشین کا دست نگر ہوں، موبد کا محتاج ہوں گھر کے غلام، میرے آقا ہیں، یہاں کی لونڈیاں میری نگران ہیں۔ یہاں کے نوکر میرے اتالیق ہیں۔ کیا ان حالات کے بعد، ایک منٹ کے لئے بھی میں یہاں رہ سکتا ہوں؟"

بانو:۔ "جاؤ گے کہاں؟ قصد کدھر کا ہے؟"

سامان:۔ "جدھر منہ اُٹھ جائے —— ملکِ خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست!"

بانو:۔ "وہ تو ٹھیک ہے پھر بھی سمت سفر تو معیّن ہی کرنا ہو گی؟ آخر قصد کدھر کا ہے؟"

سامان:۔ "دنیا میں میرا ایک ہی دوست ہے، جس پر اعتماد کر سکتا ہوں، جس کی رفاقت پہ

بھروسہ کر سکتا ہوں ہوں، جو اس مصیبت کے عالم میں میرا ساتھ دے سکتا ہے ——
اور وہ صرف ضرغام ہے۔ اس کے دامن میں ڈھونڈھ لوں گا، اس کی رفاقت میرے غم کو دُور کرے گی۔!"

بانو:۔ تو تم عراق جا رہے ہو؟

ساماں:۔ عراق نہ کہو، جنّت کہو، ضرغام جہاں رہتا ہو، وہ جگہ میرے لئے جنّت سے کم نہیں، میں فرغانہ کے اس جہنّم سے نکل کر، ضرغام کی جنّت میں جا رہا ہوں۔ مجھے رخصت کرو، میرے لئے دعا کرو مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو!

بانو:۔ کیا واقعی تم عراق جا رہے ہو؟

ساماں:۔ ہاں —— کیا تمہیں شک ہے کچھ ——؟

بانو:۔ نہیں میں تو یونہی پوچھ رہی تھی،

ساماں:۔ تم نے بھی تو کوئی پروگرام سفر کا بنایا تھا کچھ یاد ہے؟

بانو:۔ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے لیکن پروگرام؟

ساماں:۔ یہی ضرغام سے تم نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ عراق جلد از جلد پہنچوں گی؟

بانو:۔ ہاں میں نے وعدہ کیا تھا!

ساماں:۔ تو پھر اس وعدہ کے ایفا کا وقت آ گیا ہے؟

بانو:۔ (دل میں خوش ہو کر) تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟"

ساماں:۔ ہاں اس سے بہتر وقت نہیں آ سکتا، میں تمہاری رفاقت کروں گا تمہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔

بانو:۔ (آمادگی کے ساتھ) مجھے منظور ہے میں چلوں گی۔

سامان:۔ لیکن یہ سوچ لو راستہ نہایت تکلیف دہ ہے۔

بانو:۔ کوئی پرواہ نہیں ——— خدا خود میر سامان است ارباب توکل را!

پھر تم بھی تو ساتھ ہو،

سامان:۔ تو پھر سامان ٹھیک کروں؟

بانو:۔ نیکی اور پوچھ پوچھ،

سامان:۔ بہتر ہے ——— لیکن اس سفر کا ارادہ راز میں رہنا چاہیئے۔ ورنہ وہی بات ہو گی، کہ اُڑنے سے پہلے گرفتار ہو جائیں گے!

بانو:۔ بہر حال میں تم سے زیادہ محتاط ہوں، تم اپنی زبان قابو میں رکھو، میری طرف سے کسی قسم کی بد احتیاطی کا اندیشہ مت کرو!

سامان:۔ (مسکراتے ہوئے) بس ساری خرابیاں تو مجھ ہی میں ہیں۔

بانو مسکرانے لگی،

سامان کا اس سفر سے کیا مقصد تھا، اور یہ تحریک سفر، اس نے کیوں کی؟

کچھ نہیں معلوم، وہ عجیب و غریب انسان تھا، اپنے ارادے خود اپنے سے مخفی رکھتا تھا، بظاہر بڑا مسکین بھولا بھالا، نیم دیوانہ، لیکن درحقیقت دانا، زیرک، ہوشیار، اس کا کوئی کام حکمت اور تدبیر سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ یقیناً اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات ضرور ہو گی۔ لیکن دل کا حال خدا کے سوا کون جان سکتا ہے؟

باب ۔ ۳۲

ضرغام کا گھر

خلیفہ معتصم نے سامرا، ایک نئے اور شاندار شہر کی تعمیر اس لئے کی تھی کہ اس میں اپنے خاص اور محبوب ترک فوجیوں کو لبسائے، دوسرے لوگوں کو بھی، جو وہاں کے شایانِ شان طریقے پر رہنا چاہیں۔ لبنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ سامرا، بنو عباس کا لبسایا اور بنایا ہُوا دوسرا شہر تھا۔ یہ لبغداد سے پچاس میل کے فاصلے پر دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔

معتصم نے سامرا میں ایک نئی بات یہ رکھی تھی کہ اس نے شہر کو، مختلف قطعات میں تقسیم کر دیا تھا، ہر قطعہ کسی خاص وطنیت یا قومیت رکھنے والے لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اور یہ قطعہ انہیں لوگوں کے وطن کی مناسبت سے یاد کیا جاتا تھا، ایک قطعہ میں سمرقند کے لوگ آباد تھے۔ دُوسرے میں فرغانہ کے باشندے، کسی میں اشروسنہ کے آدمی، کہیں کسی دوسرے شہر کے شہری، ان میں سے ہر قطعہ کا ایک قائد بھی مقرر کیا گیا تھا جو اپنی جماعت کے تمام معاملات کا سربراہ اور نگران مانا جاتا تھا، ان قائدوں یا سربراہوں میں سب سے زیادہ نمایاں، معزز اور صاحب اقتدار ہستی افشین کی تھی۔

یہ نسلاً ملوک اشروسنہ میں سے تھا، اسی لئے اشروسنہ کے باشندوں کا قائد اور سربراہ اسی کو بنایا گیا، اور ایک قلعہ کا قائد آشناس تھا، یہ معتصم کے ایک سالار کا مملوک (غلام) تھا، لیکن معتصم نے اسے خرید لیا۔ اور آزاد کر دیا، پھر وہ ترقی کرتے کرتے اس درجہ پر پہنچ گیا۔ ایتاخ ایک دوسرے قطعہ کا قائد بھی ملوک تھا۔ یہ بھی معتصم کی نظر عنایت سے بڑھا، اور ترقی کرتے کرتے اونچے منصب پر فائز ہوگیا۔ سیما بھی ایک سالار کا غلام تھا۔ لیکن اسے بھی آزادی ملی، اور آزادی کے بعد یہ بھی ترقی کے زینوں پر تیزی سے چڑھنے لگا۔

جب معتصم کی یہ رائے پختہ ہوگئی کہ اب سامرا کی تعمیر شروع ہو جانی چاہیئے، تو اس نے قابل اور ماہر مہندسوں اور انجنیئروں کو طلب کیا کاریگروں اور معماروں کو حاضری کا حکم دیا۔ سنگ تراشوں، لوہاروں اور نجاروں کو جمع کیا۔ اور ان سب کو حکم دیا کہ بصرہ سے تمام ضروری سامان حسب ضرورت اپنی نگرانی میں یہاں لائیں۔ ضرورت ہو تو بغداد بلکہ پورے سواد (عراقین) انطاکیہ، اور جملہ سواحل شام میں، جو کام کی چیز ملے، اور جس قیمت پر دستیاب ہو، اسے لے کر آجائیں، سنگِ رخام کی جتنی ضرورت ہو۔ وہ لاذقیہ یا جس مقام پہ ملے۔ آنکھ بند کرکے منہ مانگی قیمت پہ لے لیا جائے۔

شہر کے بیچوں بیچ معتصم نے قصرِ خلافت کا حکم صادر کیا۔ اس کے ایک جانب مسجد جامع کی نہایت شاندار، اور وسیع پیمانہ پر بنیاد ڈالی، مسجد کے ارد گرد خوبصورت اور خوشنما دوکانیں تعمیر کرائیں۔ ہر چیز کی تجارت کے لئے، جس طرح منصور نے، بغداد میں الگ الگ بازار تعمیر کر دئے تھے۔ بالکل اسی طرح معتصم نے سامرا میں کیا۔

قواد (یعنی سالاروں) کے لئے، معتصم نے، جو قطائع الگ کئے تھے۔ وہ قصرِ خلافت سے کافی فاصلہ پر تھے۔ اور بازار سے بھی دور تھے عام لوگوں کی رہائش جن علاقوں میں تھی۔

وہاں سے بھی وہ کافی فاصلہ پر تھے، اشناس کی حویلی سامرا کے شمال میں قصرِ خلافت سے چند میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہ حویلی جس محلہ میں تھی۔ اس کا نام کرخ تھا۔ یہ نام بغداد کے مشہور محلہ کرخ پر رکھا گیا تھا۔ افشین کی حویلی جنوب میں تھی۔ یہ جس محلہ میں واقع تھی۔ اس کا نام مغیرہ تھا۔ یہی حال دوسرے سالاروں کی حویلی کا تھا۔ اہلِ فرغانہ کیلئے جو قطعات وقف تھے۔ وہ نسبتاً قصرِ خلافت سے قریب تھے۔ اسی طرح ترکوں اور خراسان کے باشندوں اور مغرب اقصٰے کے لوگوں کی آبادیاں تھیں۔

معتصم نے ہر سالار کو یہ حکم دیا تھا کہ اپنے محلہ میں، مسجد تعمیر کرائے اور بازار قائم کرے، تاکہ وہاں کے لوگ، عبادت اور ضرورتِ زندگی کے سلسلہ میں، دوسرے محلوں میں جانے پر مجبور نہ ہوں۔ کام کی تمام چیزیں انہیں وہیں بغیر کسی زحمت کے مل جائیں۔

سامرا میں، معتصم نے، بڑی بڑی چوڑی چکلی سڑکیں بھی بنوائی تھیں۔ جو دجلہ متوازی میں آکر ختم ہوتی تھیں۔ اور چھوٹی چھوٹی گلیاں اور کوچے، ان کے دائیں بائیں پہلوؤں سے قطع ہوتے تھے، سب سے بڑی سڑک، مطیرہ سے شروع ہو کر دجلہ کے سامنے ہوتی ہوئی، کرخ پر آکر ختم ہوتی تھی عام لوگوں کے قطعے اسی سڑک کے داہنے اور بائیں واقع تھے، پھر گلیوں اور کوچوں میں تقسیم ہوتے ہوئے، دجلہ تک پہنچ جاتے تھے۔ اسی سڑک پر دفترِ خراج و محاصل واقع تھا۔ یہیں قصرِ خلافت بھی اپنی پوری آن بان اور شان کے ساتھ موجود تھا۔ مسجد جامع بھی جلال و تمکنت کی پوری آب و تاب کے ساتھ، یہیں موجود تھی، بازارِ غلامان (سوق الرقیق) بھی یہیں تھا۔ اس بڑی سڑک سے ملی ہوئی بالکل مقابلہ میں ایک دوسری سڑک تھی جس کا نام "شارع ابی احمد" تھا۔ ان دونوں بڑی سڑکوں کے علاوہ اور بھی بہت سی سڑکیں، جو سیکڑوں سے متجاوز تھیں موجود تھیں۔ جن پر ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت،

اور چہل پہل رہتی تھی۔

دریائے دجلہ پر، معتصم نے ایک مضبوط و مستحکم پل بھی تعمیر کیا تھا، یہ پل دریا کے مشرقی اور مغربی کناروں کو ملاتا تھا۔ اس طرف بھی بلند و بالا، اور خوب صورت و خوشنما عمارتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلایا گیا تھا۔ دلکش اور نظر فروز باغات کی تو بہت کثرت تھی کہ قدم قدم پر

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست

والا معاملہ تھا۔ ہر تھوڑے فاصلہ پر ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے کنویں تھے جن سے عام لوگ اپنی تشنگی بجھاتے تھے۔ معتصم نے اس شہر کو ہر اعتبار سے بہتر و برتر اور مکمل بنانے کیلئے، ہر شہر کے ماہرین فن، صناع، انجینئر، معمار، کاریگر اور حرفت پیشہ لوگ جمع کر لئے تھے۔ یہاں آب رسانی کا بڑا اچھا اور مکمل انتظام تھا۔ کاغذ سازی کی صنعت بھی یہاں زوروں پر تھی۔ یہ کاغذ ساز ہنر ور مصر سے لائے گئے تھے۔ شیشہ کی صنعت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ریشم کی صنعت بھی یہاں عروج پر تھی، شیشہ اور ریشم کے صنعت کار بصرہ سے بلا کر یہاں آباد کئے گئے تھے اور یہ تمام صنعت کار، اور ہنر ور، تنہا نہیں تھے۔ بلکہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ آئے تھے۔ ان کے روزگار اور قیام کا بڑا معقول بندوبست کیا گیا تھا۔ یہاں کی عمارتیں اچھے خاصے محل معلوم ہوتے تھے جنہیں سبزہ زار، اور باغ گھیرے ہوئے تھے(۱) لوگوں کو جب اس شہر کی تعمیر و ترقی اور آبادی و فراغ و ثروت کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ کاروبار اور خرید و فروخت کے لئے ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑے، پھر معتصم کے،

---

(۱) کتاب البلدان للیعقوبی ——— !

خلیفہ واثق باللہ اور خلیفہ المتوکل باللہ نے اس شہر کو نئے نئے اضافوں سے اور چار چاند لگا دیئے۔ اور ایسی شاندار یادگار عمارتیں تعمیر کیں، جو تاریخ کا مستقل موضوع ہیں

معتصم کے قصرِ خلافت کے نزدیک اہلِ فرغانہ کے مکانات واقع تھے۔ ان مکانوں کے عین وسط میں، ایک اوسط درجہ کا سادہ، لیکن دل آویز مکان واقع تھا۔ اس مکان کا ایک پائیں باغ بھی تھا، جسے اونچی اونچی دیواریں گھیرے ہوئے تھیں۔ دروازہ دریائے دجلہ کے رخ پر کھلتا تھا۔ اس کے بالکل سامنے کھجور کے دو اونچے اونچے درخت اس طرح جھوم رہے تھے، جیسے وہ ہر طوفان سے بے خبر اور بے پرواہ ہیں۔

سامرا کے لوگ اس گھر کے مکینوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ سوا اس کے کہ یہ بہادر اور شریف قائد (سالار) ضرغام کا گھر ہے۔ نہ اس میں دوسرے گھروں کی طرح، نوکروں چاکروں کا ہجوم تھا نہ یہاں کے رہنے والے بازاروں اور محلوں کے گشت میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ صرف ایک آدمی تھا۔ جو ضروریاتِ زندگی کی چیزیں لینے کیلئے آیا جایا کرتا تھا۔ لوگ اس حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے تھے، کہ ضرغام ایک نوجوان ہے۔ دولت دنیا سے مالا مال ہے۔ ایک اونچے اور بڑے منصب پر فائز ہے۔ لیکن اتنی سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔ اس زندگی میں نہ نمائش ہے۔ نہ تصنع، نہ نخوت، نہ مال و زر کا مظاہرہ نہ دولت و ثروت کا دکھاوا، اسے دنیا کے جاہ و حشم سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ ایک قسم کی نفرت ہے، آخر یہ کس قسم کا آدمی ہے؟ اس سے کم حیثیت کے دوسرے سالار اور امراء و رؤسا تھے جن کے پاس دربانوں، خادموں، اور غلاموں کی فوج تھی۔ لیکن۔ یہ درویش صفت سالار، ان تمام باتوں سے —— ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہے —— آخر یہ کس قسم کا آدمی ہے؟ وہ اس گھر میں، سادگی اور قناعت کے ساتھ تنہا رہتا تھا، جن لوگوں کو کبھی

یہاں آنے، اس سے ملنے، اور باتیں کرنے کا موقع ملا تھا، وہ دیکھ کر حیران تھے، کہ اس منزلت کے باوجود جو اسے حاصل ہے۔ وہ کتنا درویش صفت نوجوان ہے۔ اور ضرغام کے علاوہ اس گھر کا دوسرا مکین، اس کی بوڑھی، بیمار اور نابینا ماں تھی، اور اس کی ایک خادمہ مسعودہ —!

ضرغام کے ان طور طریقوں کے نہ صرف اس کے محلہ میں، اس کے شہروں یعنی اہلِ فرغانہ میں، بلکہ پورے سامرا میں، اس کی عزت و وقعت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا تھا۔ جو لوگ ذاتی طور پر اسے جانتے تھے۔ وہ تو اس کے مداح اور خیر خواہ تھے ہی، لیکن جو لوگ ذاتی طور پر اس کے شناسا نہیں تھے۔ بلکہ دور سے اسے دیکھتے لیکن اس کے کارناموں سے واقف تھے۔ وہ بھی اس کی عزت و تکریم میں پیش پیش رہتے تھے ضرغام کا نام لے لینا، اس بات کی ضمانت تھی، کہ یہ ایسے شخص کا نام ہے۔ جس میں تمام انسانی خوبیاں موجود ہیں۔ جس کا وجود انسانیت اور شرافت کا معیار ہے۔

باب ۔ ۳۴

اندھی ماں

ضرغام کی ماں کا نام مرجانہ تھا، اور اب کافی عرصے سے اس کی آنکھیں بینائی کھو چکی تھیں۔

مرجانہ کے اندھے ہونے کا ماجرا بھی کچھ عجیب سا ہے!

عنفوان شباب میں ہی اس بینائی جاتی رہی۔ لیکن کس طرح؟ یہ ایک راز تھا۔ اور اسے وہ افشا کرنے پر تیار نہیں تھی۔ ضرغام نے کئی مرتبہ پوچھا، لیکن جس طرح وہ اپنے آپ کو، اپنے ماضی کو، اپنے حالات کو چھپاتی تھی۔ اسی طرح اس نے اپنی بینائی کا راز بھی کسی پر آشکارا نہیں کیا، اس رازداری میں وہ اتنی پختہ تھی۔ کہ فرغانہ کے قصرِ مرزبان میں وہ ایک مدت دراز تک مقیم رہی۔ لیکن انتہائی تجسّس اور کوشش کے باوجود کوئی نہ جان سکا۔ یہ کون ہے۔ یا کہاں سے آئی ہے؟ بیوہ کیونکر ہوئی؟ اس کا شوہر کون تھا؟ آنکھیں بینائی کی نعمت سے کس طرح محروم ہوئیں۔ لوگوں نے حتیٰ کہ مرزبان تک نے بڑا زور لگایا لیکن اس راز کو کوئی نہ جان سکا!

ضرغام نے بھی اس کا راز اگلوانے کی بڑی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ جب بھی اس نے اپنے باپ کے بارے میں سوال کیا، مرجانہ نے یہی جواب دیا۔ کہ وہ ایک سپاہی

تھا۔ اور ایک معرکہ آرائی میں کام آیا، اور یہ کہ اُس نے عہد کیا ہے کہ زندگی بھر اس کا سوگ منائے گی، کالا لباس پہنے گی۔ اور کسی طرح کی مسرّت میں حصّہ نہیں لے گی۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں، اُس نے سختی سے اپنے عہد کو نباہا۔

کئی مرتبہ ضرغام نے بہت اصرار کیا، کہ اپنے باپ کے بارے میں صحیح حالات معلوم کرے۔ کیونکہ مرجانہ نے اب تک جو کچھ بتایا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ واقعی ہی ہے۔ لیکن اس کی زبان نہ کھلی، بڑی مشکل سے اصرار شدید کے بعد، اگر اس نے کچھ کہا تو صرف یہ کہ اپنی مفصّل سرگزشت تمہیں سناؤں گی۔ لیکن ابھی نہیں کسی دوسرے موقعہ پر جب بھی وہ تقاضا کرتا، مرجانہ یہی کہتی،

"ابھی نہیں ——— پھر کسی دن؟"

اور بات ختم ہو جاتی،

ضرغام قصرِ مرزبان میں آرام سے تھا۔ اسے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مرزبان کا برتاؤ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ اور بانو اُسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ لیکن اسے یہ بات نہیں گوارا تھی، کہ نکھٹوؤں کی طرح مُفت روٹیاں توڑے، وہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ کچھ کر کے دکھانا چاہتا تھا۔ اور اپنے دست و بازو کو کام میں لانا چاہتا تھا۔ فرغانہ میں رہ کر اُبھرنے اور ترقی کرنے کا کوئی موقعہ نہیں تھا۔ رہ رہ کر یہی دل میں آتا تھا، کہ عراق جائے اور وہاں قسمت آزمائی کرے، کمائے، کھائے، کھلائے، ماں کو عیش کرائے۔

شروع شروع میں تو مرجانہ اسے سفر کی اجازت دینے پر رضامند نہیں ہوئی، ٹالتی رہی، ایک روز ضرغام نے بہت اصرار کیا۔

"اماں آخر تم مجھے کیوں نہیں جانے دیتیں؟"

مرجانہ :۔ "تو جا کر کیا کرے گا وہاں ؟"

ضرغام :۔ "محنت کروں گا ، مزدوری کروں گا ، کماؤں گا ، کھاؤں گا ، کھلاؤں گا۔"

مرجانہ :۔ "سمجھو کیا تو یہاں بھی نہیں ہے !"

ضرغام :۔ میں مفت کی روٹیاں توڑنا نہیں چاہتا ۔ میرے ہم عمر ، دنیا کی دوڑ میں ، زندگی کی جد وجہد میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہے ہیں ۔ ترقی کر رہے ہیں ، عروج اقتدار حاصل کر رہے ہیں ۔ میں یہاں اس پر مگن ہوں کہ پکا پکایا کھانا مل جاتا ہے ۔ اسی طرح میرے حوصلے پست ہو جائیں گے ۔ میں کسی کام کا نہیں رہوں گا ۔

مرجانہ :۔ آخر تو نے سوچا کیا ہے ؟ وہاں جا کر کیا کرے گا ؟

ضرغام :۔ عراق اس وقت طالع آزما لوگوں کا مرکز بنا ہوا ہے ۔ جو وہاں جاتا ہے ۔ کسی نہ کسی کام میں لگ جاتا ہے ۔

مرجانہ :۔ ہاں یہ میں جانتی ہوں !

ضرغام :۔ پھر مجھے بھی وہاں کوئی نہ کوئی کام مل ہی جائے گا ۔

مرجانہ :۔ لیکن خود تیری طبیعت بھی تو راغب ہو گی کسی طرف ؟

ضرغام :۔ اماں تم کہتی تھیں ، میرے والد سپاہی تھے ؟

مرجانہ :۔ ہاں وہ سپاہی تھے ——— کیا تو بھی سپاہی بننا چاہتا ہے ؟

ضرغام :۔ میری تمنا تو یہی ہے !

مرجانہ :۔ معتصم کی فوج میں ایک سے ایک اعلیٰ اور بہادر سپاہی پڑا ہے ، تجھے کون پوچھے گا ۔

ضرغام :۔ یہ سپاہی ماں کے پیٹ سے سپاہی نہیں پیدا ہوئے ۔ انہوں نے سپہ گری سیکھی ہے ۔ سپہ گری کے جوہر دکھائے ہیں ۔ تب جا کر ، اس منزل پر پہنچے ہیں ۔

مرجانہ :۔ "تجھے اُمید ہے۔ تو بھی سپہ گری کے جوہر دکھانے میں کامیاب ہو جائے گا؟"

ضرغام :۔ "ہاں بے شک ——— میں جوان ہوں، تنومند ہوں، اپنے سے دوگنی عمر کے آدمی سے لڑ سکتا ہوں، اپنے سے زیادہ مضبوط و توانا کو بچھاڑ سکتا ہوں، تلوار چلانا جانتا ہوں۔ نیزہ بازی سے واقف ہوں، شہسوار ہوں ——— مقابلے کے میدان میں کیوں کسی سے پیچھے رہنے لگا؟"

مرجانہ :۔ "اچھا میں اجازت دیتی ہوں"

ضرغام :۔ "(خوش ہو کر) اماں تم اجازت دیتی ہو مجھے عراق جانے کی؟"

مرجانہ :۔ "ہاں ——— لیکن ایک شرط ہے"

ضرغام :۔ "اپنی وہ شرط بھی بیان کر دو"

مرجانہ :۔ "میں تیرے ساتھ چلوں گی، تجھے اکیلا نہیں جانے دوں گی"

ضرغام :۔ "(کچھ تامل کے بعد) مجھے یہ شرط منظور ہے۔ میں خوشی سے تمہیں اپنے ہمراہ لے چلوں گا۔ میں جو ترقی کرنا چاہتا ہوں، وہ اس لئے کہ جی بھر کے تمہیں عیش کرا سکوں ——"

مرجانہ :۔ "(مسکراتے ہوئے) لے اب زیادہ باتیں نہ بنا سفر کی تیاری کر"

ضرغام اپنی ماں کو لیکر ایک پردیسی اور اجنبی کی حیثیت سے سامرا پہنچا۔ شروع شروع میں تو اُس نے تکلیفیں اٹھائیں، دُکھ سہے، فقر و فاقہ تک بھی نوبت پہنچی، لیکن جب ملازمت کی، تو اُس نے ترقی کے زینے بڑی سرعت سے طے کرنے شروع کئے۔ اور دیکھتے دیکھتے خلیفہ معتصم کی نگہبان فوج کا سپہ سالار اعلیٰ بنا دیا گیا۔ یہ اتنا بڑا اعزاز تھا، کہ خود اسے اس پر فخر تھا، اور دوسرے رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

پھر اب، جب کہ سرکاری کام کے سلسلہ میں ضرغام، فرغانہ جانے لگا۔ تو مرجانہ بڑے

اصرار اور عاجزی کے ساتھ کہا۔

"بیٹے، میں تمہیں روک نہیں سکتی، سرکاری کام ہے۔ ضرور جاؤ لیکن میری یہ التجا نہ بھولنا کہ ضرورت سے ایک دن بھی زائد نہ رہنا، جلد سے جلد آنے کی کوشش کرنا!"

یہ کہتے کہتے مرجانہ کی بے نور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ضرغام نے بچوں کی طرح، اسے لپٹتے ہوئے کہا۔

اطمینان رکھو، میں انشاء اللہ بہت جلد آجاؤں گا، ضرورت سے ایک دن بھی زیادہ نہیں ٹھہروں گا!"

ضرغام چلا گیا ——— اور اندھی مرجانہ، اس گھر میں انتظار کی گھڑیاں کاٹنے کے لئے، تنہا رہ گئی، ہاں ایک مسعودہ تھی، جو اس کی خدمت کرتی تھی۔

مرجانہ کا معمول یہ تھا، کہ وہ دن بھر گھر میں بیٹھی رہتی تھی، پائیں باغ کی طرف شاذ و نادر ہی چلی جاتی ہو، تو چلی جاتی ہو، ورنہ سارا وقت اسی کمرہ میں صرف کرتی تھی۔ مسعودہ کئی سال سے راس کی خدمت کر رہی تھی، وہ وفادار اور محبت کرنے والی خادمہ تھی۔ اس ساری مدت میں ایک مرتبہ بھولے سے بھی مرجانہ کو ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔ وہ باتیں بھی بہت کم کرتی تھی۔ کوئی ایسی ہی بات ہوتی۔ تو کر لی۔ ورنہ خاموش بیٹھی ہے۔ مسعودہ نے اس کی زندگی کو پہلے تو تعجب اور حیرت کی نظر سے دیکھا۔ پھر جب مانوس ہو گئی۔ تو اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو گئی اور محبت کرنے لگی۔

مرجانہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ اندھی بھی تھی۔ لیکن اب تک خوبصورت تھی۔ آثار بتاتے تھے۔ کہ عہد شباب میں اس کا حسن کس غضب کا ہو گا! وہ بھرے بھرے بدن کی، اور اچھی مضبوط کاٹھی کی عورت تھی۔ اگرچہ اس نے زندگی کے بہت سرد و گرم دیکھے تھے۔ اور بیوگی

کے بعد سے، یعنی عہدِ شباب سے لیکر اس وقت تک تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی تھیں مگر اس کا حُسن اب تک محفوظ تھا۔ اب بھی نہ صرف خوبصورت تھی، بلکہ کشش اور جاذبیت بھی رکھتی تھی۔ اس کی خادمہ مسعودہ اپنے امکان بھر اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

مسعودہ کو یہ بہت گراں گزرتا تھا۔ کہ مرجانہ ہر وقت چپ رہتی ہے۔ صرف آج، کہ کچھ تو ہے، وہ ایسی تمام خبریں اسے خاص طور پر سنایا کرتی تھی۔ جن میں کچھ عجیب اور طرفگی کا اثر ہوتا تھا۔ لیکن سُنی اَن سُنی کر دیتی تھی، البتہ جب سے اس کا بیٹا ضرغام فوج میں ملازم ہوا تھا۔ وہ فوجی خبریں، اور خاص طور پر امیر المومنین معتصم کے حالات اشتیاق اور توجہ سے سُن لیتی تھی۔ اور خاص طور پر جب سے ضرغام سفر پر گیا تھا۔ وہ فوج کی خبریں، اور معتصم کی باتیں، اور زیادہ توجہ سے سُننے لگی تھی۔ لیکن صرف سُنتی تھی۔ کہتی کچھ نہیں تھی۔ البتہ کبھی کبھی ٹھنڈی سانس لے کر کہتی۔

"ضرغام نہیں آیا اب تک"

ضرغام کو ماں کا بہت خیال رہتا تھا۔ چنانچہ جب وہ سامّرا کے قریب پہنچ گیا، تو اُس نے ایک خادم خاص، اپنے پہنچنے سے کچھ دیر پہلے اس لئے بھیج دیا کہ پہلے سے اسے اطلاع ہو جائے اور اس کی تشویش،، رفع ہو جائے۔ مسعودہ کو جیسے ہی یہ خوشخبری ملی۔ وہ دوڑی دوڑی مرجانہ کے پاس آئی، مرجانہ کی اگر آنکھیں ہوتیں، تو وہ اس کے ہشاش بشاش چہرہ سے فوراً اندازہ کر لیتی کہ یہ کوئی خوشخبری لیکر آئی ہے۔ لیکن وہ نعمت نظر سے محروم تھی، کسی غلطی یا بیماری کی وجہ سے نہیں، بلکہ بینائی کی نعمت بھی، ظالم زمانے نے اسی طرح اس سے چھین لی تھی۔ جس طرح اس کا سہاگ، جس طرح اس کی شادمانی، لیکن جس طرح وہ اپنے بہت سے زخموں اور صدموں کو اب تک چھپائے ہوئے تھی۔ اسی طرح اپنی نابینائی کا راز بھی اس نے

لوگوں سے چھپا رکھا تھا۔ جب مسعودہ لپکتی ہوئی اندر داخل ہوئی، تو مرجانہ نے سمجھ لیا، یہ مسعودہ ہے، اُس نے یہ بھی محسوس کر لیا۔ کوئی اہم خبر لائی ہے، اس کی دونوں بے نور آنکھیں اس طرح حرکت کرنے لگیں۔ گویا وہ آنے والے کا چہرہ پڑھ کر خفیف حال معلوم کرے گی۔ مسعودہ نے پہنچتے ہی یہ خوشخبری اپنی ملکہ کے منتظر کانوں تک پہنچا دینا چاہی، لیکن مرجانہ نے اسے موقعہ نہیں دیا، پوچھا،

"مسعودہ کیا ضرغام آگیا؟"

مسعودہ چیخ پڑی۔

"ہاں میری سرکار، ضرغام آگیا، لیکن یہ خبر آپ تک کس طرح پہنچی——؟"

مرجانہ نے جواب دیا،

"یہ خبر میرے دل نے مجھ حرماں نصیب تک پہنچائی—— کہاں ہے ضرغام——؟

مسعودہ:۔ بس آیا ہی چاہتے ہیں، بہت قریب پہنچ چکے ہیں، ساتھ اسے اطلاع دینے کے لئے آدمی پہلے سے بھیج دیا،

یہ سُنکر مرجانہ ضبط نہ کر سکی، وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر مسرت اور بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے، اس کے ہونٹ بڑی مدت کے بعد نیم تبسم سے آشنا ہوئے، لیکن اس کی بے نور آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے بھی گر پڑے، جو ڈھلک کر گالوں پر آکر رک گئے، اِن آنسوؤں کو اُس نے سیاہ نقاب کے دامن سے پونچھ ڈالا، اور پھر تبسم کرتے ہوئے کہا،

"خدا کا شکر ہے، میرا ضرغام آگیا!"

مسعودہ نے تائید کی

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے!"

مرجانہ:۔ "یہاں کب تک آجائے گا!"

مسعودہ:۔ "میرا خیال ہے، شام تک آجائیں گے، انشاء اللہ"

مرجانہ:۔ "تو پھر اس کے لئے اچھے اچھے کھانے تیار کرو، وہ تھکا ہوا آئے گا، میں نہیں چاہتی اسے انتظار کرنا پڑے!"

مسعودہ:۔ "بہت خوب، ——— ابھی لیجئے، آج ایسے کھانے پکاؤں گی کہ وہ انگلیاں بھی چاٹیں گے!"

مرجانہ مسکراتی ہوئی، تیزی سے اپنے کمرہ کی طرف اس طرح واپس گئی جیسے وہ دیکھ رہی ہے۔ اندھوں کو خدا ایک ایسا حاسہ دے دیتا ہے کہ وہ بڑی حد تک اپنی نابینائی کی تلافی کر لیتے ہیں۔ اِن کے تمام حواس چوکنّے رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر کسی مدد اور سہارے کے اپنے کمرہ میں پہنچی، منہ ہاتھ دھویا، کپڑے بدلے، اور کچھ کاموں میں مشغول ہو گئی کہ انتظار کی گھڑیاں زیادہ طویل اور ناقابلِ برداشت نہ معلوم ہوں۔

نابینائی کے ساتھ مرجانہ کی حاضر دماغی کا یہ عالم تھا کہ کمرہ میں بیٹھے بیٹھے وہ جان لیتی تھی، کہ کون نوکر اس وقت کہاں ہے؟ اور کیا کر رہا ہے؟ گھر میں بیٹھی ہے یا پائیں باغ میں؟ اب وہ کمرہ میں بیٹھی ہوئی ہے، اور مسعودہ باورچی خانہ میں بیٹھی، کھانے کا اہتمام کر رہی تھی، اور دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی، کہ آج سفر سے ضرغام واپس آ رہا ہے، اس کے آنے کی خبر سُنکر مرجانہ کا مغموم دل کتنا مسرور ہے؟ آج وہ آئے گا، اور کھانے کھائے گا، اور مرجانہ اسے اچھے اچھے کھانے اپنے ہاتھ کھلا کر کتنی خوش ہو گی،

"وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی، کہ اس کے کانوں میں آواز آئی،

"مسعودہ ——!"

یہ آواز مرجانہ کی تھی، یہ سنتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اور تیزی سے اس کے کمرہ میں پہنچی،

"کیا ہے میری سرکار؟ آپ نے مجھے کیوں یاد فرمایا ہے؟"

مرجانہ نے کہا۔

"ضرغام آگیا، تو نوکروں سے کہو اس کی پیشوائی کے لئے جائیں۔"

مسعودہ کو مرجانہ کی اس بات پر بہت تعجب ہوا، ضرغام اگر آیا ہوتا تو سب سے پہلے اُسے خبر ہوتی، اور نوکروں سے پیشوائی کی تاکید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ باہر بیٹھے اسی لئے ہیں کہ ان کا آقا آئے، اور وہ سب سے پہلے بڑھ کر اس کی پیشوائی کریں،

لیکن یہ اعتراضات اُس نے مرجانہ کے سامنے نہیں دوہرائے، کہا،

"نہیں میری سرکار وہ ابھی تک نہیں آئے، البتہ آتے ہی ہوں گے۔"

مرجانہ بگڑ گئی، اس نے برہم ہوتے ہوئے کہا،

"کیسے نہیں آیا، میں اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سُن رہی ہوں، اور تم کہتی ہو، وہ نہیں آیا، وہ آگیا، جاؤ نوکروں سے کہو، اس کا استقبال کریں ـــــ جاؤ!"

مسعودہ، اتنے دن رہ کر، مرجانہ کی خصوصیات سے واقف ہوگئی تھی، وہ اس کی حاضر دماغی سے کافی مرعوب و متاثر تھی۔ اس نے بار بار ہا، ایسے موقعے دیکھے جاتے تھے کہ مرجانہ نے وہ چیز بتادی، جو آنکھیں رکھنے کے باوجود، وہ نہیں دیکھ سکتی تھی!

چنانچہ وہ چپ چاپ باغیچے میں واپس آگئی، اور نوکروں سے اس نے کہا ـــ!

"یہاں بیٹھے کیا کر رہے کیا کر رہے ہو، مالک آرہا ہے، اس کی پیشوائی کیلئے باہر نکلو!"

وہ ہنسنے لگے، ایک بولا،

"کیا دوربین لگائی ہے، تم نے؟ ——"

دُوسرے نے کہا،

"ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا"

مسعودہ مُسکراتی ہوئی بولی،

"دیکھ تو میں بھی کچھ نہیں رہی ہوں، لیکن حکم یہی ہے"

اتنے میں سامنے سے گرد اُٹھتی ہوئی نظر آئی۔ پھر اس کے کانوں میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آنے لگی۔ پھر گرد کا پردہ چاک ہوا۔ ایک خوش اندام اور خوب صورت گھوڑا اس پر خضر خام، ایک بانکے سپاہی کی طرح سوار تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور گھوڑا تھا۔ اس پر وردان ڈٹا ہوا تھا، —— یہ تماشا دیکھ کر، یعنی اپنی مالکہ کے شعور کا یہ کارنامہ دیکھ کر مسعودہ دنگ ہو گئی۔ اور اسے خوش خبری پہنچانے کے لئے اس کے کمرہ میں پہنچی، لیکن پہنچ کہاں پائی، مرجانہ راسے آتی ہوئی ملی، اس کے بے نور آنکھیں اس سمت کی طرف گردش کر رہی تھیں۔ جس طرف سے ٹاپوں کی آواز آرہی تھی۔ وہ حلقوں کے درمیان اس طرح گردش کر رہی تھیں۔ جیسے جو کچھ دیکھنا منظور ہے۔ وہ اسے دیکھ رہی ہیں۔

مرجانہ نے مسعودہ کو آتے ہوئے محسوس کر لیا تھا۔ وہ بولی

"کیوں مسعودہ، میں نے کیا کہا تھا"

مسعودہ شرمندہ سی ہو گئی، کہنے لگی۔

"بے شک آپ نے سچ کہا تھا۔ ہم لوگ جو کچھ آنکھیں رکھنے کے باوجود نہیں دیکھ پاتے، آپ دیکھ لیتی ہیں"

مرجانہ نے کہا۔

میں تو ایسا محسوس کر رہی تھی، جیسے گھوڑے کی وہ ٹاپیں میری رگوں میں جولاں ہیں۔ گویا میں، گھوڑے کا ہانپنا خود اپنے کانوں سے سُن رہی ہوں ——— خدا میرے بچہ کو اچھا رکھے، اس کی نگہبانی کرے ———

مرجانہ نے یہ الفاظ کچھ ایسے انداز میں کہے، جیسے وہ اپنی آنکھوں سے بول رہی ہے، اس منظر نے مسعودہ پر بڑا اثر کیا، اسے مرجانہ پر بڑا ترس آیا۔ اس کے بس میں ہوتا تو ذرا دیر کے لئے وہ اپنی آنکھیں مرجانہ کو دے دیتی کہ یہ ضرغام کو دیکھ لے، اور یہ منظر دیکھ کر کتنی لازوال مسرت ہوتی اُسے؟!

باب ۔ ۳۵

آغوشِ مادر میں

ضرغام جیسے ہی خانہ باغ کے دروازے پر پہنچا، اس نے اپنا گھوڑا خادموں کے حوالہ کیا، اور جلد ہی سے گھر میں داخل ہو گیا، وہ اپنی ماں سے ملنے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا، مرجانہ بدستور دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی بے نور آنکھیں اسی راستہ پر لگی تھیں جدھر سے ضرغام کو آنا تھا، جب وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا، جلدی جلدی، ماں کے حضور میں حاضر ہوا۔ مرجانہ نے اسے سینہ سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی کو چوما۔ وہ اسے ایسی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے واقعی ہی وہ نظر آ رہا ہے۔ ضرغام نے جھک کر ماں کے قدم لئے، پھر اس کے ہاتھوں کو چوما، پھر وہ اسے لے کر اپنے کمرہ میں آئی، وہ بار بار اسے پیار کرتی، سینہ سے لگاتی، لیکن جی سیر نہیں ہوتا تھا، وہ اپنی انگلیوں سے اس کے کاندھے کو، گردن کو، ہاتھوں کو، سینہ کو ٹٹول رہی تھی، کہ سفر کی ماندگی سے میرا بچہ دُبلا اور کمزور تو نہیں ہو گیا؟ وہ اپنی انگلیاں اس کے چہرے پہ پھیر رہی تھی، گویا وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی، کہیں اس کا منہ تو نہیں اُتر گیا، اس کی انگلیاں اس کے داڑھی اور مونچھوں تک بھی پہنچ گئیں گویا ان انگلیوں سے وہ آنکھ کا کام لے رہی تھی۔ اور اپنے بیٹے کی صحت خیریت

جب اسے خوب اچھی طرح پیار کر چکی، تو پوچھا۔

"ضرغام تیری صحت کیسی رہی؟"

ضرغام نے جواب دیا۔

"اماں، بہت اچھا ہوں، بہت تندرست جیسا یہاں سے گیا تھا، اس سے بھی زیادہ تندرست ہو کر واپس آیا ہوں!"

پھر مرجانہ نے مسعودہ کو آواز دی، وہ آئی تو کہا،

"ضرغام بھوکا ہو گا، دستر خوان جلدی بچھاؤ!"

پھر بیٹے سے کہا،

"چل کھانا کھالے!"

وہ اٹھ کھڑا ہوا،

"اماں میں لباس سفر تبدیل کر کے ابھی آیا، ابھی"

وہ لباس تبدیل کر کے جلد ہی آ گیا، ماں بیٹے ساتھ ساتھ دستر خوان پر بیٹھے، عشا کے قریب کھانے سے فارغ ہوئے، آج گھر کی کیفیت دیکھنے کے قابل تھی، مرجانہ کے حکم سے چراغاں ہو رہا تھا، جب تک ضرغام سفر سے واپس نہیں آیا تھا، بس ایک چراغ جلتا تھا، لیکن آج سارے دنوں کی کسر نکل گئی۔

یہ لوگ جب کھانے سے فارغ ہو گئے، تو مسعودہ اپنے کمرہ میں واپس چلی گئی، اس خیال سے کہ اتنے دنوں کے بعد، ماں بیٹے ملے ہیں، خوب جی بھر کر باتیں کر لیں۔

ضرغام تکیہ سے ٹیک لگا، کر ماں کے پاس بیٹھ گیا، پاس ہی مرجانہ بیٹھ گئی، ضرغام کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھی، جیسے وہ کہہ رہی تھی، اس ننھے بچہ کو کوئی اٹھا نہ

لے جائے، وہ بار بار اپنی انگلیاں اس کے سر و سینہ پر محبت و شفقت کیساتھ پھیرتی تھی، اور اس کی صحت و خیریت کے بارے میں دریافت کرتی تھی، ضرغام نے کہا،

"ماں میں تو اچھا ہوں، تم اپنی کہو۔"

مرجانہ:- "میں بھی اچھی ہوں، میرا منفیاس (تھرمامیٹر) تو ہے، تو اچھا ہے تو میں اچھی ہوں۔"

ضرغام:- "لیکن کچھ دُبلی نظر آتی ہو۔"

مرجانہ:- "نہیں بیٹے، یہ تیرا خیال ہے۔"

ضرغام:- "میں کسی طبیب کو بُلا کر تمہیں دکھاؤں گا۔"

مرجانہ:- "نہیں اس کی ضرورت نہیں، میں بالکل اچھی ہوں، ——— ہاں یہ تو کہو فرغانہ بھی جانا ہُوا تھا؟"

فرغانہ کا نام سُنکر ضرغام کا دل دھڑکنے لگا، اسے بانو یاد آگئی، وہاں کی باتیں اور صحبتیں یاد آگئیں، اس نے کہا،

"ہاں گیا تھا۔"

مرجانہ:- "کتنے دن ٹھہرے تھے۔"

ضرغام:- "چند دن ———"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا، اور سوچنے لگا، اب مرزبان کی باری آگئی، ضرور اس کے بارے میں سوال ہوگا،

"اس کی موت کا ذکر کروں یا نہ کروں؟"

مرجانہ:- "وہاں کے حالات کیا ہیں؟ یہ چند دن کیسے گزرے؟"

ضرغام:- "حالات ٹھیک ہیں، میں تو وہاں اس طرح رہا جیسے کوئی اپنے گھر میں رہتا ہے۔"

مرجانہ: "وہ تو ہونا ہی چاہیئے تھا"

ضرغام: "وہاں کے لوگ، تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ جسکی زبان پر دیکھو تمہارا ذکر ہے"

مرجانہ: "مرزبان کا حال کیسا ہے؟"

ضرغام: "وہ بیمار ہے، حالت بہت نازک ہے، اطبّاء جواب دے چکے ہیں"

مرجانہ: "یہ کیوں نہیں کہتا اس کا انتقال ہو گیا ——؟

ضرغام نے کوئی جواب نہیں دیا،

"میرا خیال ہے، مرزبان کا انتقال ہو گیا، کیا یہ واقعی نہیں ہے؟"

ضرغام: "اگر نہیں ہوا، تو ہو جائے گا، ممکن ہے ہو بھی چکا ہو —— کیا بتاؤں اس شخص کی خوبیاں سراپا محبّت و شفقت، مجھ سے اس طرح پیش آیا کہ ماس کی بزرگی کا نقش میرے دل پر بیٹھ گیا، تمہارے احترام و اجلال سے اس کا دل معمور ہے۔ جب ذکر کرتا ہے۔ اتنی عزت کیساتھ کہ معلوم ہوتا ہے، وہ مرید ہے، اور تم مرشد ہو!"

مرجانہ: "میں سمجھ گئی، بیٹے ——————!

ضرغام: "مجھے نہیں بتاؤ گی، کیا سمجھیں؟"

مرجانہ: "مرزبان کی خبر وفات رفتہ رفتہ کر کے تو مجھ تک پہنچانا چاہتا ہے، خدا اس پر رحم کرے، اس کی روح کی آسودگی اور سکون عطا کرے، خدا کی مرضی یہی تھی"

ضرغام کو ماں کے اس شعور اور حاضر دماغی پر حیرت نہیں ہوئی، وہ اس سے پہلے، ایسے حیرت انگیز کئی واقعات دیکھ چکا تھا۔

مرجانہ نے پوچھا،

"مرزبان کے بچّے تو اچھے ہیں؟"

ضرغام:۔ "بہت اچھے ہیں، ـــــــ مرزبان نے بہت کافی دولت چھوڑی ہے ان کے لئے"

مرجانہ:۔ لیکن یہ دولت میرے خیال میں صرف بانو کو ملے گی؟"

ضرغام:۔" اور سامان کو بھول گئیں؟ وہ بھی مرزبان ہی کا لڑکا ہے"

مرجانہ:۔ نہیں بھولی نہیں، میرا خیال تھا۔ مرزبان اسے وراثت سے محروم کرے گا۔

ضرغام:۔ نہیں یہ تمہارا صرف خیال نہیں ہے۔ اس کے پیچھے کوئی راز بھی ہے جسے تم چھپا رہی ہو، جسے دریافت کر کے رہوں گا۔ ـــــــ بتاؤ کیا بات ہے۔

مرجانہ:۔ اچھا یہی سہی ـــــــ لیکن وہ راز ایسا نہیں ہے، جس کا انکشاف کرسکوں، اگر بتا سکتی، تو نہ چھپاتی ـــــــ اچھا سامان کا ذکر چھوڑو، یہ بتاؤ بانو کیسی ہے، میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں، اس کی پیاری پیاری باتیں یاد آتی ہیں، تو دل تڑپ اٹھتا ہے"

بانو کا ذکر سن کر ضرغام کے دل کی سوکھی ہوئی کھیتی ہری ہو گئی، اس نے کہا،

"واقعی وہ اس قابل ہے کہ تم اس سے محبت کرو، اس سے سارا فرغانہ محبت کرتا ہے۔ وہ سراپا خوبی ہے، میں نے فہم و فراست، حسن و جمال، عادات و خصائل، اور سیرت و کردار کے اعتبار سے کوئی عورت اس کے مقابلہ کی نہیں دیکھی، میری کتنی تمنا تھی، کہ خدا تمہیں آنکھیں دیتا، اور تم بچشم خود، اس کی صوری و معنوی خوبیوں کا مشاہدہ کر سکتیں، ـــــــ"

مرجانہ:۔ میں دیکھتی ہوں، تم اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا

رہے ہو! ــــــــــ لیکن میں تمہیں ملامت نہیں کر سکتی، واقعی ہی وہ بڑی اچھی اور پیاری لڑکی ہے۔ اس دنیا میں، اگر کسی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکنے کی آرزو ہے۔ تو وہ صرف تم ہو ــــــــــ یا پھر بانو!"

پھر اس نے ایک سرد آہ بھری، اور کہا۔

لیکن یہ میری قسمت ہے۔ خدا کی مرضی بھی تھی، ہر حالت میں اس کا شکر واجب ہے۔ بے شک میں آنکھوں سے محروم ہوں، لیکن نور بصیرت سے محروم نہیں ہوں۔ میں تمہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی، لیکن دل کی آنکھوں سے دیکھتی ہوں، اور دیکھ سکتی ہوں، بالکل یہی کیفیت میری، بانو کے بارے میں ہے۔ وہ بھی میرے دل و جان پر چھائی ہوئی ہے۔

یہ کہہ کر مرجانہ نے اپنی انگلیاں اس کے منہ پر پھیرنا شروع کیں۔ پھر سینہ پر رک گئیں، انگلیوں نے ضرغام کے دل کی دھڑکن سن لی۔

مرجانہ: "میں بانو سے بہت محبت کرتی ہوں، کیا تم بھی اس سے محبت کرتے ہو؟"

ضرغام: "ہاں ہاں میں اسے بہت چاہتا ہوں ــــــــــ میرے خیال میں تم میرے اس جذبہ کو ناپسند بھی نہیں کرو گی، ابھی کہہ چکی ہو، جس طرح تمہارے دل میں میری جگہ ہے، اسی طرح تم بانو کو بھی عزیز رکھتی ہو ــــــــــ میں غلط تو نہیں کہتا!"

مرجانہ: مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر مسرت بخش بات کیا ہو سکتی ہے، لیکن بیٹے وہ اونچی ڈال ہے وہاں تک تمہارا ہاتھ پہنچ سکے گا؟"

ضرغام: "تم سمجھتی ہو، وہ مغرور ہے؟"

مرجانہ: "نہیں یہ تو نہیں سمجھتی، لیکن یہ خیال ضرور کرتی ہوں، کہ وہ دولت مند ہے، ہم اس کے مقابلے میں غریب ہیں۔ ممکن ہے، دوسرے دولت مندوں کی طرح وہ بھی اپنا مقام ہم سے بہت اونچا سمجھتی ہو، اور اگر وہ ایسا سمجھتی ہو تو تعجب کی بات بھی نہیں۔"

ضرغام: "کیوں تعجب کی بات کیوں نہیں ———— ؟"

مرجانہ: "اس لئے کہ وہ نہیں جانتی، کہ تم کون ہو، تمہارا باپ کون تھا؟"

یہ کہتے کہتے مرجانہ رُک گئی۔ گویا جو کچھ وہ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اُس کا کچھ حصّہ کہہ گئی۔

ضرغام: "یہ تو تم نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ میرا باپ کون تھا؟"

مرجانہ: "بتاؤں گی ———— ذرا صبر اور کرلو ———— !"

ضرغام: "لیکن بانو سے متعلق تم نے جو رائے قائم کی ہے وہ درست نہیں ہے۔ اس میں نہ غرور ہے۔ نہ تکبر۔ نہ نخوت۔ نہ پندار، وہ خود بھی مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے۔"

مرجانہ: "ہاں ہو سکتا ہے۔ کرتی ہوگی۔ نیک اور شریف لڑکی ہے۔"

ضرغام: "میرے نسب سے ناواقف ہوتے پر بھی، وہ مجھ سے شادی کا عہد کر چکی ہے ———— اماں! کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم اپنا وعدہ پورا کرو، اور مجھے میرے نسب سے واقف کردو، بتادو، میرا باپ دراصل کون تھا؟"

مرجانہ:۔ میرے بیٹے، مطمئن رہ، یہ بات ضرور بتاؤں گی، اور بہت جلد بتا دوں گی، لیکن کچھ دیر اور انتظار کرنا پڑے گا۔

ضرغام:۔ (رد مٹھتے ہوئے) نہ جانے کب تک؟"

مرجانہ:۔ بہت تھوڑی سی مدت —— پھر سب کچھ بتا دوں گی — مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ وہ تجھ سے شادی کرنے کو تیار ہے۔ یہ وہ آرزو ہے۔ جو ایک عرصہ دراز سے میرے سینے میں مچل رہی ہے۔ لیکن بظاہر یہ اتنی ناممکن بات تھی، کہ کبھی اسے زبان پر نہیں لاتی!"

ضرغام:۔ "خدا نے تمہاری آرزو پوری کر دی"

مرجانہ:۔ "ہاں شکر ہے، اس پاک پروردگار کا!"

ضرغام:۔ "اتنی اچھی بہو پاکر تمہیں واقعی خوش ہونا چاہیے۔"

مرجانہ:۔ میری خوشی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا —— ہاں لیکن یہ تو بتاؤ، کیا یہ عہد مرزبان کے سامنے ہوا ہے۔؟ —— میرا مطلب یہ ہے کہ اسے تم دونوں کے قلبی جذبات کا علم تھا ——!"

ضرغام:۔ "یہ عہد تو ہم دونوں نے اس وقت کیا تھا۔ جب میں فرغانہ ہی میں تھا، عراق نہیں پہنچا تھا!"

مرجانہ:۔ "مسکراتے ہوئے" اور مجھے بھی خبر نہیں کی، کیوں رے شریر!

ضرغام:۔ تمہیں اس لئے اطلاع نہیں کی کہ مجھے شبہ تھا۔ یہ عہد بندھ سکے گا یا نہیں"

مرجانہ:۔ "یہ شبہ کیوں تھا۔"

ضرغام:۔ اس لئے کہ میں اُس وقت تک کسی قابل نہیں تھا۔ اب خدا کے

فضل سے میں یہ صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہوں۔ کہ بغیر کسی احساس کمتری کے جذبہ کے اس کا رفیق زندگی بن سکوں!

مرجانہ :۔ "تو فرغانہ اسی لئے گئے تھے تم؟"

ضرغام :۔ ہاں، وہاں جانے کا مقصد تو صرف یہی تھا!"

مرجانہ :۔ پھر تم نے مرزبان سے کیوں نہ بات چھیڑی!

ضرغام :۔ میرا ارادہ تو یہی تھا، اور اسی لئے گیا تھا۔ پہلے بانو سے تجدید عہد کروں۔ پھر مرزبان کے دروازے پر دستک دوں۔ بانو اپنے عہد پر پہلے سے زیادہ مستقل نکلی۔ لیکن مرزبان سے گفتگو نہ ہو سکی۔

مرجانہ :۔ اُس کی علالت کے سبب؟

ضرغام :۔ ہاں، وہ بہت سخت بیمار تھا اور بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ورنہ یقین تھا کہ سفر میں تمام باتیں پورے طور پر طے ہو جائیں —— اب تو معاملہ بہرحال کچھ عرصہ کے لئے ملتوی ہو گیا ہے۔

مرجانہ :۔ اگر خدا نے یہ آرزو پوری کر دی اور بانو سے تمہاری شادی ہو گئی تو تم فرغانہ منتقل ہو جاؤ گے؟ یا بانو یہاں آکر رہے گی؟

ضرغام :۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔

مرجانہ :۔ نہیں! بانو کی مرضی پر —— جو وہ کہے گی وہی کرو!"

ضرغام :۔ میں نے اُس سے پوچھا تھا۔

مرجانہ :۔ (اشتیاق کے ساتھ) اُس نے کیا جواب دیا؟

ضرغام :۔ اس نے کہا، جہاں تم رہو گے وہاں میں رہوں گی، مجھے نہ فرغانہ سے

دلچسپی ہے نہ سامرّا سے "

مرجانہ :۔ بڑی دانشمند لڑکی ہے ، خدا اس کی عمر میں برکت دے "

ضرغام :۔ میرا ارادہ یہ تھا ، کہ فرغانہ میں کچھ دن ٹھہروں ، یہاں تک کہ سوگ کے دن ختم ہوجائیں ، اور شادی کرکے اسے یہاں لاؤں ، اتنے میں خلیفہ کا پروانہ پہنچا ۔ جس میں جلد از جلد واپسی سامرّا کا حکم تھا ، کیا کرتا چلا آیا "

مرجانہ :۔ یہی ہے تمہاری محبت "

ضرغام :۔ میں نے تو فیصلہ کرلیا تھا کہ ابھی نہیں آؤں گا ـــــــ "

مرجانہ :۔ پھر خلیفہ سے ڈر کر آگئے ۔

ضرغام :۔ نہیں ، خود بانو نے مجبور کرکے مجھے بھیجا ، اس نے کہا تمہیں امیر المومنین کی اطاعت ہر حال میں کرنی چاہیے ۔ میں وعدہ کرتی ہوں ۔ جو تم کہو گے ، وہی کروں گی ! "

مرجانہ :۔ (مسرور ہوکر تبسّم کناں) شاباش لڑکی ، شاباش ـــــــ ضرغام میں تجھے مبارکباد دیتی ہوں ۔ واقعی ! تو خوش قسمت ہے کہ اتنی شریف اور اتنے اونچے کردار کی لڑکی تیری رفیقۂ حیات بننے پر تیار ہے "

ضرغام :۔ مجھے اپنی خوش بختی پر ناز ہے ـــــــــــ زیادہ تر اس لئے کہ میں تمہارا بیٹا ہوں ۔ تمہاری جیسی ماں کا وجود میرے لئے باعثِ ناز ہے اور اس لئے کہ بانو جیسی عورت میری رفیقۂ حیات بنے گی ، لیکن ماں کیا تم میرے والد کے بارے میں خاموش ہی رہو گی ۔ آخر یہ راز تمہاری زبان پر کب آئے گا ؟

مرجانہ :۔ ضرور آئے گا ۔ جلد بازی سے کام نہ لو ، مجھے مجبور نہ کرو ، جیسے

ہی میری راتے ہیں اس راز کے انکشاف کا وقت آئے گا میں ایک لمحہ توقف کئے بغیر سب کچھ بتا دوں گی "

ضرغام :- لیکن وقت نہ جانے کب آئے ——— ؟

مرجانہ :- انتظار کرو ——— کچھ معلوم ہے، معتصم نے تمہیں کیوں طلب کیا ہے ؟"

ضرغام :- نہیں ! میں نہیں جانتا ، شائد کوئی خاص بات ہو ——— کیا تمہیں کچھ معلوم ہے ؟"

مرجانہ :- میں گھر کی بیٹھنے والی ، یہ باتیں کیا جانوں ؟ مسعودہ کے سوا مجھ سے باتیں کرنے والا ، اور مجھے خبریں سنانے والا کون ہے ؟

ضرغام :- نہ جانے خلیفہ نے افشین کو بھی طلب کیا ہے یا نہیں ؟"

مرجانہ :- کیا افشین سامرا میں نہیں ہے ۔

ضرغام :- میں تو اسے فرغانہ میں چھوڑ کر آیا ہوں"

یہ سن کر مرجانہ کا رنگ و رخ بدل گیا ، وہ تھوڑی دیر خاموش رہی ۔ پھر گویا ہوئی ،

" افشین اور مرزبان میں بڑی گاڑھی چھنتی تھی ——— کیا وہ موت کے وقت وہاں موجود تھا ؟

ضرغام :- موجود تھا ——— اس کو مرزبان نے اپنا ولی عہد بنایا ہے ، اپنے اہل و عیال کا ولی مقرر کیا ہے ۔

یہ سن کر مرجانہ کے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہوا ، یہ تبسم اس امر کا غماز تھا کہ کچھ پچھلی باتیں اس کے علم میں ہیں اور جو کچھ ہوا یہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے ۔

ضرغام نے پوچھا تمہیں غلطی کس بات پر آئی ہے ۔ کیا کوئی خاص بات ذہن میں آئی ہے "

مرجانہ :۔ مجھے وہ باتیں یاد آگئیں جو میں نے اپنی سہیلی یعنی بانو کی ماں سے خدا اس کو مغفرت کرے ، سُنی تھیں ۔ وہ کوئی بات مجھ سے نہیں چھپاتی تھی ۔ جو پریشانی ہو فکر ہو ، سب سے پہلے مجھ کو بتاتی تھی ، میں اس کی تسلی اور دلدہی کرتی رہتی تھی "

ضرغام :۔ وہ کیا کہتی تھیں ؟ ——— کیا افشین کے بارے میں ؟ "

مرجانہ :۔ ہاں وہ افشین سے بہت نفرت کرتی تھی ، اور مرزبان سے اسے شکوہ تھا کہ وہ ایسے بڑے آدمی کا دوست ہے "

ضرغام :۔ لیکن اس کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی "

مرجانہ : وہ افشین کو لالچی ، دغاباز ، ہوس پرست ، بے ایمان اور نہایت بد کردار سمجھتی تھی ——— ! "

ضرغام :۔ پھر اس نے مرزبان کو منع نہیں کیا ، اس سے ملنے جلنے سے ؟ "

مرجانہ :۔ اس میں یہی تو کمزوری تھی ، وہ مرزبان سے کچھ نہ کہہ سکی ، سب کچھ مجھی سے کہتی رہی ۔ زمانہ کا انقلاب دیکھو ، وہی افشین اس کی لڑکی کا ولی ہے ۔ خدا رحم کرے ۔

افشین کے بارے میں یہ باتیں سُن کر ضرغام کو فکر ہوئی ، کہیں یہ شخص ، بانو کے سارے مال و دولت پر قبضہ نہ کرلے ،

اس نے ماں سے پوچھا ۔

" کیا تمہارا خیال ہے، افشین، مرزبان کے ترکہ پر ہاتھ صاف کر دے گا؟

مرجانہ:۔ میں نہیں کہہ سکتی ـــــ مجھے تو وہ باتیں یاد آگئیں، جو بانو کی مرحوم ماں مجھ سے کیا کرتی تھی، میں افشین کو کیا جانوں!

ضرغام:۔ ٹھیک ہے ـــــ لیکن نہ جانے اس میں کیا راز ہے۔

مرجانہ:۔ اس بیچاری نے مجھے یہ بھی بتایا تھا، کہ مرزبان سامان کو اپنے ترکہ سے محروم کر دے گا۔

ضرغام:۔ (حیرت سے) واقعی ـــــ لیکن کیوں؟

مرجانہ:۔ اس نے مجھے اس ہونے والے اقدام کا سبب بھی بتا دیا تھا۔"

ضرغام:۔ وہی تو میں پوچھ رہا ہوں ـــــ کیا سبب تھا وہ؟

مرجانہ:۔ اسے میں بیان نہیں کر سکتی۔ مجبور ہوں

ضرغام:۔ مجھے یاد آیا، خود سامان کو بھی شائد اس کا اندازہ تھا کہ وہ باپ کے ترکہ سے محروم کر دیا جائے گا۔"

مرجانہ:۔ یہ اندازہ تم نے کیونکر لگایا؟

ضرغام:۔ اس طرح کہ مرزبان نے بار بار اس سے کہا کہ موبد کو بلا لائے لیکن وہ ٹالتا رہا، کسی طرح نہ اس کے پاس گیا، نہ اسے بلا کر لایا، آخر ایک روز مرزبان نے سامان کی اس بے توجہی کا دفتر شکایت میرے سامنے کھولا۔ اور میں نے فوراً وردان کو بھیج دیا۔ وہ چٹکی بجاتے میں جاکر اسے بلا لایا۔"

مرجانہ:۔ کیا مرزبان نے وصیت نامہ موبد کے سامنے لکھا تھا؟

ضرغام:۔ "ہاں میں نے ہی تو اسے وردان کے ذریعہ مرزبان کے حسب طلب بلوایا تھا"

مرجانہ نے عارفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا،

"موبد کی بھی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں پھر!"

ضرغام:۔ کیا وہ بھی اچھا آدمی نہیں ہے؟

مرجانہ:۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ افشین ہی کی طرح بانو کی ماں اس موبد سے بھی نفرت کرتی تھی۔ بلکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے عید نوروز وغیرہ کے موقعہ پر جب یہ آتا تھا، تو وہ کسی دوسرے کمرہ میں بھاگ جاتی تھی، اور ہرگز اس کے سامنے نہیں آتی تھی ———— کوئی تو ایسی بات ہوگی، جو وہ اتنی نفرت کرتی تھی، اس پیر مرد سے!"

ضرغام:۔ یقیناً کوئی خاص بات ہے۔ ورنہ اتنی شدت کے کیا معنی؟"

مرجانہ:۔ ہاں خوب یاد دلایا، وردان ہے کہاں؟"

ضرغام:۔ شاید سو گیا ہو، بہت تھک گیا ہے غریب!"

مرجانہ:۔ کیا رائے ہے تمہاری وردان کے بارے میں؟

ضرغام:۔ بہت اچھی، یوں تو وہ میرا خادم ہے، لیکن میں اسے اپنا دوست اور بھائی سمجھتا ہوں، ایسا جانباز، اور مخلص آدمی قسمت سے ملتا ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ پست طبقہ سے نہیں ہے، کسی اچھے خاندان کا فرد ہے مصیبت نے اس حال میں پہنچا دیا

مرجانہ:۔ واقعی شریف آدمی معلوم ہوتا ہے ———— اچھا بیٹے کافی

رات آگئی ہے ۔ جاؤ آرام کرو ، اور صبح خدا کے حفظ و امان میں معتصم کی خدمت میں حاضر ہونا !"

یہ کہہ کر مرجانہ نے مسعودہ کو آواز دی وہ فوراً حاضر ہوگئی اس نے کہا

دیکھو رات کافی آگئی ہے ۔ ضرغام تھکا ہوا ہے اس کے سونے کا بندوبست کر دو، ———— مجھے بھی اب نیند آرہی ہے ۔

مسعودہ نے گردن جھکا کر ، تعمیل پر آمادگی ظاہر کی ، اور چلی گئی ۔

مرجانہ نے اپنے کمرہ میں سونے کے لئے ، جانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر ضرغام کو خوب پیار کیا اور رخصت کر دیا ۔

ضرغام اپنے کمرہ میں آیا ، بستر پہ لیٹا اور سونے کی کوشش کرنے لگا ۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا ۔ آج مرجانہ نے جو باتیں کی تھیں ۔ وہ اسے بار بار یاد آرہی تھیں ۔ بابل کے متعلق بھی وہ اب اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہوگیا تھا ۔ رہ رہ کر دل میں خیال آتا تھا ۔ کہیں خدا نخواستہ اس پر کچھ افتاد نہ پڑے ، یہ موبد اور افشین مل کر اسے لوٹ نہ لیں پھر خیال آتا نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے ، افشین اور موبد دونوں بذاتِ خود لکھ پتی ہیں ، بلکہ اس سے بھی زیادہ !"

—

باب - ۳۶

زخمی شیر

صبح اُٹھتے ہی نماز سے فراغت کے بعد ضرغام نے جلدی جلدی ناشتہ سے فراغت کی ، درباری لباس سے آراستہ ہوا اور معتصم کی ملاقات کے لئے قصر خلافت کی طرف روانہ ہوگیا !

دن چڑھے وہ قصرِ خلافت میں وارد ہوا۔ قصر کے حاجب نے تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ ، ضرغام کا استقبال کیا ۔ ضرغام نے کہا

"امیرالمومنین نے مجھے یاد فرمایا تھا۔ انہی کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں ، اطلاع کردو"

دربان نے مسکراتے ہوئے کہا

"لیکن وہ تو کل سے یہاں تشریف فرما نہیں ہیں !"

ضرغام ۔"کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں ؟"

حاجب :۔ جی ہاں شکار کو گئے ہیں اور اب تک تشریف نہیں لاتے !،

ضرغام :۔ کیا وہ جلد ہی تشریف لے آئیں گے ؟

حاجب: "بس اب آتے ہی ہوں گے"

پھر حاجب نے ضرغام کو ایک بڑے ہال میں لے جا کر بٹھا دیا اور کہا "آپ یہاں آرام سے تشریف رکھیں۔ جیسے ہی امیر المومنین تشریف لائیں گے فوراً اطلاع کر دی جائے گی"۔

ضرغام نے شکریہ ادا کرنے کے بعد اُسے ٹٹولا کہ شائد اسے معلوم ہو کہ خلیفہ نے کیوں یاد کیا ہے؟ لیکن اس نے بالکل لاعلمی کا اظہار کیا۔ ضرغام خاموش ہو گیا۔ حاجب واپس چلا گیا۔ جب یہاں بیٹھے بیٹھے وہ اکتا گیا، تو سوچا۔ چلو قصر کے باغ کی سیر کرتے ہیں۔ وہاں گل و ریاحین کا نظارہ کرتا رہا، کبھی اس روش پر ہو لیا، کبھی اس کیاری کا جائزہ لینے لگا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ سارے محل میں ایک ہل چل سی مچی ہے۔ قصر کے لوگ، اِدھر اُدھر گھبرائے اور بوکھلائے ہوئے گھوم رہے ہیں۔ اتنے میں نقیب نے آواز دی، خلیفہ المسلمین، امیر المومنین، معتصم باللہ تشریف لا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں خلیفہ اپنے گھوڑے پر سوار شکاری لباس میں آتا دکھائی دیا۔ چونکہ شیر کے شکار کو گیا تھا اس لئے لباس کے نیچے آہنی زرہ بھی پہن رکھی تھی۔ کہ شیر اگر جست کر کے حملہ آور ہو تو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچ سکے،

معتصم، خلفائے عباسیہ میں جسمانی طاقت کے لحاظ سے ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت کا مالک تھا، تن و توش کے اعتبار سے بھی وہ لحیم و شحیم تھا۔ ورزشی گٹھا ہوا بدن، بدن کے پٹھوں کو اس نے ورزش کر کے بڑا مضبوط بنا لیا تھا۔ وہ ایک ہزار رطل کا بوجھ آسانی سے اٹھا کر ٹہل سکتا تھا۔ (۱) لوہے کی سلاخ کو موڑ کر طوق

کی صورت میں تبدیل کر دیتا تھا۔ دینار کو انگوٹھے سے ملتا تھا تو اس کے حروف مٹ جاتے تھے (۲) عضدور بھی بہت تھا جس سے خفا ہو جاتا انتقام لئے بغیر نہ چھوڑتا، شہسواری کا بڑا شوقین تھا۔ پولو سے بھی دلچسپی لیتا تھا۔ قصر کے دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس کے جلو میں بہت سے سوار اور افسر فوج چل رہے تھے۔ اتنے میں اس کی نظر ضرغام پر پڑی اسے دیکھ کر وہ شاہانہ وقار و تمکنت سے مسکرانے لگا۔

ضرغام جلدی سے آگے بڑھا اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اور انہیں چوما۔ معتصم نے ایک تبسم کے ساتھ اپنے ہاتھ چھڑا لئے اور کہا

"ضرغام تم یہاں ہو؟ ——— کب آئے ———؟"

ضرغام:۔ میرے آقا، غلام کو جیسے ہی طلبی کا پروانہ ملا، وہ سر کے بل چلا، اور حاضر خدمت ہو گیا"

معتصم:۔ بہت اچھا کیا، ہمیں تمہاری ضرورت تھی، کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے، کب آئے تم؟

ضرغام:۔ "میں کل شام کا حاضر ہوا تھا، امیر المومنین زحمت کے خیال سے اس وقت حاضر نہ ہوا، صبح ہوتے ہی حاضر خدمت ہو گیا"

معتصم:۔ کتنا اچھا ہوتا، اگر اسی وقت تم آجاتے۔

ضرغام:۔ میں اپنی غلطی پر نادم ہوں

معتصم:۔ تم نے کوئی غلطی نہیں کی ——— ہم کل شام کو شکار پر جا رہے تھے، تم ہوتے تو تمہیں بھی ساتھ لے چلتے۔

ضرغام: خود مجھے بھی امیرالمومنین کی ہم رکابی کا شرف حاصل کرنے کی بڑی تمنا ہے

معتصم: خیر پھر سہی

پھر خلیفہ معتصم کا اشارہ پاکر لوگ چلے گئے، صرف ضرغام باقی رہ گیا، معتصم نے اس سے کہا

"اب تمہیں ایک ایسی چیز دکھاتے ہیں، جسے دیکھ کر تم بہت خوش ہو گے!"

ضرغام: یہ امیرالمومنین کی قدرافزائی اور بندہ نوازی ہے۔

معتصم: ہم نے ایک خوفناک اور بپھرے ہوئے شیر کا شکار کیا ہے ـــــ دیکھو گے اسے؟

ضرغام: اگر امیرالمومنین نے غلام کو اس عزت کا اہل سمجھا!"

معتصم: جب ہم کسی شیر کو دیکھتے ہیں تو بے ساختہ تم یاد آجاتے ہو، تمہارا نام بھی تو شیر ہی پر ہے۔ یا تم بھی تو شیر ہو"

پھر معتصم نے حاجب کو اشارہ سے بلایا، وہ آیا، اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا، معتصم نے کہا۔

جاؤ ہمارے میر شکار سے کہو کہ جس شیر کو شکار کر کے ہم نے زندہ زخمی حالت میں گرفتار کیا ہے، اسے مصرطبہ لے آئے!"

"پھر خلیفہ، ضرغام سے باتیں کرتا ہوا، مصرطبہ (جہاں جانور رکھے جاتے ہیں) کی طرف خراماں خراماں بڑھا، مصرطبہ باغ کے ایک کونہ میں تھا۔

خلیفہ نے باتیں کرتے کرتے دریافت کیا "
" تمہارا سفر تو اچھی طرح گزرا ؟"
ضرغام :۔ امیر المومنین کے غلام جہاں جائیں گے ، راحت و آرام سے رہیں گے "
معتصم :۔ تم ہمارے ترک سپاہیوں کی شادی کے لئے لونڈیوں کا انتظام کرنے گئے تھے ۔ اُس کا کیا ہوا ؟ "
ضرغام :۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور ان کا سودا کر لیا "
معتصم :۔ شاباش —— یہ بڑا اچھا کام کیا تم نے "
باتیں کرتے کرتے دونوں باغ کے کنارے پہنچ گئے جہاں مصر طبہ تھا ۔ اتنے میں ضرغام نے دیکھا ، ایک بڑا آہنی پنجرہ لایا جا رہا ہے ، اور اس میں ایک زخمی شیر ، دہاڑ رہا تھا ، اس آہنی پنجرے میں لوہے کی مضبوط زنجیریں لگی ہوئی تھیں اور پنجرے کے اندر زخمی شیر پیکر غضب بنا بیٹھا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں آدمیوں نے پنجرہ لا کر سامنے رکھ دیا ، شیر کی گرج اور دہاڑ سن کر ضرغام جیسے مضبوط قلب کے آدمی کا دل بھی ہل گیا
لیکن معتصم پر کوئی اثر نہیں تھا ۔ وہ بدستور کھڑا مسکرا رہا تھا ، شیر اسے دیکھ دیکھ کر اتنے زور سے دھاڑ رہا تھا ، کہ سننے والے کے کان کے پردے پھٹے جا رہے تھے ۔
معتصم نے کہا ۔

"جانتے ہو یہ کیوں اتنا بے تاب ہو کر چیخ رہا ہے؟ ——— یہ زخمی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ مر جائے گا اس لئے کہ زخم کاری ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ زندہ رہے۔

یہ کہہ کر معتصم، پنجرے کے قریب آکر کھڑا ہو گیا ضرغام اس کے پیچھے ہی ازراہ ادب واحترام ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا تھا۔ یہ دونوں شیر سے بہت قریب کھڑے تھے لیکن اندیشہ کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ شیر لوہے کے مضبوط پنجرہ میں مقید تھا

خلیفہ کے ہاتھ میں ایک پیکان تھا، اس وقت اس کے پاس کوئی اور اسلحہ نہیں تھا۔ کیونکہ جیسے ہی اس نے محل میں قدم رکھا تھا، اس کا خادم خاص خلعت کاری لباس کے ساتھ ساتھ جو اسلحہ اس کے بدن پر تھا۔ وہ بھی لے گیا تھا یہ پیکان بھی اس کے ہاتھ میں اس لئے رہ گیا کہ اس سے وہ شغل کر رہا تھا۔ جب وہ پنجرے کے قریب آکر کھڑا ہوا تو اس پیکان سے اس کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ گویا اس سے وہ شیر کو چھیڑ اور دھمکا رہا تھا۔ اور شیر تھا کہ انتہائی غصہ کے عالم میں فلک شگاف نعرے لگا رہا تھا۔ اور خون کے قطرے اس کے زخم سے ٹپک رہے تھے خون کا کچھ حصہ اس کے جسم پر جم گیا تھا۔ شیر بار بار چیخ رہا تھا اور تڑپ رہا تھا۔ معتصم نے خیال کیا۔ اس کا آخری وقت قریب آگیا ہے اس نے وہ پیکان جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے کھینچ مارا۔ وہ سیدھا اس کی آنکھ میں جا کر لگا۔ اب تو شیر کے غصہ کی کوئی انتہا نہیں تھی، اس نے ایک جست لگائی کہ معتصم کو چھاپ لے، لیکن اس کا سر آہنی سلاخوں سے ٹکرایا اور وہ باہر نہ نکل سکا، الٹے قدموں واپس ہونے پر مجبور ہو گیا۔ چوٹ کھانے کے بعد اس کا غصہ اور بڑھ گیا، ایسا معلوم ہوتا

تھا جیسے وہ پاگل ہوگیا ہے، معتصم اور ضرغام پاس کھڑے اس کے تڑپنے اور بپھر کنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور اس کی بے تابانہ حرکات سے لطف اندوز ہو رہے تھے، حالانکہ دل دونوں کے دہل رہے تھے کیونکہ شیر پر پاگل پن کا عالم بھی کچھ ایسا طاری تھا وہ بہرحال شیر تھا —— ڈراؤنا، وحشت ناک، اندوہناک۔ یہ لوگ اس حالت میں کھڑے تھے کہ شیر نے بڑے زور کی ٹکر پنجرے کی آہنی دیوار سے ماری نتیجہ یہ ہوا کہ دو سلاخیں ٹوٹ گئیں۔ شیر دھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔

جیسے ہی شیر باہر نکلا، تمام خدام چشم، مصاحب اور درباری سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے البتہ ضرغام اور معتصم چٹان کی طرح اپنی جگہ جمے رہے۔

اس صورت حال کو ابھی مشکل سے ایک لمحہ بھی نہ گزرا ہوگا، چشم زدن میں شیر اچک کر معتصم پر آرہا۔ اپنے پنجوں سے اس نے اسے پکڑ لیا اور اپنا منہ کھولا، ایسا معلوم ہوا جیسے غار کا دہانہ کھل گیا، اور اس کے سر پر منہ مارنے کا ارادہ کیا یہ سب کچھ اتنی سرعت کے ساتھ ہوا کہ معتصم بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ ادھر ادھر پھیلائے لیکن کوئی ہتھیار ہوتا تو ملتا۔ اس وقت اس کی قوت جواب دے چکی تھی۔ اور شیر کے پنجے اس کی جان لینے کے لئے اس کے بدن میں پیوست ہو رہے تھے، نجات اور گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ جتنے والی موالی تھے وہ سب شیر کی صورت دیکھتے ہی رفوچکر ہو چکے تھے۔ خوف اور دہشت نے ان کی جان پر بنا دی تھی، یہ منظر دیکھ کر وہ بے ساختہ آگے بڑھا اور اس کے جبڑے میں ہاتھ

ڈال دیا۔ ایک ہاتھ سے نیچے کا جبڑا پکڑا، دوسرے ہاتھ سے اوپر کا اور گویا ہوا

"میرے آقا! میں آپ پر قربان!"

شیر نے اب معتصم کو تو چھوڑ دیا، اور ضرغام کو چپ چاپ لینا چاہا۔ ضرغام نے جلدی سے پیش قبض سے خنجر نکالا اور قبل اس کے کہ شیر حملہ کرے۔ اس نے خنجر سے پے بہ پے وار کرنا شروع کر دیئے اس کی گردن، کمر اور بغل پر کئی وار کئے اس وقت ضرغام خود ایک شیر غراں معلوم ہو رہا تھا۔ اس پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ شیر سے بہت زیادہ وہ دہشت ناک نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں، چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اپنے پنجوں سے وہ اسی وحشی جانور کے پرخچے اڑا دے گا۔

آخر خون میں لت پت ہو کر شیر گر پڑا۔ ضرغام اس کے اوپر چڑھ بیٹھا۔ معتصم پاس کھڑا تھا۔ وہ محبت بھری نظروں سے ضرغام کو دیکھ رہا تھا۔ اب دوسرے لوگ بھی دوڑ پڑے اور مبارکباد دینے لگے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو ضرغام کو رشک اور فخر کی نظروں سے نہ دیکھ رہا ہو۔ معتصم کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے منصب بلند کو ذرا دیر کے لئے بھول گیا اس نے ضرغام کو گلے سے لگا لیا، اور تبسم کناں تھا۔

خدا کی قسم، واقعی تم شیر ہو ——— بہت بڑا کام کیا تم نے شاباش! شاباش!

خلیفہ کی آواز سن کر وہ شیر پر سے اترا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اور اس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر اس نے خنجر معتصم کے سامنے پھینک دیا اور کہا

"میں امیر المومنین کا ایک ناچیز غلام ہوں جس سے کوئی کارنامہ سرزد نہیں ہو سکتا۔ جب تک امیر المومنین کی نظر کرم میری شامل حال نہ ہو۔ میں جانتا ہوں۔ مجھ سے زیادہ

امیرالمومنین کو اس کا حق تھا۔ کہ اس وحشی درندے سے اس کی گستاخی کا انتقام لیتے لیکن میں اس وقت اتنا بے خود ہو گیا تھا۔ کہ ہوش وحواس کھو بیٹھا، ذرا بھی صبر نہ کر سکا اور اس پر پل پڑا۔ میں اس جسارت کی امیرالمومنین سے معافی چاہتا ہوں۔!"

اس اندازِ معذرت نے معتصم کا دل اور موہ لیا۔ اس کے دل میں ضرغام کی جاں بازی، وفاداری اور تہذیب و شائستگی کا ایک نہ مٹنے والا نقش قائم ہو گیا۔

معتصم نے کہا آؤ، چلو ہمارے ساتھ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں

یہ کہہ کر وہ اپنے ایوان کی طرف بڑھا۔ لیکن ران پر شیر کے پنجوں کا اثر باقی تھا، لہٰذا چلنے میں لنگ کرنے لگا۔ لیکن صبر اور حوصلہ والا آدمی تھا۔ ایوان میں پہنچنے کے بعد فوراً شاہی طبیب کو بلایا۔ وہ آیا اس نے دیکھا اور اطمینان دلاتے ہوئے کہا

"کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، آج آپ صرف آرام فرمائیں جنبش نہ کریں، کل تک مزاج عالی درست ہو جائے گا۔"

باب - ۳۷

امیر المومنین

اپنے ایوان خاص میں پہنچنے کے بعد معتصم نے حکم صادر کردیا کہ ہماری خلوت میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ جب تک ہم اجازت نہ دیں کسی کو نہ آنے دیا جائے بلکہ کے آنے کی اطلاع بھی نہ دی جائے۔ چنانچہ شیر کے حادثہ کی خبر سن کر سالار، وزراء، امراد سب خیریت دریافت کرنے کیلئے ٹوٹ پڑے۔ لیکن حاجب نے کسی کو اندر نہیں جانے دیا۔ سب بغیر حاضرِ خدمت ہوئے یونہی واپس چلے گئے۔ خلیفہ نے التفات اور توجہ کی نظر سے ضرغام کو دیکھا اور کہا۔

"آج تم نے بہت بڑا کام کیا!"

ضرغام:۔ میری زندگی اگر امیر المومنین کے کام آجاتی تو بے شک میں سمجھتا کہ ہاں کوئی کام سرزد ہوا ہے اس غلام سے!"

معتصم:۔ ہماری زندگی تم نے بچائی، کیا یہ کوئی معمولی کارنامہ ہے، ہماری جان تمہارے ہاتھ میں تھی۔ اگر تم ذرا بھی ہچکچا جاتے تو شیر ہمیں زندہ نہ چھوڑتا

ضرغام:۔ وہ تو امیر المومنین کے پیکان سے مر چکا تھا ——— یہ اس کی جانکنی

LIBRARY
No.......
Muslim Girls

کی کیفیت تھی، جو وہ پنجرہ سے نکل آیا

معتصم:۔ لیکن اس میں اتنا دم تھا۔ کہ ابھی وہ کئی آدمیوں کی جان لے سکتا تھا ـــــ بہرحال ہم تمہارے اخلاص، جان بازی اور فدویت سے بہت متاثر ہوئے۔ ہمیں کسی پر اتنا اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے، جتنا تم پر اس خود غرضی کے زمانہ میں ایسے لوگ جیسے تم ہو باعث فخر ہیں، اور ہمیں واقعی تم پر فخر ہے۔

ضرغام:۔ بندہ پروری ہے امیرالمؤمنین کی ورنہ میں تو ایک ناچیز خادم ہوں

معتصم:۔ یہ خوشامد خورے، یہ شکم پرست یہ ہاں میں ہاں ملانے والے لوگ جو ہر وقت ہمیں گھیرے رہتے ہیں۔ ان کی قدر و قیمت سے ہم واقف ہیں، جانتے ہیں یہ کتنے [illegible] تم نے بھی آج دیکھ لیا۔ جب شیر نے ہم پر حملہ کیا یہ کہاں تھے؟ لیکن یہ دنیا ہے۔

باہمیں مردماں بباید ساخت۔

ایسے لوگوں سے نباہ کرنا پڑتا ہے

ضرغام:۔ بے شک ـــــــ درست فرمایا، امیرالمؤمنین نے

معتصم:۔ "تمہارے اخلاق اور جان بازی کا ہم پر بہت اثر ہے۔ یہ اثر اسی دن قائم ہو گیا تھا۔ جس دن ہم نے تمہیں اپنے پاس نوکر رکھا تھا، اور اپنی نگہبان فوج کا سردار بھی بنا دیا تھا۔ حالانکہ نہ کوئی تمہارا کارنامہ ہمارے سامنے تھا، نہ کسی اہل دربار نے تمہاری سفارش کی تھی۔

ضرغام:" بجا ارشاد فرمایا، واقعی میری حیثیت ایک اجنبی مسافر سے زیادہ نہ تھی"

معتصم:" اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ بہترین انتخاب تھا۔ اس سے بہتر انتخاب ممکن ہی نہ تھا۔ تم اس منصب کے اس طرح سزاوار ہوئے۔"

ضرغام اپنی تعریف سن رہا تھا اور ادب سے گردن جھکائے ہوئے تھا۔ اتنے میں معتصم نے ادھر ادھر دیکھا گویا وہ اندازہ کر رہا تھا کہ کوئی ان کی بات چیت تو نہیں سن رہا ہے پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا

"کیا تم جانتے ہو فرغانہ سے میں نے فوراً تمہیں واپس آنے کا حکم کیوں دیا۔

LIBRARY

ضرغام :- "غلام کا کام حکم کی تعمیل ہے، اس کے اسباب پر غور کرنا نہیں!

معتصم :- کیا تم جانتے ہو، اس وقت کس کے سامنے بیٹھے ہو؟

ضرغام :- "خلیفۃ المسلمین امیر المومنین کی خدمت گذاری میں یہ غلام حاضر ہے

معتصم :- "کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ حکومتیں کس چیز پر قائم ہوتی ہیں ؟

ضرغام :- "غلام امور مملکت سے ناآشنا ہے وہ ایک سپاہی ہے مدبر نہیں

معتصم :- تو سن لو، حکومتوں کے قیام کی شرط ان کے اسرار کا محفوظ رہنا ہے۔ جو حکومت اپنے اسرار محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ وہ قائم نہیں رہ سکتی!

ضرغام :- امیر المومنین جو کچھ فرماتے ہیں، بجا اور درست ہے ——— اور غلام جب تک زندہ ہے، ہر اس راز کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرے گا جو اس کے علم میں آئے گا۔

معتصم :- "ہمیں یقین ہے ——— یہ یقین اب تو مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد ہے، لیکن پہلے پہل جب ہم نے تمہیں دیکھا تھا اور تجربہ کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ یہ اعتماد قائم ہو گیا تھا۔

ضرغام :- کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا۔ میرا ایک ایک موئے بدن بھی اگر امیر المومنین کی اس گرم گستری اور بندہ نوازی کا شکر ادا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ یہ

میری خوش قسمتی کی انتہا ہے

معتصم:- ان باتوں کی ضرورت نہیں۔

ضرغام:- میں کچھ نہ تھا۔ اگر تھا تو ذرہ خاک سے بھی زیادہ بے حقیقت۔ مگر امیر المومنین کی نگاہ کیمیا اثر نے مجھے اوج ثریا بخش دیا۔ مجھ جیسے ایک معمولی سپاہی کے لئے اس سے بڑھ کر، باعث فخر کیا ہو سکتا ہے کہ وہ جانشین رسول خلیفۃ المسلمین کی خدمت جان کی بازی لگا کر کرے۔

معتصم (ملا پہلو بدلتے ہوئے) یہ تو ٹھیک ہے، کہ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے خلیفہ، رسول برحق کی دل وجان سے اطاعت کریں۔ اس کے وفادار رہیں۔ لیکن کتنے ایسے ہیں جو سچے دل سے اس اصول پر عمل کرتے ہیں —— بہت کم —— بہت کم

ضرغام:- اس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات کیا ہو سکتی ہے!"

معتصم:- جانتے ہو! میں نے بغداد کی اقامت کیوں ترک کی اور سامرا ایک نیا شہر کیوں بسایا؟"

ضرغام:- امیر المومنین ہی بہتر جانتے ہیں۔

معتصم:- اس لئے کہ وہاں سازشیں عام ہو گئی تھیں۔ غدر و بے وفائی کی کثرت تھی، منافقت ہر کہیں بڑی ارزاں دستیاب ہو سکتی تھی، یہ سازشیں یہ فریب کاریاں، یہ غداریاں، فوج کو سیاست سے اور داخلی چپقلش سے الگ رہنا چاہیے، ورنہ اسے بھی جاہ ومنصب کا چسکا لگ جائے گا۔ اور وہ میدان جنگ میں داد شجاعت دینے، دشمن کی سرکوبی کرنے اور سرحدات اسلام کی نگہبانی کرنے کے بجائے، منصب اور مرتبہ کے لئے آپس میں لڑنے لگے گی —— ہم غلط نہیں کہتے۔

ضرغام :۔ امیر المومنین کا ایک ایک حرف حق صداقت کا حامل ہے ، بے شک اس سے بڑھ کر بد قسمتی کوئی نہیں ہو سکتی ۔ کہ فوج کے جان بازوں کی جاہ و منصب کے دم میں پھانس لیا جائے ۔

معتصم :۔ آخر ہم نے سوچا کہ نئی فوج بھرتی کریں اور فوج ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جن تک ان حکایات کی رو نہ پہنچی ہو جو ان سازشوں اور غداریوں سے قطعاً آشنانہ ہوں ۔ اس فضا اور ماحول سے کبھی دور کا واسطہ نہ رہا ہو ۔

ضرغام :۔ امیر المومنین کی دور بین اور روشن ضمیری ——— الفاظ سے بے نیاز ہے

معتصم :۔ چنانچہ ہم نے نئی بھرتی شروع کی ، ہم نے ترکستان کے دور دراز گوشوں اور فرغانہ سے بانکے منچلے ، مضبوط ، توانا ، نڈر ، دلیر نوجوان چنے تاکہ انہیں ہم اپنا ، اپنے خاندان کا ، اپنی خلافت ، اپنی ملت کا نگہبان مقرر کریں ۔ خدا ماموں کو مغفرت کرے ۔ وہ بھی جب ان حالات سے تنگ آجاتا تھا تو یہی سوچا کرتا تھا ——— ہم نے اس تخیل کو عملی جامہ پہنادیا ۔

ضرغام :۔ امیر المومنین کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے ، آنے والی نسلیں شکر و سپاس کے ساتھ اسے یاد رکھیں گی ۔

معتصم :۔ ہم ہر چہار طرف سے گھرے ہوئے ہیں ، جدھر دیکھو دشمن ۔ جہاں جاؤ دشمن ۔ اور یہ دشمنی کسی اصول پر مبنی نہیں ہے حق و صداقت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس نے ہمارے دشمنوں کی تعداد بڑھادی ہو ۔ صرف ذاتیات ، صرف جاہ و منصب کی تلاش ، صرف مال و زر کی جستجو !"

ضرغام :- غلام ان حالات سے ناواقف ہے، لیکن ان کے افسوس ناک بلکہ میں تو عرض کروں گا، شرمناک ہونے میں شبہ نہیں۔

معتصم :- اور اب تو یہ حالت ہے کہ یہاں کے ابتر اور زبوں حالات دیکھ کر دشمنوں کی صفیں کی صفیں دور دور تک پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔

ضرغام :- بجا ارشاد ہوا ——— ان حالات کا لازمی نتیجہ یہی ہے۔

معتصم :- ان دشمنوں کا یہ حال ہے کہ ایک طرف یہ آذربائیجان اور عربستان جیسے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔

ضرغام :- (متحیر ہو کر) آذربائیجان اور عربستان تک ؟

معتصم :- ہاں ——— اور دوسری طرف یہ ہمارے محل میں، ہمارے ایوان میں، ہمارے دربار میں، ہمارے شہر میں موجود ہیں اور اپنی سرگرمیوں میں مصروف و منہمک ہیں۔

ضرغام :- بڑی شرمناک بات ہے ——— افسوس، کاش مسلمان سمجھتے کہ ان حرکتوں کا انجام کیا ہوگا۔

معتصم :- بربادی، ہلاکت، مسلمانوں کا زوال، مملکت اسلامیہ کا انحطاط ——— اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

ضرغام :- لیکن انجام ان لوگوں کے لئے بھی جو امیر المومنین کے مخالف اور دشمن ہیں خوشگوار نہیں ہو سکتا۔ مسلمان نہ رہے تو یہ خود بھی کہاں رہیں گے مملکت اسلامیہ تباہ ہو گئی، تو یہ کیسے سرسبز ہو سکیں گے۔؟ مملکت اسلامی خدانخواستہ مٹ گئی تو پھر یہ جاہ و منصب کس سے حاصل کریں گے ؟ کون انہیں نوازے گا ؟ کون انہیں پروان چڑھائے گا ؟

معتصم :- سچ کہتے ہو میرے عزیز، تمہاری ان باتوں میں کتنا درد ہے کتنا سوز ہے۔

کتنی حقیقت ہے ؟ ——— تم نے وہ کہا جو ہمارے دل میں تھا جو ہر مسلمان کے دل میں ہونا چاہیے۔

ضرغام :۔ لیکن ان حالات کے پیشِ نظر اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں رفتہ رفتہ یہ وباتم لوگوں میں بھی نہ پھیل جائے ؟

معتصم :۔ تمہارا اندیشہ بے بنیاد نہیں ہے ایک بات تو ہم اب محسوس کر رہے ہیں

ضرغام :۔ (مشتاق ہوکر) کیا جراثیم ان لوگوں تک بھی پہنچنے لگے ؟

معتصم :۔ نہیں پہنچے تو پہنچ جائیں گے آخر ہم کب تک اس سیلِ رواں کو روک سکیں گے۔ اور یہ بات تو غور کرنے کے بعد تم خود محسوس کر سکو گے کہ ان ترکوں کی وفاداری نہ ہماری ذات سے نہ ملت اسلامیہ سے نہ خلافت اسلامی سے

ضرغام :۔ پھر ——— ؟

معتصم :۔ صرف روپیہ سے ——— بڑے لالچی ہیں یہ، انہیں ہم نے اپنی مملکت اپنی ذات اور اپنے خاندان کا نگہبان بنایا ہے، اور کوئی شک نہیں یہ اپنے تو الفت مستعدی اور جاں بازی سے انجام دیتے ہیں، لیکن صرف روپیہ کے لالچ سے ——— ہم اس حقیقت کو محسوس کرتے ہیں۔

ضرغام :۔ (آہ سرد بھر کر، افسوس ——— کتنی حسرت خیز ہے یہ کہانی !

معتصم :۔ یہ ہیں دھوکہ دیتے ہیں، ہم انہیں فریب دیتے ہیں، یہ ہم پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر ہمارا جاں نثار اور وفادار کوئی نہیں، ہم ان پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی کی وفاداری اور جاں نثاری پر بھروسہ نہیں کرتے،

ضرغام :۔ کیا کیا جائے، حالات ہی ایسے ہیں، اس کے سوا اور چارہ کار بھی کیا ہے ؟

معتصم :- لیکن اصل سوال یہ ہے کہ یہ حالات کب تک رہیں گے ؟

ضرغام :- امیرالمومنین کو خدا نے دولت فہم و فراست کے ساتھ ساتھ شجاعت و دلیری، جہاں بانی اور جہاں داری کے صفات سے بھی متصف فرمایا ہے ۔ انشاءاللہ بہت جلد یہ بادل چھٹ جائیں گے اور حالات سازگار ہو جائیں گے ۔

معتصم :- (یاس و حسرت کے ساتھ) خدا ہی بہتر جانتا ہے کیا ہوگا ؟

باب - ۳۸

بارگاہِ خلافت

مجلس اب تک قائم تھی، ضرغام سر جھکائے بیٹھا تھا اور معتصم بھی خاموش تھا تھوڑی دیر تک یہی کیفیت طاری رہی ایسا معلوم ہوتا تھا۔ معتصم کسی گہری فکر میں غرق ہے۔ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن تامل کر رہا ہے، حرف مطلب زبان پر لائے یا نہ لائے ؟ اس کی آنکھوں میں چمک تھی لیکن اس چمک کو قطرات اشک ڈھانپے ہوئے تھے۔

خلیفہ نے پوچھا۔

ضرغام تم جانتے ہو، افشین کہاں ہے ؟

ضرغام:۔ امیر المومنین، وہ فرغانہ میں تھا جب میں یہاں آیا ہوں !"

معتصم:۔ "ہمیں معلوم ہے ——————— کچھ جانتے ہو فرغانہ کس مقصد کے ماتحت گیا ہوا ہے وہ ؟ "

ضرغام:۔ "غلام کو نہیں معلوم امیر المومنین ——————— میرا خیال ہے عید نوروز کے سلسلہ میں گیا ہوگا، اور شائد اب جلد ہی آنے والا ہو۔"

معتصم :۔ ہاں وہ آئے گا، وہ آنے پر مجبور ہے، یہ دولت فراواں، یہ رزق بے حساب، یہ جاہ و منصب، یہ اقتدار و اختیار اسے اور کہاں میسر آسکتا ہے! لیکن!

ضرغام :۔ کیا امیرالمومنین کو افشین کے اخلاص و صداقت میں کچھ شک ہے — ؟

معتصم :۔ ہاں! ہم اس سے مشکوک ہو چکے ہیں لیکن ابھی کوئی ثبوت ہمارے ہاتھ میں ایسا نہیں ہے، کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں یہی وجہ ہے کہ خود فریبی سے کام لینا پڑتا ہے اور اس پر اظہار اعتماد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں پھر ایک بات اور بھی ہے، یہ زمانہ حرب و ضرب کا ہے لہٰذا اس سے یکسر بے نیاز ہونا ناممکن ہے اس کے پاس کافی آدمی ہیں جو ہماری فوج میں اس کی زیر قیادت کام کر رہے ہیں۔

ضرغام :۔ امیرالمومنین کا یہ فعل واقعی حکمت و دانش پر مبنی ہے۔

معتصم :۔ خدا کرے ہمارا یہ خیال غلط ہو لیکن دل ہے کہ اس کی طرف سے کھٹکتا ہی رہتا ہے۔

ضرغام :۔ امیرالمومنین کے دل میں، کوئی بے بنیاد بات نہیں آسکتی "

معتصم :۔ جانتے ہو یہ ساری تفصیلات ہم نے تمہارے سامنے کیوں رکھیں ؟

ضرغام :۔ "امیرالمومنین دانا و بینا ہیں "

معتصم :۔ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ معتمد اور بھروسہ کے قابل تم ہو۔ تم سے ہم کوئی بات نہیں چھپانا چاہتے۔ ہر وہ چیز جو ہمارے علم میں ہے ہماری خواہش ہے کہ تم بھی اسے جان لو — داشتہ آید بہ کار

ضرغام :۔ "بجا ارشاد ہوا "

معتصم :۔ ہم چاہتے ہیں، تم اب قصر خلافت ہی اقامت اختیار کرو۔

ضرغام:۔ میں امیرالمومنین کا ناچیز خادم ہوں ان کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا ان کا ارشاد میرے لئے فرمان کی حیثیت رکھتا ہے اس کی تعمیل میری زندگی سے زیادہ خوشگوار فریضہ ہے۔ زندگی کی آخری ساعت تک میری یہی آرزو رہے گی کہ امیرالمومنین کے کام آسکوں۔ ان کی خدمت کر سکوں۔

معتصم:۔ تمہاری یہی باتیں ہیں جنہوں نے ہمارے دل میں تمہاری وہ جگہ پیدا کی ہے جو کسی عزیز قریب ہی کی ہو سکتی ہے

ضرغام:۔ میری رگوں میں جو خون گردش کر رہا ہے وہ امیرالمومنین کی بندہ نوازی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

معتصم:۔ آج سے تمہارے اعزاز میں ایک نیا اضافہ ہوتا ہے۔

ضرغام نے دزدیدہ نظروں سے خلیفہ کو دیکھا۔ مگر اس کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا معتصم کی زبان سے اب کیا نکلتا ہے۔

معتصم:۔ "تمہاری وفاداری اور بہادری کے پیش نظر ہم تمہیں مصاحب خاص کا اعزاز بخشتے ہیں۔ آج سے تم اس لقب سے یاد کیے جاؤ گے۔"

ضرغام نے تشکر النناں کے جذبات سے بے خود ہو کر سر جھکا لیا اور عرض کیا۔

امیرالمومنین کے احسانات سے میری گردن نہیں اٹھ سکتی، اپنے ناکارہ وجود پر جب نظر ڈالتا ہوں اور ان سرفرازیوں کو دیکھتا ہوں تو اپنے آپ سے شرم آنے لگتی ہے کہاں میں اور کہاں یہ سرفرازیاں

ہاں بندہ وہی ہوں کیا انصاف اب میں

یہ سرفرازیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ امیرالمومنین اپنے خادموں اور غلاموں کا

کتنا زیادہ خیال کرتے ہیں! کس کس طرح ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں ——— !

معتصم:۔ اتنے زیادہ انکسار سے کام نہ لو، تم سے بڑا ہماری ساری خلافت میں اِن سرفرازیوں کا مستحق کوئی اور بھی ہو سکتا ہے ——— ؟ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے قطعی طور پر شیر کی صورت میں موت کو سامنے دیکھ کر بے جھجک اور بے خوف ہو کر اپنی جان پیش کر دی اور ہماری جان بچالی کیا تم سمجھتے ہو یہ نادر روزگار واقعہ ہمارے قلب سے محو ہو سکتا ہے ؟

معتصم کی اِن باتوں سے ضرغام کا دل باغ باغ ہوا جا رہا تھا۔ یہ الفاظ نہیں، تھے اس کی آئندہ ترقیوں اور کامرانیوں کا فرمان تھے ان باتوں سے وہ اس لئے او رسرور ہو رہا تھا کہ جب بانو کو خلیفہ کی خدمت میں اس کے اس تقرب کا علم ہو گا تو وہ کتنی زیادہ خوش ہو گی اس کی دیرینہ تمنا بھی تو یہی ہے کہ میں بارگاہ خلافت میں زیادہ سے زیادہ اعزاز وجاہ حاصل کروں سو وہ حاصل ہو گیا۔

ضرغام بدستور خاموش تھا اور معتصم کہہ رہا تھا۔

جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس طرح انسان اپنے اعمال و افعال سے پہچانا جاتا ہے پھل کڑوا ہے تو درخت ناکارہ ہے افعال و اعمال ذلیل و پست ہیں تو آدمی بھی ناقابل اعتماد اور ناقابل التفات ہے۔ تمہاری قدر دانی، تمہاری خوشامد اور چاپلوسی کی بنا پر نہیں ہو رہی ہے۔ تمہارے افعال و اعمال کی بنا پر ہو رہی ہے ——— کیا تم اپنے اس نئے اعزاز سے خوش اور مطمئن نہیں ہو؟

ضرغام:۔ یہ میری معراج ہے امیر المومنین !

معتصم مسکرانے لگا۔

باب ۔ ۳۹

نئی مشکل

معتصم اس وقت بہت خوش تھا اس کی ایک ایک حرکت سے مسرّت و نشاط کی کیفیت طاری تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت ضرغام سے کہیں زیادہ نشاط و مسرّت کی نعمت خدا ہی کی طرف سے اسے عطا ہوئی ہے ۔ وہ بار بار مسکراتا تھا ۔ آخر اُس نے ایک مرتبہ ضرغام کو گھُور کر دیکھا ۔ مسکرایا، پھر سنجیدگی کے ساتھ پوچھا

"تمہاری شادی تو ابھی نہیں ہوئی ہے شاید؟"

ضرغام :۔ "نہیں امیر المومنین !"

معتصم :۔ گھر میں تم صرف اپنی والدہ کے ساتھ مقیم ہو ؟

ضرغام کو معتصم کی اس وسعت معلومات پر حیرت ہوئی اُس نے کہا

"امیر المومنین کی اطلاع بالکل صحیح ہے ۔"

معتصم :۔ بس تو پھر تم اس قصر میں قیام کرو جو ہمارے محل سے ملا ہوا ہے ۔

ضرغام :۔ بہت خوب ———— امیر المومنین کے ارشاد کی تعمیل سر

آنکھوں پر ہو گی !"

معتصم :۔ (مسکراتے ہوئے) آخر تم تجرد کی زندگی کب تک بسر کرو گے ؟ اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے ۔

ضرغام کا دل بلیوں اچھلنے لگا اُس کی آنکھوں کے سامنے بالاؤکی دل آویز اور سحر طراز ——— تصویر پھرنے لگی ۔ وہ شرم سے جھجک کر رہ گیا، جواب نہ دے سکا ۔

معتصم :۔ ہم نے تمہارے لئے ایک حسین وجمیل، خوب رو، اور نازک اندام ترکی جاریہ پسند کی ہے ۔ فہم و فراست کی مالک بھی ہے اور حسن وجمال کی بھی !"

ضرغام :۔ جی ——— "

معتصم :۔ کوئی ڈیڑھ سال کی مدت ہوئی، ہم نے اسے دیکھا تھا، جب پہلی مرتبہ ہم نے اُسے دیکھا تھا ۔ تو دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا ۔ کہ اس کی شادی اپنے کسی محبوب آدمی سے کریں گے ۔ تم سے بڑھ کر ہمیں کون محبوب ہو سکتا ہے ہم چاہتے ہیں اس کی شادی تم سے ہو جائے ——— !"

یہ سن کر ضرغام سن سا ہو گیا ۔ اس کی روح تحلیل ہونے لگی ۔ ایسا معلوم ہوا جیسے زمین دھنس رہی ہے اور وہ اس میں غرق ہوا جا رہا ہے ایک طرف بالاؤ تھی عشق اور محبت اور دائمی نباہ کا وہ پیمان تھا جو ان دونوں نے خدا کو حاضر ناظر جان کر کیا تھا ۔ دوسری جانب دنیا کا بہت بڑا آدمی جس کا ایک اشارہ چشم ملکوں اور ملتوں اور قوموں کی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے ایک بات اصرار کے ساتھ کہہ رہا ہے ۔ اس کی بات ٹالی جا سکتی ہے ؟ اسکا حکم رد کیا جا سکتا ہے ؟ ——— اور اگر کر دیا جائے تو پھر حشر کیا ہو گا ؟

ضرغام اس وقت عجیب کشمکش میں تھا، نہ مخالفت کر سکتا تھا نہ تائید کر سکتا تھا۔ نہ اقرار ممکن تھا، نہ انکار، اس سخت ذہنی الجھن میں وہ آج تک گرفتار نہیں ہوا تھا۔

اسے خاموش دیکھ کر معتصم نے کہا

"تم خاموش کیوں ہو گئے"

ضرغام:۔ جی کچھ نہیں ——"

معتصم:۔ کیا ہماری تجویز تمہیں ناپسند ہے؟

ضرغام نے اس سوال کا جواب نہایت ہوشیاری سے دیا

"یہ کیونکر ممکن ہے کہ امیرالمؤمنین کوئی بات ارشاد فرمائیں اور غلام اس سے انکار کرے۔ امیرالمومنین کا جوارا میری زندگی کا سب سے شیریں خواب ہے"

لیکن امیرالمومنین نے شادی کے بارے میں جو تجویز پیش کی تھی اس کا کوئی جواب ضرغام نے نہیں دیا۔

معتصم نے خیال کیا ضرغام شرم وحیا کی وجہ سے شادی کا جواب گول کر گیا، اس نے کہا

"لیکن شادی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ —— شاید تم ہمارے سالاروں اور سپاہیوں میں اپنے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے سب سے مختلف ہو ان لوگوں میں ہم نے کوئی ایسا نہیں دیکھا جو دل وجان سے شادی کے لئے بے قرار و مضطرنہ ہو۔ یہی دیکھ کر ہم نے اچھی اور خوب صورت جواری (باندیاں) کا بندوبست کیا کہ ان کے ساتھ ان کی شادیاں کردیں۔ کیونکہ اپنے ترک سپاہیوں اور اپنے افسروں کے لئے اسے پسند نہیں کرتے کہ ان کی شادیاں بغداد کے گھروں میں ہوں، ایسا ہوا تو اس کا نتیجہ

یہ ہوگا کہ جس چیز ـــــــ سازش، مخالفت، غداری ـــــــ سے ہم انہیں بچانا چاہتے ہیں، اس سے یہ نہیں بچ سکیں گے کیونکہ جن گھروں میں شادی ہوگی ان کے ماحول سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکیں گے ۔"

ضرغام :۔ امیر المومنین کا یہ فیصلہ حکمت و مصلحت پر مبنی ہے ۔

معتصم :۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ جواری (باندیاں) جو ترکستان سے اب آئی ہیں اور جن کا بندوبست تم نے کیا ہے ان میں سے تمہیں کوئی پسند آگئی ہو، اور اس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو اگر یہ بات ہے تو بھی ہمارا خیال ہے کہ ہم نے جو جاریہ منتخب کی ہے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ سارے ترکستان کو چھان ڈالو مگر اس کی مثل نہیں ملنے کی !"

ضرغام :۔ جی ـــــــ "

معتصم :۔ ایک اور بات بڑے مزے کی سن لو،

(ضرغام متوجہ ہوکر) گوش ہوش سے سننے لگا، معتصم نے کہا

" شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ جو جاریہ ہم نے تمہارے لئے منتخب کی ہے۔ وہ اتنی زیادہ حسین و جمیل ہے کہ ہمارے سالاروں اور افسروں میں بہت سے لوگ اس کے متمنی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کی شادی ہم اسکے ساتھ کردیں۔ لیکن ہم نے سب کو آگاہ کردیا ہے اسے صرف تمہارے لئے مخصوص کردیا ہے ۔

ضرغام کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کہ کیا کہے ؛ کیا کرے ؟ ایک طرف معتصم کا یہ شاہانہ التفات تھا، یہ عنایت خسروی تھی، یہ کرم فرمائی اور بندہ نوازی تھی،

دوسری طرف بالو سے عشق تھا پیار و محبت تھا کئی مرتبہ اس نے کوشش کی کہ صاف صاف کہدے "امیر المومنین یہ نہیں ہو سکتا۔ جس جاریہ کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین وجمیل سہی، لیکن بالو کے مقابلہ میں ہیچ ہے میں ساری دنیا کو ٹھکرا سکتا ہوں، لیکن بالو کو نہیں چھوڑ سکتا بالو میری زندگی ہے، میری روح ہے، میری جان ہے، اس سے میں کس طرح دست بردار ہو سکتا ہوں،

وہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ معتصم نے کہا۔

کیا سوچ رہے ہو ضرغام ——— ؟

ضرغام نے ہمت کر کے جواب دیا۔

"جہاں تک شادی کا معاملہ ہے اس کی کچھ ایسی جلدی نہیں، اس وقت ہم ایک جنگی دور میں داخل ہیں۔ جنگ ہمارے سر پر کھڑی ہے اور ہم اس کی تیاریوں میں مصروف ہیں یہ مرحلہ خیر و خوبی سے طے ہو جائے پھر امیر المومنین کی جو مرضی ہو گی۔ وہی ہو گا۔

ضرغام کی یہ باتیں سن کر معتصم بہت خوش ہوا، خاص طور پر اس کے منہ سے جنگی تیاریوں کا ذکر سن کر اسے اور زیادہ اطمینان ہو گیا کہ یہ واقعی مرد میدان ہے نازک سے نازک مرحلہ پر بھی پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔ اُس نے کہا۔

"اچھا خیر ——— لیکن فرض کر لو، جنگ کے مرحلہ میں داخل ہو جاتے ہیں تو بھی تم اس قصر سے جدا نہیں ہو سکتے تمہیں بہرحال یہیں رہنا پڑے گا"

امیر المومنین کی ان باتوں سے ضرغام کو بہت اطمینان ہوا اس نے سوچا چلو شادی کی بلا تو ٹلی فی الحال، آئندہ کسی مناسب موقع پر اس مسئلہ کو طے کر لیا جائے گا اگر صحیح

صورت حال میں نے گوش گزار کر دی تو یقین ہے امیر المومنین میرے عذرات پر غور فرمائیں گے اور خوشی سے اجازت دے دیں گے کہ میں بانو سے شادی کر لوں ۔

معتصم نے ضرغام کو کہا

"اب تم جا سکتے ہو ——————— تاکہ جلد از جلد یہاں ہمارے قصر میں ہمارے دل سے قریب منتقل ہو جاؤ

ضرغام نے جواب دیا

"میں جاتا ہوں سب سے پہلے والدہ کو یہ خوش خبری سناؤں گا وہ میرے اس اعزاز سے بہت خوش ہوں گی

معتصم نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور پھر محل کے مہتمم کو بلا کر تاکید کی جلد از جلد ضرغام کے لئے ایک قصر آراستہ کر دیا جائے پھر اس نے اپنے سیکرٹری خاص کو ہدایت کی کہ تمام متعلقہ لوگوں کو مطلع کر دیا جائے ضرغام اپنے سابق منصب کے علاوہ ہمارا مصاحب خاص بھی ہے ہم نے آج سے اسکا نام "صاحب" رکھا ہے ۔ آج سے اس کا یہی نام ہوگا ۔

باب - ۴۰

وہ خوبصورت ترک جاریہ

قلعہ سے رخصت ہوکر ضرغام جب اپنے گھر پہنچا، تو دروان نے جلدی سے مرجانہ کو یہ خوش خبری پہنچادی۔ جب سے وہ خلیفہ کے پاس گیا تھا مرجانہ سخت پریشان تھی کہ خلیفہ نے اسے فرغانہ سے اتنی تعجیل کے ساتھ کیوں طلب کیا ہے۔ جیسے ہی وہ ماں کے کمرہ میں پہنچا اس نے بیتاب ہوکر اسے چمٹالیا اور پیار کرنے لگی پھر پوچھا

"کیوں بیٹے، خلیفہ کے پاس سے ہوکر آئے ہو؟"

وہ بولا:

"جی ہاں ہو آیا۔ وہ بہت خوش ہیں آپ کے بیٹے سے!"

مرجانہ:- بڑی اچھی بات ہے۔ ———— لیکن اس قدر تعجیل کے ساتھ تمہیں بلایا کیوں تھا؟

ضرغام:- وہ تو خیر کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن آج ایک بڑا دلچسپ اور پرلطف واقعہ پیش آیا۔

مرجانہ:- بتاؤ، کیا بات ہے؟

ضرغام نے شیرلی کہانی اوّل سے آخر تک سنا ڈالی، مرجانہ یہ قصّہ سنتی جاتی تھی اور فخر و مسرّت کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے جاتے تھے پھر اس نے کہا

"اماں، آج سے ایک بات اور بھی ہوئی ہے۔

مرجانہ (مسکرا کر) وہ کیا؟

ضرغام:۔ امیرالمومنین نے میرا نام بدل دیا ہے۔

مرجانہ:۔ نام بدل دیا ہے! کیوں؟ اسکا انہیں کیا حق ہے؟

ضرغام:۔ انہوں نے مجھے اپنا مصاحب خاص بنالیا ہے اور میرا نام "صاحب" رکھ دیا ہے اور دربار کے تمام لوگوں کو تاکید کردی ہے کہ آئندہ سے اس نام سے مجھے پکاریں!"

مرجانہ:۔ (خوش ہو کر) چلو اچھا ہوا۔ کیا حرج ہے! یہ نام بھی ٹھیک ہی ہے!"

ضرغام:۔ اماں ایک بات بڑی مزے کی سناؤں؟

مرجانہ:۔ کہیں تو یونہی پریشان کرتا رہتا ہے مجھے کہتا کیوں نہیں؟

ضرغام:۔ امیرالمومنین نے اپنے جوار میں ایک قصر میرے لئے خالی کرا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں وہاں منتقل ہو جاؤں!"

یہ سن کر، مرجانہ کے چہرے پر فکر کے آثار پیدا ہوئے وہ اپنی انگلیاں ملنے لگی۔ اس نے پوچھا۔

"خلیفہ کی خواہش ہے کہ تم اس کے جوار میں رہو لیکن کیوں؟ اسکی کیا ضرورت پیش آگئی؟

ضرغام:۔ تاکہ میں امیرالمومنین سے زیادہ سے زیادہ قریب رہوں وہ جب چاہیں

میں ان کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں، ——— اماں، یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ لوگ تو اس کے لئے جان دیتے ہیں مجھے تو بن مانگے مل گیا۔

مرجانہ:۔ بے شک ——— امیر المومنین نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنی والدہ کے یہاں آجاؤں۔

مرجانہ کی فکرمندی بڑھ رہی تھی وہ بولی

"نہیں بیٹے، میں نہیں جاؤں گی، تم اکیلے جاؤ، ——— مجھے کیا ضرورت ہے خلیفہ کے محل میں رہنے کی!"

ضرغام:۔ واہ ماں کہیں ایسا ہو سکتا ہے۔ تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔

مرجانہ:۔ کیوں اصرار کرتے ہو، مجھے یہیں پڑا رہنے دو۔

ضرغام:۔ اگر تم نہیں جاؤ گی تو میں بھی نہیں جاؤں گا، انکار کر دوں گا، امیر المومنین سے!"

مرجانہ:۔ تم جاؤ، خلیفہ کا قرب واقعی بڑی اعزاز کی بات ہے، اس کی تمنا بڑے بڑے لوگ کرتے ہیں۔

ضرغام:۔ اس لئے تو میں راضی ہو گیا تھا لیکن تم جانے کب دیتی ہو۔ تمہارے بغیر تو میں جنت میں بھی جانے کے لئے تیار نہیں!"

مرجانہ (ملول ہنستے ہوئے) شریر کہیں کا ——— بیٹے تم جاؤ، وہاں رہو دن میں ایک مرتبہ میرے پاس آجایا کرو، میں تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کروں گی اور پیار کر لیا کروں گی مجھے اس سے زیادہ اور چاہیے کیا؟

ضرغام کو سخت حیرت تھی کہ مرجانہ کو قصر خلافت میں جانے سے اتنا تامل

کیوں ہے ؛ یہ انکار ، اور اس انکار پر اصرار اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اُس نے کہا

"اماں تم میرے ساتھ چلو گی جس طرح یہاں رہتی ہو، اس طرح وہاں رہو گی، میں امیر المومنین سے وعدہ کر چکا ہو، اب اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔"

مرجانہ :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) اچھا اس مسئلہ پہ پھر غور کریں گے

ضرغام واہ، پھر غور کرنے کا وقت کہاں ہے ؟ کل ہمیں وہاں منتقل ہو جانا چاہیے مسعودہ کو حکم دو کہ وہ سامان تیار کرے، میں وردان سے کہہ دیتا ہوں، وہ اس کی مدد کرے گا ——— نہ جانے تم کیا سوچ رہی ہو، یہاں بالکل اکیلی پڑی رہتی ہو، وہاں قصر خلافت میں کبھی کبھی چلی جایا کرنا وہاں کی عورتوں سے ملنا۔ وہاں کی جواریوں کا گانا سننا، قصہ خواں عورتیں کہانیاں بھی سناتی ہیں۔ ان سے جی بہلانا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسا اہم مرحلہ درپیش ہے کہ تمہارا وہاں رہ کر اسے حل کرنا ضروری اور بہا ضروری ہے۔

مرجانہ کے چہرے کا رنگ یہ باتیں سُنکر بدل گیا اُس نے کہا۔

"بیٹے، جہاں تک میری تنہائی کا سوال ہے اس کی مجھے کچھ پرواہ نہیں، میری دنیا تم ہو، خدا تمہیں سلامت رکھے، میری ؟ ـــ قائم ہے۔ لیکن اگر تم مجھے اپنے ساتھ لے چلنے پر بضد ہو، تو پھر ایک شرط میری ماننی پڑے گی۔"

ضرغام :۔ (خوش ہو کر) منظور ہے وہ شرط

مرجانہ :۔ "میں کہیں آؤں جاؤں گی نہیں، نہ کسی کو میرے پاس آنے جانے کی ضرورت ہے"

ضرغام:۔ اگر تمہاری مرضی ہے، تو یہی ہوگا۔ ——— اور کچھ؟

مرجانہ:۔ بس ——— اور ہاں یہ تم کیا کہہ رہے تھے کہ وہاں ایک اہم معاملہ درپیش ہے وہ کیا ہے؟ اور میں اندھی عورت تمہاری کیا مدد کرسکوں گی؟

ضرغام:۔ میری پیاری اماں، بے شک تم نابینا ہو، لیکن تم میری روشنی ہو، تم ہی مجھے اس "اعزاز" سے نجات دلا سکتی ہو جو بلائے جان بن کر میرے گلے کا ہار ہوگیا ہے۔ اور جو اتنا اہم ہے کہ میرے لئے موت و زیست کا سوال درپیش ہوگیا ہے جس "اعزاز" کا جال امیر المومنین نے میرے لئے تیار کیا ہے، صرف تم ہی اس سے نجات دلا سکتی ہو،

مرجانہ:۔ کیا کہہ رہے ہو لڑکے؟ ——— کیسا جال؟

ضرغام:۔ خلیفہ نے از راہ کرم گستری، بندہ نوازی میرے لئے ایک ترک جاریہ منتخب کی ہے جس سے وہ میری شادی کرنا چاہتے ہیں ان کا قول ہے اس سے حسین و جمیل عورت ملنی دشوار کیا ناممکن ہے، اس کے حصول کے لئے بڑے بڑے لوگ تمنا کر رہے ہیں لیکن انہوں نے صرف میری وجہ سے سب سے انکار کر دیا ہے۔

مرجانہ:۔ اچھا یہ بات ہے، ——— پھر تم نے کیا کہا؟

ضرغام:۔ میں صاف انکار تو نہ کرسکا، لیکن اقرار بھی نہیں کیا،

مرجانہ:۔ کیا تم انکار ——— کر دینا چاہتے ہو؟

ضرغام:۔ قطعاً ——— کیا میں بانو کے سوا کسی اور عورت سے بھی شادی کر سکتا ہوں!"